Edited

اعجازِ نوح

دیوان سوم

نوح ناروی

891.41
M45

The Jammu & Kashmir University Library, Srinagar.

1. Overdue charge of *one anna* per-day will be charged for each volume kept after the due date.
2. Borrowers will be held responsible for any damage done to the book while in their possessio

THE JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY.
DATE LOANED
Class No. 891.4T081 Book No. M45A
Vol. 3 Copy
Accession No. 26575

عالی جناب ناخدائے سخن تاج ... صنا نوح

مصنف دیوان اول سفینہ نو ... بد صاحب

مرحوم مغفور ساکن قصبہ نارہ ضلع الہ آباد شاگرد و جانشین فصیح الملک حضرت داغ دہلوی رح

بحسن اہتمام

مجید احمد صاحب مجید و سہیل احمد صاحب سہیل ناروی

در مطبع اسرار کریمی الہ آباد طبع شد

قیمت پانچ روپیہ

U1
145 ن

891.4 N45 A

اعجازِ نوح

تیرے چھپنے میں بھی طوفانِ نوح کی طرح بڑی تاخیر ہوگئی پہلے کتابت کرنے والے نے پریشان کیا پھر مطبع والوں نے حسبِ وعدہ تیری طرف خاص توجہ نہ کی ہمیشہ وعدہ کرتے رہے اور ہر وعدہ امروز وعدۂ فردا پر ٹلتا رہا اسی طرح اتنا زمانہ گذر گیا مجھے تجھ سے ندامت اور اُن حضرات سے نہایت شرمندگی ہے جو تیری آرزو لئے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گئے اور تیری تمنا کے ساتھ ملکِ عدم کو سدھارے میں کس توقع پر اپنے دوستوں سے معافی کا طالب ہوں خدا کے فضل و کرم سے جو زندہ ہیں وہ تو اس فرو گذاشت کو معاف بھی کر دیں گے لیکن جو دنیا سے اُٹھ گئے وہ کیونکر معاف کر سکتے ہیں سفینۂ نوح دیوان اول اور طوفانِ نوح دیوان دوم دو دو بار چھپے اور سب جلدیں ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں آج تلاش کرنے پر کوئی دیوان کہیں نہیں ملتا اس مقبولیت کی مجھے قطعی امید نہ تھی میں اس کو خدا کا فضل اور اپنے اُستاد حضرتِ داغ دہلوی کا روحانی فیض سمجھتا ہوں اگرچہ تیری غزلیں بیشتر ملک کے مشہور رسالوں اور اخباروں میں شایع ہوئیں اور اچھے اچھے شاعروں نے مختلف اور متعدد مقاموں پر میں نے خود پڑھیں مگر اب کتابی صورت میں تو منظرِ عام پر آرہا ہے خدا جانے دنیا تیرے ساتھ کیا برتاؤ کرے امید تو یہی ہے کہ تو بھی پہلے دیوانوں کی طرح زمانے میں مقبولیت حاصل کریگا اس میں کوئی شک نہیں کہ فی زمانہ قدیم تغزل کے قدردان بہت کم اور ادب جدید کے پسند کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن خدا کا نام لیکر تو سب کے سامنے آ اور اپنی خوبیوں سے ساری دنیا کو تسخیر کرلے ۔

اس کا افسوس ضرور ہے کہ غزلوں کے ساتھ تاریخی قطعات سہرے مختلف اور متعدد نظمیں مخمس مسدس ترجیع و ترکیب بند وغیرہ وغیرہ شامل نہ ہو سکے اگر زندگی ہے تو یہ سب چیزیں بھی عنقریب طبع ہو جائیں گی خدا خدا کرکے تیری ہی اشاعت کی نوبت آئی اب چوتھا دیوان جو قریب قریب مکمل ہے اور ابھی جس کا نام بھی تجویز نہیں کیا گیا اُس کا خدا حافظ ہے دیکھوں میری زندگی میں شایع ہوتا ہے یا نہیں فقط

نوح ناروی

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No 26575
Date 10-3-59

اے نوحؔ آس پاس مرے فرخ و سعید
بائیں طرف سہیل ہیں دہنی طرف مجید

ALLAMA IQBAL LIBRARY
26575

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No.
Date
SRINAGAR

عالی جناب ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان صاحب جج فیڈرل کورٹ دہلی مرحوم مغفور

جناب نوح ناروی سے مجھ کو عرصہ سے نیاز حاصل ہے آپ کو فصیح الملک داغ
دہلوی مرحوم سے تلمذ حاصل تھا اور آپ حضرت داغ کے مشہور معروف شاگرد ہیں۔
جناب نوح کے کلام میں لطف بیان اور دلکش زبان کی خصوصیات امتیاز
کے ساتھ نمایاں ہیں اور آپ کے اشعار پاکیزہ پر لطف اور بلند پایہ ہیں۔
اپنے استاد کی تقلید میں جناب نوح نے سلاست، طرز ادا، سوز و گداز کے لوازم
اور ضروریات کو قائم رکھا ہے اور بدرجۂ خود کہنہ مشق اُستاد ہیں۔
آپ کے شاگرد بکثرت ہیں آپ کے معتقدین کا حلقہ بہت وسیع ہے
آپ کی اکثر نظمیں و بالخصوص غزلیں مقبول عام ہو چکی ہیں آپ نے زبان اُردو
کو پاک و صاف رکھا ہے اور اس کے خالص بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں نظم
میں جو بڑی خدمت اُردو زبان کی آپ انجام دے رہے ہیں اُردو زبان اُس کی
ہمیشہ ممنون احسان رہے گی اور آپ اپنے حسن بیان کی وجہ سے ہمیشہ
ممتاز شعرا کے زمرہ میں شمار کئے جائیں گے۔
آپ کا سابق مطبوعہ کلام نہایت پر لطف تسلیم کیا جا چکا ہے اور نہایت
مسرت ہے کہ آپ کا جدید مجموعہ کلام شائع ہو رہا ہے مجھے امید ہے کہ
اس کی قدر دانی بھی ویسی ہی ہو گی فقط۔

جناب خواجہ محمد نور صاحب جسٹس ہائی کورٹ پٹنہ صوبہ بہار مدظلہ

بنام حکیم سخن آفریں

میں سخن سنج نہیں ہوں احباب مجھے سخن فہم سمجھتے ہیں مجھے اس کا بھی دعوے نہیں حضرتِ نوح سے میرے قدیمی تعلقات ہیں اِن تعلقات کے لحاظ سے میرا جی چاہتا ہے کہ میں اُن کے تیسرے دیوان کے لئے ایک تقریظ لکھ دوں گو یہ اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ میری کوشش کے باوجود اِن کے محاسن شاعری وخصوصیات شعری تشنہ بیان رہ جائیں گی۔ آج کل کی دنیا جو مادّی ترقی کی دنیا ہے اِس فن لطیف یعنی شاعری اور خصوصاً گل وبلبل کی شاعری کو ایک فعلِ عبث اور تضیعِ اوقات کا ذریعہ سمجھتی ہے مگر غلط سمجھتی ہے۔

انسان کو جب اپنی قوت ذہنی اور احساسِ باطنی کا شعور ہوا تو اُس نے اپنے کو یک سر جذبات کا بندہ پایا۔ انھیں جذبات اور واردات قلبی کا اظہار وبیان شاعری ہے محورِ اعمال انسانی جذبۂ محبت ہے اور محبت کی ہر نوع میں محبت جنسی قوی ترین ہے اور محبت جنسی کے اظہار کا بہترین طریقہ متمدن اور تعلیم یافتہ اقوام میں شاعری ہے دنیا بہت کچھ بدل گئی زمانے نے نیا روپ بدل لیا لیکن عشق ومحبت کے جذبات اور حسن کے دل ربا جلوے نہ بدلے ہیں اور نہ بدلیں گے اثرات حسن اور جذبات عشق نہ محدود زماں ہیں اور نہ مخصوص مکاں نہ منحصر اقوام ہیں اور نہ موقوف ممالک انھیں جذبات کا بیان اور انھیں واقعات کا ذکر غزل کی جان ہے اور اسی لئے جو شاعر ان جذبات کی مصوری اور اِن حالات کی نقاشی میں کمال رکھتا ہے اِسی کی فطرت انسانی کا بزرگ ترین ترجماں کہتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ شاعری سے براہ راست دنیا کی دولت میں ترقی اور اسباب معاشرت کی فراہمی میں آسانی پیدا نہیں ہوتی۔ مگر کیا اور فنونِ لطیفہ سے دنیا کی اقتصادی اور معاشی صورت سنورتی ہے ہرگز نہیں اِس لحاظ سے پھر فنونِ لطیفہ کے اس خاص شعبہ سے غیر فطری نفرت کی کیا وجہ ہے۔ فلپ سڈنی کا قول ہے کہ شاعری ایسا عالم گیر فن ہے جس سے نہ تو کوئی وحشی قوم بے نیاز رہی اور نہ کوئی متمدن قوم کو احتراز رہا سائنس نے جسمانی آرام وعافیت کے لئے لاکھوں سامان مہیا کر دئے ہیں مگر افکار وآلام سے بچنے کے لئے اُس کے پاس کوئی شے موجود نہیں غم ورنج سے رہائی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ شعر کہنا شعر سننا اور شعر پڑھنا ہے۔ کسی بات کو موثر ترین طریقہ سے بیان کرنا ہوتا ہے تو اشعار میں بیان کرتے ہیں کسی لطیف ترین جذبہ کا اظہار کرنا منظور ہو تو شاعری کی مدد سے حصول مدعا میں کامیابی ہو سکتی ہے کسی نازک معاملہ کو مجمل ترین انداز میں کہنا ہو تو الفاظ شعر ہی اس کے لئے موزوں ہیں۔ بزم سوز وسرور کی رونق اور مجلس ماتم وعزا کی گرمی شاعری ہی کے طفیل سے حاصل ہوتی ہے مصوری وموسیقی کے دلکش مجموعہ کا نام شاعری ہے۔ ورڈس ورتھ کہتا ہے

کہ شاعری نفاست قلبی کی بے ساختہ آواز اور سرچشمۂ لذت ہے کیا شاعری سے دست بردار ہو کر کاروباری دنیا سرچشمۂ مسرت و لذت روحانی و سرودِ سرمدی سے محروم رہنا پسند کرے گی رسکن کہتا ہے کہ شاعری جذبات عالیہ کے دل نواز نغمہ کا نام ہے کیا موسیقی کی دل دادہ دنیا اس ترانۂ روح افزا کو نہیں سننا چاہتی کیا زر و مال کا حریص عالم جذبات عالیہ کے اظہار کا بہترین طریقہ نہیں جاننا چاہتا۔ ہیگل کا قول ہے کہ شاعری خدا کی خاص نعمت ہے کیا اس نعمت سے محروم رہنے میں کوئی خاص مصلحت ہے۔

سلیقۂ بیان اور طرزِ ادا ادب کا ضروری عنصر ہے اور شاعری میں اس کا کافی خیال رکھا جاتا ہے معترضین شاعری کہیں گے کہ خیر شاعری میں زیادہ مضائقہ نہیں مگر گل و بلبل کی شاعری میں یہ اوقات عزیز کا صرف کرنا مستحسن نہیں ہیں جواباً عرض کرنے کے لئے تیار ہوں کہ گل و بلبل کی شاعری درحقیقت جذبۂ محبت کی شاعری ہے اور جذبۂ محبت تمام جذباتِ انسانی سے زیادہ قوی ہے اور پھر بقول مشہور فرانسیسی انشاپرداز وکٹر ہیوگو شاعری کے لئے کوئی مضمون اچھا یا بُرا نہیں ہوتا بلکہ اچھے اور بُرے شاعر ہوتے ہیں جام جہاں نما دامانِ خیال یار چشم غمّاز زلف شب گوں اضطراب بسمل غمزۂ خوں ریز نگاہ ہوش ربا حسنِ زاہد فریب الطاف پیر مغاں بوئے گل نالۂ نے وغیرہ وغیرہ مضامین پر قریب قریب ہر اُردو زبان کے شاعر نے خیال آرائیاں کی ہیں مگر نوحؔ صاحب کی طرز خاص بے حد دل پسند ہے سیدھے سادے الفاظ میں یہ ایسی نادر تصویر کھینچتے ہیں جو دل میں بغیر گھر کئے نہیں رہتی اور جس سے ان کے معاصرین ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کسی معتبر ادیب کا قول ہے کہ شاعری کسی قوم کی زبان کو زندہ اور شگفتہ رکھنے کا نہایت طاقت ور ذریعہ ہے۔ میرے خیال میں انھوں نے بڑی حد تک زبان اُردو کی سچی خدمت کی ہے صحتِ زبان کا خیال ان کو غالب کی طرح چیستاں سرائی سے پرہیز ان کو فارسی اور عربی الفاظ کی بے جا بھرمار سے نفرت ان کو غیر مانوس ترکیبوں سے گریز ان کو شیریں بیانی کا ذوق اِن کو جذبات کی معنی آفرینی کا شوق اِن کو بہر حال جو خوبیاں ایک شاعر اعظم میں ہونی چاہئیں وہ سب ان میں قدرت نے ودیعت کی ہیں زبان اور طرز بیان وہ ضروری اجزا ہیں جن کے بغیر دنیا کی کسی زبان میں ادبی کارناموں کو اہمیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ جناب نوحؔ نے اِن دونوں باتوں کا لحاظ اپنی شاعری میں خاص طور سے رکھا ہے اسی لئے ان کے اشعار ادب اُردو کے شہ پارے سمجھے جاتے ہیں ان کے بیشتر اشعار لوگوں کی زبانوں پر ہیں اور جنھیں بقائے ابدی حاصل ہو چکی ہے میں نے بیشتر اِن کا کلام متعدد رسالوں میں بھی دیکھا ہے اور اِن کی زبان سے بھی سُنا ان وجوہ پر جو میں نے رائے قائم کی ہے وہ ہرگز ہرگز غلط نہیں ہوسکتی اُردو کی زیادہ تر شاعری اگرچہ بحیثیت مضمون ایک گونہ ایک ہی ہے لیکن اگر مشہور و مستند شعرا کا کلام بالاستیعاب پڑھا جائے تو اُن میں سے ہر ایک میں کسی نہ کسی قسم کی مابہ الامتیاز خصوصیت اور انفرادیت ضرور پائی جائے گی اسلوب بیان انداز زبان طریقۂ اظہارِ خیالات طرزِ ادا انتخاب الفاظ اور تنظیم اشعار سے بخوبی یہ پتہ چل جاتا ہے کہ اِن کا لکھنے والا کون ہے جناب نوحؔ کے کلام میں بھی یہ خصوصیتیں جامع کمالاتِ شخصیت

کی ترجمان ہیں ان کا ایک خاص رنگ ہے بعض بعض ترکیبیں ایسی ہیں جو خاص ان کی اختراع اور انھیں کے حصّہ کی ہیں۔

عشق اُن سے کرکے غم سہنے کے قابل ہوگیا — پہلے دل ہی دل تھا اب دل بن گیا دل ہوگیا
دیر و مسجد میں بسر کرتے ہیں اپنی کس طرح — اُس طرف ہم اُس طرح اور اِس طرف ہم اِس طرح
فکر تشویش غور عشق میں کیا — فکر تشویش غور کچھ بھی نہیں
اب وفورِ ناتوانی سے یہ میرا حال ہے — جس جگہ میں گر پڑا مجھ کو پڑا رہنا پڑا

جو شاعر اپنے باطنی تجربہ اور واردات قلبی کو اس طرح لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ بھی یہی سمجھنے لگے کہ یہ تو ہمارے دل میں ہے اُس کا پایہ بہ حیثیت ایک صاحب کمال اور ماہر فن کے بہت اعلیٰ وارفع ہوتا ہے اِن کے جذباتِ موزوں اِس خوبی کے ساتھ ان کے باطنی خیالات اور احساسات کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں کہ ہم یہ باور کرلیتے ہیں کہ یہ تو خاص ہمارے ہی خیالات و جذبات و احساسات ہیں۔

عیش کے بدلے ہمیشہ غم مجھے سہنا پڑا — جس طرح قسمت نے رکھا اُس طرح رہنا پڑا
مدت ہوئی ترکِ الفت کو اب ذہن میں وہ روداد نہیں — کیا تم نے کہا کیا میں نے سُنا کیا دل نے کہا کچھ یاد نہیں
یہ حسن یہ جوانی یہ ناز یہ ادائیں — کیوں تم کو دیکھ کر ہم بے موت مر نہ جائیں
اُن کا یہ خوف ہے کہ زباں کھولتے نہیں — میرے رفیق میری طرف بولتے نہیں

سوز و گداز و اثر شاعری کے لئے ضروری ہیں میرے خیال میں ان کا کلام اِن خوبیوں میں کسی طرح ان کے استاد فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کے کلام سے کم نہیں اور یہی وہ امتیازی خصوصیت ہے جس کی بنا پر ہم انھیں اُردو زبان کا بہت بڑا شاعر سمجھنے اور کہنے پر مجبور ہیں جہاں اِنھوں نے زبان کے جوہر دکھائے ہیں وہاں یہ معلوم ہوتا ہے اِن کے پردے میں اِن کے اُستاد بول رہے ہیں یہ کمال بہت دنوں کی مشّاقی سے پیدا ہوتا ہے کوئی آسان بات نہیں ایک ایک شعر آتشِ محبت کے دل جلوں کے لئے جوشِ وفا کے سامان سوز شعلہ فشانیوں سے مجسم آتشِ بے دود بن گیا ہے۔

میرے جینے کا طور کچھ بھی نہیں — سانس چلتی ہے اور کچھ بھی نہیں
زندگی دیکھنے میں سب کچھ ہے — جب سمجھئے بغور کچھ بھی نہیں
گیا جو وقت تو پھر کرکے غور کیا ہوگا — نہ ہوگا کچھ بھی یہی ہوگا اور کیا ہوگا
یہ اگر سچ ہے کہ مجھ کو عشق کرنا آگیا — تو سمجھ لو روز مرنا روز جینا آگیا
ربط اگر ہو آپس میں تو نہ اذیت پائیں ہم — جائیں ہم بلوائیں وہ آئیں وہ بلوائیں ہم
ابھی بس میں زباں ہے آپ سُن لیں داستاں میری — خدا جانے نظامِ زندگی کس وقت برہم ہو
بنا صحیفۂ عبرت ورق ورق اُس کا — جو تھی بیاض مرے آخری زمانے کی

خیالات کو بہترین اور سہل طریقے سے ادا کرنا ایک شاعرِ باکمال ہی جانتا ہے جذبات کو مسخ شدہ شکل میں پیش کرنا یا خیالات کو الفاظ کے گورکھ دھندوں سے ایک معمّہ یا چیستاں بنا کر شاعری کو

پرشکوہ بنانے کی کوشش میں کوئی خوبی نہیں میں تو اس کو نقصِ فن کی کھلی ہوئی دلیل سمجھتا ہوں اگر انسان کا دماغ بجائے سرور و انبساط حاصل کرنے کے پیچیدگیوں کی گتھیاں سلجھانے میں خستہ و پریشان ہو گیا تو شاعری کا مقصد ہی جاتا رہا حضرت نوحؔ اس راز سے اچھی طرح واقف ہیں اور انھیں اصول پر کاربند بھی ہیں یہ مشکل سے مشکل مطالب اور لمبے چوڑے مضامین کو نہایت ہی سہل مختصر الفاظ اور روزمرہ کی بول چال میں ادا کر جاتے ہیں یہ خاص جناب داغؔ کا رنگ ہے اور اسی وجہ سے ان کے کلام میں محاوروں کی بندش زبان کی فصاحت بیان کی سلاست سے ایک شگفتگی پیدا ہو گئی چونکہ زبان پر انھیں پوری قدرت حاصل ہے اعلےٰ سے اعلےٰ جذبات اور پیچیدہ سے پیچیدہ خیالات کا اظہار اس صفائی اور صداقت سے کر جاتے ہیں کہ وہ اپنی تمام کیفیات کے ساتھ ہماری نظروں کے سامنے بڑی آسانی سے آجاتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں آؤ مری انجمن میں مگر میں وہاں اب نہیں جانے والا — کہ اکثر بلایا بلا کر بٹھایا بٹھا کر اُٹھایا اُٹھا کر نکالا
دل کے مٹ جانے کی صورت یوں مصور کھینچ دے — کچھ دبا پہلو رہے بایاں مری تصویر کا
بحرِ الفت میں کیا موجوں نے عالم کو تباہ — جس طرف دریا کا رخ تھا اس طرف بہنا پڑا
آفتابِ حسن کے جلووں نے ہلچل ڈال دی — ذرہ ذرہ کائناتِ عشق کا خاموش تھا
ناوکِ بے داد پر بھی کھل گئے اسرارِ عشق — کیوں سلامِ شوق جھک کر حسرتِ دل نے کیا
سرزمینِ کوئے جاناں اور اس پر پائے شوق — مجھ کو منزل سے الگ توقیرِ منزل نے کیا
چند خوں آلودہ آنسو جذبِ دامن ہو گئے — پیکرِ سادہ میں غم کو رنگ بھرنا آ گیا
روزِ اول ہی ظہورِ عشق کامل ہو گیا — خون کے دو چار قطرے جم گئے دل ہو گیا
گو ساتھ اُٹھا ساتھ چلا ساتھ پھرا میں — سایہ کی طرح پھر بھی رہا اُن سے جدا میں

حضرتِ داغؔ اور جنابِ نوحؔ کی دوسری مشترک خصوصیت شوخی و رنگینی ہے جس طرح داغؔ رنگینی و شوخی کے جویا ہیں اُسی طرح نوحؔ بھی شوخی و رعنائی کے شائق ہیں۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ ٹھہرو رات ابھی گذری نہیں — وہ یہ کہتے ہیں کہ جانے دو سویرا ہو گیا
اگر میں پوچھتا ہوں آپ میرے گھر کب آئیں گے — تو وہ کہتے ہیں آئیں گے مگر اس کب سے کیا مطلب
میں کیا بتاؤں کب ہو اگر اب جفا نہ ہو — وہ مجھ سے پوچھتے ہیں جفا اب نہ ہو تو کب
یہ کیا رخنہ سازی یہ کیا پیش بندی یہ کیسا کنایہ یہ کیسا اشارہ — ابھی ناوک آیا نہیں میرے دل تک صدا ناوک انداز نے دی وہ مارا
کبھی عشق میں انقلاب ایسا آئے محبت کبھی یہ تغیر دکھائے — بدل جائے دل اور دل ہو بدل کر ہمارا تمھارا تمھارا ہمارا

جس طرح داغؔ کے اشعار بزمِ راز و نیاز کی بے تکلف گفتگو اور عاشق و معشوق کے پراسرار مکالمے ہوتے ہیں اسی طرح نوحؔ کے کلام میں بھی یہ معاملہ بندی کی صفت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے اِن کے اِس قسم کے اشعار میں ایک خاص بے ساختگی اور عجب طرح کی دل آویزی ہوتی ہے کہ پڑھنے والے پڑھتے جاتے ہیں اور سننے والے سنتے جاتے ہیں اور اُن کا لطف بڑھتا ہی جاتا ہے۔

اب حیا پرور نگاہیں مجھ سے اُٹھ کر مل چکیں — سر جھکا کر کہہ دیا اُس نے کہ شرماتا ہوں میں

اٹھا کے ہاتھ چرا کر نگاہ پھیر کے منھ / عجب ادا سے کسی نے مجھے سلام کیا
کھڑے ہیں وہ جھکی جاتی ہیں آنکھیں / اسی طرزِ حیا نے مار ڈالا
تری سیدھی نظر سے بچ گیا ہیں / مگر بانکی ادا نے مار ڈالا
اے دستِ شوق دامنِ محبوب تھام لے / ٹوٹے گا سلسلہ نہ سوال و جواب کا

یہ ایک عام خیال ہے کہ غیر مردف زمینوں میں بہ نسبت مردف زمینوں کے زور کم ہوتا ہے میں بھی اس سے کسی حد تک اتفاق کرتا ہوں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ایک مشاق اور خوش گو شاعر کے لئے اِن خشک زمینوں میں بھی تر و تازہ گل کھلا دینا کوئی مشکل نہیں جن کی بہار کبھی زائل نہیں ہو سکتی۔

نشاط و الم کے سفید و سیہ نے ہماری نگاہوں کو حیرت میں ڈالا
ادھر تیرگی ہے اُدھر روشنی ہے کہیں ہے اندھیرا کہیں ہے اُجالا
قراین سے ہوتا ہے معلوم ہم کو کسی روز لٹ جائے گا دل ہمارا

نگاہیں بھی اُس عشوہ گر کی نگاہیں اشارہ بھی اُس فتنہ گر کا اشارہ
کبھی پردہ داری کبھی خود نمائی کبھی کچھ رکاوٹ کبھی کچھ لگاوٹ
تمھاری یہ چاروں ادائیں غضب ہیں یہ چاروں کریں گی ہزاروں کو چوپٹ

فروغ حسن میں کیا بے ثبات دل کا وجود / وہ آفتاب یہ شبنم وہ آگ یہ بارود

ہمیشہ تمنا و حسرت کا جھگڑا ہمیشہ وفا و محبت کا ہلڑ
تھمے کیا طبیعت رُکے کس طرح دل یہ آفت وہ فتنہ یہ آندھی وہ جھکڑ

عشق کے واسطے ہے دل کی آڑ / کوئی دیکھے یہ تل کی اوٹ پہاڑ
سب کی سمجھ میں آسکے کیوں کر محبت کا سبق / انشا بلند املا گراں مضموں اہم معنی ادق

چوں کہ فطرتاً ان کی طبیعت جدّت پسند ہے اس لئے انھوں نے حتےٰ الوسع اُن زمینوں میں بہت کم غزلیں کہی ہیں جن میں اور شعرا لکھ چکے تھے مشاعروں کی طرحوں سے تو مجبوری تھی ورنہ بیشتر خود زمینیں نکالیں اور اُن میں جو کچھ کہنا ہوا کہا۔

عدم سے ہاتھ خالی آئے خالی ہاتھ جائیں گے / فقط اچھے برے اعمال اپنے ساتھ جائیں گے
میں غم کا فسانہ کس سے کہوں غم خواروں سے گھر خالی ہے / کون آنے جانے والا ہے سانس آنے جانے والی ہے
مری ایک ایک سانس اب موردِ غم ہوتی جاتی ہے / چراغِ زندگی کی روشنی کم ہوتی جاتی ہے
اور نہ ہم نے کچھ بھی جانا لیکن اتنا جان گئے / دنیا میں نادان آئے نادان رہے نادان گئے
سامان مرے دل میں کچھ بھی چھوڑا نہ کسی کی یاری نے / چمکی تو بالآخر چھین لیا گھر پھونک کر اس چنگاری نے
آپ ہیں ہم ہیں مے ہے ساقی ہے / یہ بھی اک امر اتفاقی ہے
جا بلا سے نہ پوچھ بات مری / کیا ترے ہاتھ ہے نجات مری

اور شعرا کسی غزل میں ایک قافیے پر دو چار شعر کہتے ہوں گے انھوں نے بیشتر صرف ایک ہی قافیے میں پوری پوری غزلیں کہی ہیں اس سے قوتِ فکر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے وہی ایک قافیہ اور

مختلف مضامین یہ کوئی آسان بات نہیں -

بادۂ سر جوش کا عالم یہ مے خانے میں ہے
قابلِ تعریف یہ تقسیم مے خانے میں ہے
جس کے پیمانے میں دیکھو اُس کے پیمانے میں ہے
جس کو جتنی پیاس اُتنی اُس کے پیمانے میں ہے

خنجرِ خوں خوار چل کر اب نئی مشکل میں ہے
اِس طرح اور اُس طرح دم ہر طرح مشکل میں ہے
کچھ تمھارے ہاتھ میں ہے کچھ ہمارے دل میں ہے
تیر میں دل ہے مرا یا تیر میرے دل میں ہے

جو میری آستیں سے دستِ کشِ وحشت کہیں ہوتی
بہجومِ رنج و غم میں اشک شوئی بایقیں ہوتی
یقیں تھا خود گریباں گیر وحشت آستیں ہوتی
ہمارے دامنِ تر پہ جو اُن کی آستیں ہوتی

اِسی طرح اور بہت سی غزلیں ہیں جن میں صرف ایک ہی قافیہ سے از ابتدا تا انتہا کام لیا گیا ہے یہ علی العموم دیکھا گیا ہے کہ ہر غزل میں دو چار مطلع بشکل سے لوگ کہتے ہیں مگر انھوں نے اکثر ایسی غزلیں کہی ہیں جن میں سب شعر شروع سے اخیر تک مطلع ہیں پھر وہ زمین بھی آسان نہیں ذیل کی زمینوں میں جو غزلیں ہیں اُن کے سب اشعار بقید مطلع اور قابل دید ہیں -

بے داد کا شکوہ حشر کے دن اک حشر اُٹھا دکھائے گا
یعنی جو سنیں گے وہ اِس کو تو اور اُنھیں غصہ آئے گا

کسی کے عشق میں یوں خضر کی تردید کرتا ہوں
جو وہ جینے پہ مرتے ہیں تو میں مرنے پہ مرتا ہوں

کب چرخ کا شکوہ کرتے ہیں قسمت کو بُرا کب کہتے ہیں
غم ہو کہ خوشی ہو کچھ بھی ہو ہر حال میں ہم خوش رہتے ہیں

یہ میں تسلیم کرتا ہوں تمھیں مجھ سے عداوت ہے
مگر اتنا سمجھ رکھو محبت پھر محبت ہے

شاعر کے لئے شعر کہتے وقت غزل میں بڑی ردیفوں کا سنبھال کر نظم کرنا نہایت مشکل ہے لیکن انھیں بہت آسان ہے یہ اس خوبی سے چسپاں کر دیتے ہیں کہ بے اختیار داد دینے پر مجبور ہونا پڑتا ہے -

محبت میں ہو کر شریک تمنا خبر تم نہ لوگے تو پھر کون لے گا
نشاں میرے دل کا اثر میرے غم کا اگر تم نہ لوگے تو پھر کون لے گا

واہ یہ لطفِ سوزِ الفت کس کی بدولت دل کی بدولت
دوزخ بھی ہے مجھ کو جنت کس کی بدولت دل کی بدولت

مانا کہ مرا دل بھی جگر بھی ہے کوئی چیز
لیکن وہ نظر تیر نظر بھی ہے کوئی چیز

اُس بتِ کافر کو اِن کا دھیان کیا ہے کچھ نہیں
دین کیا ہے کچھ نہیں ایمان کیا ہے کچھ نہیں

مری فغاں میں اثر ہے بھی اور رہے بھی نہیں
اِدھر کسی کی نظر ہے بھی اور رہے بھی نہیں

بھکانے والے بھکائیں شوق سے اکثر ہم کو تم کو
آنا جانا ملنا جلنا چھپ کر کھل کر ہم کو تم کو

تیرے گھر سے مرے ٹل جانے کی بھی خوب رہی
یہ نکلوانے نکل جانے کی بھی خوب رہی

اپنے اپنے رنگ میں یکتا میں ہی میں ہوں تو ہی تو ہے
حسن کی مورت عشق کا پتلا میں ہی میں ہوں تو ہی تو ہے

صبح دم آہِ رسا دیکھئے کیا کرتی ہے
یہ سویرے کی ہوا دیکھئے کیا کرتی ہے

رہِ طلب میں بنے وہ نشتر اِدھر سے جاتے اُدھر سے آتے
چُبھے جو کانٹے قدم قدم پر اِدھر سے جاتے اُدھر سے آتے

اِن کا جو خاص رنگ ہے اس میں تو یہ کامل کیا بلکہ اکمل ہیں لیکن اپنے رنگ سے بالکل ہٹ کر بھی انھوں نے دوستوں کے کہنے سے بیش تر ایسے اشعار کہے ہیں جن کو سُن کر یہ کوئی امتیاز نہیں کر سکتا کہ یہ اشعار نوح صاحب کے ہیں اس سے یقین ہوتا ہے کہ ہر رنگ پر قدرتِ مشق ہے اور سب طرح کے اشعار ان کے

قلم سے نکل سکتے ہیں۔

زہے مداجِ عرفان و لطفِ بزمِ شہود | ہمیں ہیں عبد ہمیں عبدیت ہمیں معبود
سوادِ شامِ محبت ہے دودِ بے آتش | طلوعِ صبحِ تمنا ہے آتشِ بے دود
اُٹھی گھٹا کی طرح چھاگئی فضا کی طرح | حدودِ حسن میں تاثیرِ عشقِ نا محدود
فروغِ حسن تغیر پسند کچھ بھی نہیں | ضیائے کرمکِ شب تاب کی ہے کوئی نمود
جمالِ شاہدِ مطلق سے جس کو مطلب ہے | وہ دل سعید نظر اسعد آرزو مسعود
کیوں کر ہو مرا دل نہ پریشانِ تمنا | یہ جوششِ غمِ عشق یہ ہیجانِ تمنا
چلتے ہیں ہوائے ستم و جور کے جھونکے | اُڑ جائیں نہ اوراقِ پریشانِ تمنا
دیکھو تم انھیں چشمِ حقارت سے نہ دیکھو | آنسو بھی ہیں منجملۂ سامانِ تمنا
ہر زخمِ جگر ایک گلِ باغِ وفا ہے | ہر داغِ دل اک شمعِ شبستانِ تمنا
جو طالبِ الفت ہو وہ مضبوط کرے دل | اُٹھے گا اِسی نیو پر ایوانِ تمنا

لطفِ زبان حضرت داغ مرحوم اور اُن کے تلامذہ کی نمایاں خصوصیت ہے مگر یہ جوہر ناخدائے سخن جناب نوح کے کلام میں بہت زیادہ پاتا ہوں اِن کو ہر طرح جانشین داغ بننے کا حق تھا کیوں کہ تقلید کی خوبی ہی ایک ایسی چیز ہے جو جانشین بنا سکتی ہے میں پہلے بھی کہہ چکا اور اب بھی لکھتا ہوں کہ اِن کے کلام میں وہی فصاحت وہی سہل ممتنع اور لطفِ زبان ہے جو اِن کے استاد کا حصّہ تھا۔

ایک شعر سنئے شانِ تغزل یہی ہے۔

بڑی سیدھی نگاہِ شرمگیں معلوم ہوتی ہے | یہ ظالم ہے مگر ظالم نہیں معلوم ہوتی ہے

ایک اور شعر سنئے اور محاورے کا برمحل استعمال اور شاعرانہ اندازِ بیان کے ساتھ ساتھ جناب داغ کے رنگ کا بانکپن بھی ملاحظہ ہو۔

چھوڑ کر طرزِ تغافل تیغ بے خنجر اُٹھا | تو نہ مجھ سے ہاتھ اُٹھا تو ہاتھ اب مجھ پر اُٹھا

اس شعر کی شوخی بھی دیکھئے۔

غنچۂ آرزو ہے کھلنے پر | مسکرائے جا مسکرائے جا

چار ٹکڑوں کا شعر سنئے اور سلاست کے ساتھ ساتھ معنی آفرینی کا کمال بھی دیکھئے۔

تری تند خوئی تری کینہ جوئی تری کج ادائی تری بے وفائی | بلا ہے ستم ہے غضب ہے قیامت دہائی دہائی دہائی دہائی

زورِ بیان روانی مصوری اور فطرت نگاری کا بہترین نمونہ ایک ہی شعر میں دیکھنا ہو تو یہ شعر حاضر ہے۔

دمِ نظارہ مے خانہ یہ معلوم ہوتا ہے | سمٹ کر بوتلوں میں ساری دنیا کی بہار آئی

محض الفاظ کے الٹ پھیر اور خفیف رد و بدل سے ایک مضمون پیدا کرنا اور پھر شاعری کے تمام قیود کے ساتھ رنگ تغزل کو قائم رکھنا انھیں کا کام ہے۔

جو کچھ بھی ملے گا وہ خدا ہی سے ملے گا | جو کچھ بھی ملا ہے وہ خدا ہی سے ملا ہے
فکر تشویش غور عشق میں کیا | فکر تشویش غور کچھ بھی نہیں

الفاظ کی نشست و ترتیب سے شعر میں ترنم پیدا کرنا بھی ایک کمال ہے اِن کی اکثر غزلوں میں موسقیت پائی جاتی ہے دیکھئے اِن شعروں میں تغزل کے ساتھ کس قدر موسقیت ہے۔

مدت ہوئی ترکِ الفت کو اب ذہن میں وہ روداد نہیں
کیا تم نے کہا کیا میں نے سُنا کیا دل نے کہا کچھ یاد نہیں

پھر نکلی خزاں پھر آئی بہار اب گلشن ہیں خوش حالی ہے
آراستہ پتی پتی ہے پیراستہ ڈالی ڈالی ہے

مشکل اور محدود قوافی میں خوب خوب شعر نکالتے ہیں۔

یہ ہم سمجھتے ہیں ہم سے پوچھو کہ دونوں چیزوں میں فرق کیا ہے
نگاہ کو برق کہنے ہو تم نگاہ کے آگے برق کیا ہے

یہ سُنتا ہوں نگاہِ یار ایسی اور ویسی ہے
مگر مجھ سے نہیں ملتی نہیں معلوم کیسی ہے

گلِ مقصد ریاضِ دہر سے کیوں چن نہیں سکتے
ہم اِس کو کہہ نہیں سکتے تم اِس کو سُن نہیں سکتے

وہ گھر سے چلے راہ میں رُک گئے
اِدھر آتے آتے کدھر جھک گئے

دیدۂ اہلِ خرد میں کیا بساطِ دہر ہے
یہ بھی دریائے فنا کی مٹنے والی لہر ہے

خلق ہو کو آپ پر شیدا ہوئے
ہم اسی کے واسطے پیدا ہوئے

طریقِ عشق میں کب خضر کو ہم ساتھ لیتے ہیں
وہ کوئی اور رہ رَو ہیں جو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں

کیوں کر بسر ہوئی شبِ فرقت نہ پوچھئے
سب مجھ سے پوچھئے یہ حقیقت نہ پوچھئے

منھ کسی کے رشتۂ الفت سے کب موڑا گیا
اِس طرف توڑا گیا اور اُس طرف جوڑا گیا

شکوؤں پہ ستم آہوں پہ جفا سو بار ہوئی سو بار ہوا
ہر بات مجھے ہر کام مجھے دشوار ہوئی دشوار ہوا

جہاں لکھا ہوا لفظِ گریباں دیکھ لیتا ہے
وہیں دستِ جنوں بڑھ کر سیاہی پھیر دیتا ہے

اِن کی ایک خصوصیت اور بھی ہے جو نوح کے علاوہ دوسرے شاعروں میں بہت کم دیکھی گئی ہے وہ تخلص کی رعایت ہے بیشتر مقطعوں میں تخلص کی رعایت رکھتے ہوئے کمال خوبی سے مضمون نظم کر جاتے ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حضرتِ نوح آپ کا طوفاں
فتنۂ حشر کے مطابق ہے

زمانہ ہو گیا اب اس گئے گذرے زمانے کو
فقط اک نوح باقی ہیں نہ کشتی ہے نہ طوفاں ہے

پھیل کر طوفان بحرِ غم بنیں
نوح کے اشکوں میں یہ اعجاز ہے

نوح کیوں طوفاں اُٹھائیں ضبطِ غم سے کام لیں
اشک باری عشق کے آداب میں داخل نہیں

عبورِ بحرِ محبت سے ہو گئے محروم
وہ نوح جن کو یہ دعوےٰ تھا ناخدا ہوں میں

نوح طوفان بحرِ الفت میں
کوہِ جودی کی ڈھونڈتے ہیں آڑ

اے نوح اثر اتنا تو کیا تم پر بھی چمن کے منظر نے
طوفان اُٹھانا بھول گئے لے بیٹھے فسانہ پھولوں کا

تکرارِ الفاظ کو وہ لوگ جو بُرا کہتے ہیں ذرا اس شعر کو بھی پڑھیں۔

اب وفورِ ناتوانی سے یہ میرا حال ہے
جس جگہ میں گر پڑا مجھ کو پڑا رہنا پڑا

علاوہ غزلوں کے سہرے ظرافت آمیز اشعار تاریخی قطعات جیسے مسدس ملکی قومی اخلاقی رسالوں کے سال ناموں کے لئے مدحیہ نظمیں طول و مختصر بھی انھوں نے لکھی ہیں طوالت کے خیال سے

نمونے نہیں پیش کئے جاتے لیکن نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ فکرِ رسا کیسی میں عاجز و مجبور نہیں پھر بہت سے الفاظ بھی ترک کر کے اِنھوں نے بہت سی خاص پابندیاں بھی اپنے ذمہ عاید کر لی ہیں جن کے متعلق سوانح حیات میں کافی روشنی ڈالی گئی ہے اِن سب قیود کے ساتھ اچھا شعر کہنا اِنھیں کا کام ہے۔

اِن کے اشعار پڑھنے کا انداز بھی نہایت دل کش مگر سنجیدہ ہے میں نے اکثر خود اِن کی زبان سے اِن کا کلام سُنا نہ نغمہ سرائی نہ ترنم لیکن اِس انداز سے تحت لفظ میں شعر کو ادا کرتے ہیں کہ طبیعت پھڑک جاتی ہے کوئی بھی بزم یا محفل بے تکلف احباب کی ایسی نہیں جہاں اِن کے اشعار اظہارِ جذبات یا بیانِ واقعات کے لئے کسی نہ کسی زبان سے نہ نکل جاتے ہوں غرض نوحؔ صاحب اُن شاعروں میں سے ہیں جن کا نام تاریخِ ادب میں ہمیشہ درخشاں رہے گا اور کوئی قوت اِن کے وقار کو نوحؔ دل سے نہیں مٹا سکتی مجھے یقین ہے کہ اس دور میں جب کہ صحیح شاعری کا مذاق روز بروز کم ہو رہا ہے اور موجودہ بے راہ روی نقوشِ سخن کو مٹا رہی ہے یعنی زبان بے قاعدہ ترکیبوں اور بے اصول بندشوں اور نامانوس الفاظ سے خراب کی جا رہی ہے اِن کا کلام ملک میں صحیح ذوقِ سخن پیدا کرے گا اور زبان کے لئے سفینۂ نجات ثابت ہوگا پہلا اور دوسرا دیوان اصحابِ نظر اور سخن فہموں نے ہاتھوں ہاتھ لیا ہزاروں کاپیاں چھپیں اور آن کی آن میں نکل گئیں جنھوں نے سفینۂ نوحؔ اور طوفانِ نوحؔ پڑھا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ تیسرا دیوان اُن تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے یا نہیں جن کو میں نے بسببِ اختصار لکھا ہے۔

”کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے“

فقط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیدائش

مولوی عبدالمجید صاحب کے حالاتِ زندگی سے ظاہر ہے کہ خدا نے اُن کو سب کچھ دیا تھا مال و دولت خدم و حشم عزت و ثروت اقبال مراتب غرض دنیا کی ساری نعمتیں عطا ہوئی تھیں مگر اولادِ ذکور کی بے بہا نعمت سے وہ محروم تھے اور یہ نعمت اُن کی عمر کے بہت بڑے حصّہ تک ان کو نصیب نہ ہوئی اس محرومی سے وہ نہایت افسردہ دل رہتے اور تمام خوشی اُن کو بے لطف معلوم ہوتی آخر آخر خدا نے اُن کی خوش نصیبی کی تکمیل کے لئے یہ تمنا بھی پوری کی یعنی یکم شوال بروز عید سنہ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۷۹ء موافق ۱۸ کنوار سمت ۱۹۳۶ بکرمی یوم جمعہ کو صبح صادق کے وقت نوح صاحب کی ولادت جناب موصوف کے ننہال نہوانی پور تحصیل سلون ضلع رائے بریلی میں ہوئی مولوی عبدالمجید صاحب نے سجدۂ شکر ادا کرنے کے بعد منعم ازلی کے اس گراں مایہ عطیہ کا رئیسانہ خیر مقدم کیا محمد نوح صاحب نوح کی پرورش و پرداخت تعلیم و تربیت کے متعلق جو خیالات یا ارادے مولوی عبدالمجید صاحب کے دل میں پیدا ہوئے ہوں گے حالات و واقعات کے اعتبار سے ان کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے مگر افسوس ہے کہ موت کے نہ ٹلنے والے حکم نے ان ارادوں کو پورا کرنے کی مہلت نہ دی اور ابھی نوح صاحب نے ہوش بھی نہ سنبھالا تھا کہ مولوی صاحب کو سفرِ آخرت درپیش آگیا یعنی ۲۶ جون سنہ ۱۸۸۳ء مطابق ۲۰ شعبان سنہ ۱۳۰۰ھ یوم سہ شنبہ کو وفات فرما گئے۔

نزاعات خاندانی و فیصلہ صلح کی اور عدالت میں نالشوں کا رجوع ہونا

مولوی عبدالمجید صاحب کے وفات فرماتے ہی اُن کے ورثا کے دلوں میں تقسیم ترکہ و میراث کے خیالات پیدا ہوئے مولوی صاحب مرحوم نے دو بیبیاں ایک لڑکا اور تین لڑکیاں چھ وارث چھوڑے تھے چالیسویں تک تو ان سب کا کاروبار بدستور سابق کسی طرح یک جائی رہا اور فتنے فساد صرف قالب وجودی اختیار کرتے رہے مگر چالیسواں ہوتے ہی اِن میں جان آگئی ایک طوفان بدتمیزی اٹھا اور نااتفاقی و نزاعات کی گھٹاؤں نے مولوی عبدالمجید صاحب کی ریاست کے پر امن و شفاف انتظامی مطلع کو پر آشوب و تاریک کر دیا اس بدنظمی میں جو کچھ جس کے ہاتھ آیا وہ اُس کا ہو گیا اور جہاں چھپا کر رکھا گیا وہیں کا ہو رہا فوج داری کے اندیشے سے دیہاتی سپاہی فریقین نے بڑی تعداد میں ملازم رکھے اور وہ دولت جو مولوی عبدالمجید صاحب نے نہایت عرق ریزی و کفایت شعاری سے جمع کی تھی نہایت بے دردی کے ساتھ انھیں گنواروں کے حلوہ پوری کے سامان کی نذر ہونے لگی اِدھر خانہ جنگیوں کا یہ حال تھا اُدھر نوح صاحب بہت صغر سن تھے اور جدی قرابت داروں سے موافقت نہ تھی اس لئے مجبور ہو کر نوح صاحب کی والدہ نے اپنے والدین کے قرابت داروں کی حمایت اختیار فرمائی ابتدا میں شیخ نورالہدےٰ صاحب مرحوم جو نوح صاحب کے چچیرے نانا ہوتے تھے اور پرانی وضع کے بزرگ تھے کاروبار ریاست کے منتظم رہے اُن کی وفات کے

بعد عنانِ حکومت شیخ سید حسن صاحب کے ہاتھ آئی جو نوح صاحب کی والدہ کے حقیقی ماموں تھے روپیہ وافر تھا اور شیخ صاحب موصوف بڑے من چلے تھے اس مہم میں انھوں نے خوب خوب معرکہ آرائیاں کیں اور حریفوں کو اپنی قوت کا خوب خوب مزا چکھایا غرض کئی سال تک یہی معرکے ہوتے رہے آخر جب نقد روپیہ ختم ہوگیا اور قرض لینے کی نوبت آئی تو مخالفین کی آنکھیں کھلیں اور آپس میں صلح کی بات چیت شروع ہوئی اور ورثا کے درمیان میں ایک اقرارنامہ ثالثی لکھوا کر رجسٹری کرائی گئی اور اس کے ذریعہ سے حاجی محمد شریف صاحب مرحوم جو اپنے وقت کے ایک نہایت محترم بزرگ اور بستی کے پیشوا تھے ثالث مقرر ہوئے حاجی صاحب موصوف نے بحیثیت ثالث یہ فیصلہ کیا کہ جو جائداد مولوی عبدالمجید صاحب نے اپنی حیات میں جس وارث کے نام حاصل کی تھی اُس خاص جائداد کا اُس خاص وارث کو بلاشرکت غیرے مالک مستقل قرار دیا اور جو جائداد مولوی صاحب مرحوم نے خاص اپنے نام حاصل کی تھی اُس کو ثالث صاحب نے سولہ آنہ قرار دے کر دس آنہ نوح صاحب کو اور چھ آنہ تینوں بہنوں کو دلا دیا لیکن بی بیوں کو اس سولہ آنہ میں کوئی حصہ نہ دیا ورثا اور نابالغ ورثا کے ولیوں نے اس فیصلہ کو منظور کیا اور منظوری پر باضابطہ رجسٹری بھی ہوئی اور تکملۂ فیصلہ کے مطابق داخل خارج کی کارروائی عمل میں آگئی مگر کچھ دنوں کے بعد ایک وارث نے اس سے ناراضی ظاہر کی اور کل جائداد کو متروکہ مورث بقدر ۱۰ اسہام قرار دے کر دعویٰ منسوخی فیصلہ ثالثی اور دلاپانے ۱۴ اسہام شرعی حصۂ دختری اس بیان کے ساتھ عدالت سب ججی الہ آباد میں دایر کیا کہ کارروائیِ فیصلہ و ثالثی اُن کے وکی کے ذریعہ سے نابالغی کے زمانے میں جو ہوئی ہے اس میں اُن کے حقوق کی پوری نگہداشت نہیں کی گئی لہٰذا فیصلہ ثالثی ان کے مقابلے میں کالعدم و بے اثر ہے پنڈت بنسی دھر صاحب سب جج الہ آباد نے یہ دعوے ۱۳ مئی ۱۸۶۸ء کو ڈگری کیا اور نوح صاحب اور اُن کی والدہ کی طرف سے سب جج صاحب کے اِس فیصلہ کا اپیل ہائی کورٹ الہ آباد میں داخل ہوا۔

اِس دعوے کے بعد دوسرا دعوے مولوی عبدالمجید صاحب کی بڑی بی بی صاحبہ نے منجملہ ایک لاکھ پچیس ہزار اپنے دین مہر کے مبلغ دس ہزار روپیہ چھوڑ کر بقیہ ایک لاکھ پندرہ ہزار کا بمقابلہ جملہ ورثائے مورث عدالت سب ججی الہ آباد میں دایر کر دیا یہ دعوے بابو پرموده چرن بنرجی صاحب جج خفیفہ نے (جو آخر آنریبل مسٹر جسٹس پرموده چرن بنرجی الہ آباد ہو گئے تھے) باختیار سب ججی ۵ ستمبر ۱۸۷۶ء کو بوجوہ ڈسمس فرمایا چوں کہ بڑی بی بی صاحبہ دورانِ مقدمہ میں فوت ہو چکی تھیں اِس سبب سے اُن کے جانشین ورثا نے اس فیصلے کا اپیل ہائی کورٹ الہ آباد میں رجوع کیا۔

جس روز بڑی بی بی صاحبہ کا دعوے دین مہر عدالت سب ججی الہ آباد میں دایر ہوا اُسی روز نوح صاحب کی والدہ نے بھی اپنے دین مہر ایک لاکھ پچیس ہزار میں سے مبلغ پچاسی ہزار خاص بیانات کے ساتھ مجرا دے کر بقیہ مبلغ چالیس ہزار روپیہ کا تیسرا دعوے عدالت سب ججی رائے بریلی میں بمقابلہ جملہ ورثائے مورث دایر کر دیا مولوی سمیع اللہ صاحب بہادر جج نے نوح صاحب کی والدہ کا بھی دعوے حسب وجوہ مندرجۂ تجویز جج خفیفہ الہ آباد ڈسمس کیا آخر کار نوح صاحب کی والدہ کی طرف سے بھی اس فیصلے کا اپیل عدالت جوڈیشل کمشنر لکھنؤ میں کیا گیا۔

ہائی کورٹ الہ آباد کا فیصلہ اور نزاعات کا خاتمہ

جب دونوں اپیل متعلق ڈگری دعوائے حصہ دختری و ناکامیابی دعوائے دین مہر حکام عظام ہائی کورٹ کی پیشی میں گئے تو چوں کہ حکام ممدوحین مولوی عبدالمجید صاحب سب جج مرحوم سے واقف تھے اس لیے انھوں نے بالاتفاق مولوی صاحب مرحوم کی ملکیت و ورثا کی بربادی کو نظر ترحم سے دیکھا اور ورثائے تخاصمین کو صلح کی ہدایت فرمائی چنانچہ بموجب ہدایت حکام ذی احتشام بعد از خرابی بسیار صلح ہو گئی اور شرائط صلح نامہ کے مطابق کل علاقہ ایک علاقہ کے علاوہ ۸۰ سہام پر تقسیم ہوا جن میں سے ۴۰ سہام نوح صاحب اور ان کی والدہ اور ۲۸ سہام بڑی بی بی صاحبہ کی دونوں لڑکیوں اور ۱۲ سہام چھوٹی صاحب زادی کو جو منجھلی بی بی کے بطن سے تھیں ملے باقی ماندہ ایک علاقہ ۳۲۰ سہام پر تقسیم ہوا اس میں سے نوح صاحب نے ۶۰ سہام اور بڑی بی بی صاحبہ کے اور ورثا یعنی بھائی بہن وغیرہ نے ۱۲ سہام اور پھر چھوٹی صاحب زادی نے ۴۸ سہام پائے دست اویزات بھی اس حساب سے ورثا کے درمیان میں تقسیم ہوئیں صرف مکانات و ضلع وغیرہ مع ملحقات کے تنہا بلا شرکت غیرے نوح صاحب کو ملے جب یہ صلح نامہ ہائی کورٹ میں تصدیق ہو گیا تو نوح صاحب کی والدہ نے اپنا اپیل مقدمہ دین مہر جو جوڈیشل کمشنر لکھنؤ کی عدالت میں دایر تھا خارج کرا دیا اس طرح پانچ برس کی مسلسل لڑائیوں کے بعد اصل نزاع کا خاتمہ ہوا مگر فروعی نزاعات کا سلسلہ مدت تک قائم رہا۔

خانہ جنگیوں کے وہی خانہ برانداز نتائج ہوئے جو بالعموم ہوا کرتے ہیں نمونے کے طور پر چند باتیں درج ذیل کی جاتی ہیں جن سے پورا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔

نتیجہ

(۱) مولوی عبدالمجید صاحب کے نقدی سرمایہ میں سے کچھ تو مقدمہ بازی کے نذر ہوا اور کچھ مفت ضایع ہوا میں نے نوح صاحب سے سنا ہے کہ لڑائی کے درمیان میں اُن کی والدہ ماجدہ نے ایک ڈبہ جس میں تین لاکھ روپیہ کے بیش قیمت کرنسی نوٹس بھرے ہوئے تھے اپنے ایک عزیز خاص جن کا مکان رائے بریلی میں تھا امانتاً سپرد کیا کچھ دنوں کے بعد اُن عزیز کا انتقال ہو گیا اُن کے انتقال کے بعد اس رقم پر اُن کے اعزا قابض ہو گئے چوں کہ نوٹوں کے نمبر وغیرہ بطور یادداشت کے لکھے ہوئے موجود نہ تھے اس باعث سے کوئی کارروائی نہ ہو سکی اور علاوہ تاسف کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔

(۲) اور ورثا اس حد تک قرض دار ہو گئے کہ بار قرض کے متحمل نہ ہو سکے مجبوراً وہ جائدادیں جو ترکے میں ملی تھیں مختلف اوقات میں منتقل کرنی پڑیں جن میں سے بیشتر نوح صاحب کی والدہ نے کچھ تو براہ راست بیع نامہ کے ذریعہ سے اور کچھ بذریعہ حق شفع عدالت سے لڑ کر خرید کیں اس میں کوئی شک نہیں کہ نوح صاحب کی والدہ کے پاس علاوہ کرنسی نوٹوں کے نقدی سرمایہ بھی بہت کچھ تھا مگر وہ عورت تھیں اور باوصف فہم و فراست کے عدالتی مصارف و تعداد زرسمن وغیرہ کا حال انھیں اچھی طرح معلوم نہ ہوتا تھا نوح صاحب صغیر سن تھے اس لئے سنے ہوئے تخمینوں پر ایک کی جگہ چار اور چار کی جگہ دس خرچ کرنے پڑے اس مجبورانہ مصارف کے بدولت کل نقدی سرمایہ خرچ ہو گیا اور آخر آخر وہ بھی لالہ درباری لال مہاجن الہ آباد کی قرض دار ہو گئیں۔

(۳) ان میں سب سے زیادہ قابل افسوس یہ بات ہوئی کہ نوح صاحب کی انگریزی و عربی کی اعلےٰ تعلیم

نہ ہوسکی۔ نوح صاحب کے بچپن اور طفولیت اور خاندانی نزاعات کا زمانہ ساتھ ساتھ تھا علاوہ اس کے یہ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے اور اپنے خاندان کی یادگار تھے اس لئے ان کے بچپن میں ان کی والدہ کو بہت کچھ حفاظت اور نگاہ بانی کرنی پڑی کبھی قتل کی دھمکی دی جاتی تھی کبھی کنوئیں میں ڈالنے کا خیال ظاہر کیا جاتا تھا۔ رنجش اور نا اتفاقیوں کے اندیشے میں مرحومہ نے اپنی آنکھوں سے ان کا اوجھل ہونا کبھی گوارا نہیں کیا اس طرح ان کے بچپن اور طفولیت کا زمانہ مکان کی چار دیواری کے اندر گذرا فقط محل سرا کا احاطہ ان کے لئے دنیا تھی اندر سے جب باہر نکلتے تو کبوتروں اور چڑیوں کا تماشا دیکھتے اور انھیں سے جی بہلاتے کبھی پائیں باغ میں تفریح کرتے اور کبھی گیند بلا کھیل لیتے بستی میں جب اعزا کی کوئی خاص تقریب ہوتی تو شرکت کے لئے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے لئے چلے جاتے تھے۔

ولادت کے ساتویں سال ۲۴ محرم ۱۳۰۳ھ مطابق ۲ نومبر ۱۸۸۵ء دوشنبہ کو نوح صاحب کی تسمیہ خوانی نہایت تزک و احتشام سے عمل میں آئی پہلے چند شریر بدخواں نے چاہا تھا کہ یہ تقریب بخیر و خوبی نہ انجام پائے مگر جب نوح صاحب کی والدہ کی درخواست پر مجسٹریٹ نے تھانہ دار صاحب کو مع بہت سے کانسٹبلوں کے انسداد نقص امن کے لئے مقرر فرما دیا تو سب اپنے خیالات سے باز رہے اور انھیں اپنے ارادے میں پشیمانی اٹھانی پڑی بعد بسم اللہ نوح صاحب نے حافظ قدرت علی صاحب مرحوم سے کلام اللہ پڑھنا شروع کیا حافظ صاحب موصوف نارے کے ایک مشہور حافظ تھے اور ان کو جناب حافظ عبدالوہاب صاحب مرحوم کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔

مولوی عبدالمجید صاحب کی فہم و ذہانت کا ترکہ نوح صاحب کو حصہ شرعی سے بہت زیادہ ملا تھا بچپن کا زمانہ اور دماغی قوتوں کا وفور تھا چھوٹے سے تنگ جام میں مے ذہانت چھلک چھلک جاتی تھی کلام اللہ کا ناظرہ پڑھ لینا مشکل ہی کیا تھا سال ڈیڑھ سال میں خدا کی نعمت سے مالا مال ہو گئے بعد ختم کلام مجید فارسی شروع کی چند دنوں تک مولوی محمد یوسف صاحب ساکن نارہ سے پڑھتے رہے جب کچھ مناسبت پیدا ہو گئی اور طبیعت جولانیاں دکھانے لگی تو قصبہ مچھلی شہر ضلع جون پور کے بزرگ مولوی عبدالفتاح صاحب فارسی اور ایک پرائیوٹ ٹیوٹر ماسٹر محمد علی صاحب ساکن الہ آباد انگریزی پڑھانے کے واسطے مقرر کئے گئے انگریزی تعلیم کا سلسلہ تو کچھ دنوں کے بعد جاتا رہا مگر فارسی کی ابتدائی کتابیں مولوی صاحب سے نوح صاحب نے دو تین سال میں ختم کرلیں اور کسی حد تک خوش نویسی میں بھی مشق بہم پہنچائی اس کے بعد مولوی صاحب موصوف اپنی خانگی ضروریات سے مچھلی شہر واپس چلے گئے اور حاجی عبدالرحمن صاحب جائسی کو اپنا جانشین مقرر کرکے بھیج دیا حاجی صاحب سے نوح صاحب نے فارسی کی درمیانی کتابیں چند سال میں تمام کیں اور فارسی ادب و اخلاق کی انتہائی کتابیں شروع فرمائیں کچھ دنوں کے بعد اب وہ زمانہ آگیا کہ انھوں نے فارسی اچھی خاصی پڑھ لی اور شراب فارسی کے کیفیات سے بخوبی واقف ہو گئے یا یوں کہئے کہ شراب قدرت شراب علم سے مل کر دو آتشہ اب جودت کا وہ سرور ہے کہ طبیعت روکے نہیں رکتی شباب کی آمد ہے زمانہ رنگین نظر آتا ہے حسن و عشق کے دل فریب مضامین پیش نظر ہیں شاہد علم و فن کی چاہ ہے ادھر ان کی طبیعت کا یہ رنگ تھا ادھر حاجی صاحب ان کے استاد ایک پرانی روش کے مقطع بزرگ جہاں دیدہ شخص سیکڑوں

لڑکوں کو پڑھا چکے تھے شاگرد کی آن بان دیکھ کر خود ہی کنارہ کش ہو گئے اور رخصت لے کر جو گئے تو پھر پلٹ کر نہ آئے۔

ابتدائی تعلیم و میر نجف علی صاحب

اب نوح صاحب میر نجف علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے میر صاحب موصوف کا نام نارے کے علمی حلقے میں ہمیشہ عزت کے ساتھ لیا جائے گا کیوں کہ وہ علمی چمن جو ابھی ابھی فضائے زمانہ میں لہلہا رہا تھا انھیں کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوا تھا تعلیمی احساسات کے لحاظ سے ان کے حالات کا اس علمی تذکرے میں جگہ دینا ضروری اور نہایت ضروری ہے۔ میر نجف علی صاحب سادات ہیبت پور ضلع فتح پور سے تھے فارسی میں ادیب کامل کی شخصیت رکھتے تھے شعر وسخن سے بھی مذاق تھا نجف تخلص فرماتے تھے مزاج میں سنجیدگی اور متانت کے ساتھ شوخی و ظرافت کا بھی بہت کچھ حصہ تھا اس قصبہ میں آپ اوّل اوّل مولوی عبدالمجیب صاحب وکیل کی تعلیم کے لیے تشریف لائے مگر تھوڑے ہی دنوں میں نارے کے کل طالب علم ان کے حلقۂ درس میں داخل ہو گئے اور بعد تکمیل سب کے سب فائز المرام ہو کر نکلے مدت تک درس و تدریس کا یہی سلسلہ رہا آخر میں آپ حکیم احسان علی صاحب کی ریاست میں مختار عام ہوئے اور یہیں اپنے قیام کا بقیہ زمانہ ختم کیا۔

میر صاحب کی زندہ دلی اور کمال علمیت نے نوح صاحب کی بہت کچھ دل جمعی کی اور نہایت لطف کے ساتھ سلسلۂ درس جاری ہوا۔ استاد کے فیضانِ تعلیم سے انھوں نے بہت جلد فارسی ادب اور فلسفۂ اخلاق کی مروجہ کتابیں پڑھ لیں اور عربی صرف و نحو کی طرف متوجہ ہوئے علمیت اور ذہانت نے ان کے دل میں ذوق وسرور پیدا کیا اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے اس کیفیت میں اب روز افزوں ترقی ہونے لگی محسنی اور جلالی کے حکیمانہ مضامین نے ایسی صیقل گری کی کہ جوہر طبع کی آب خود آئینہ دار بن گئی حافظ و سعدی کی نغمہ سنجیاں سن سن کر دل حسن و عشق کا جیتا جاگتا مرقع بن گیا بادۂ شیراز کے دور چلنے لگے تصورات عرش بریں پر پہنچے ناؤ نوش کی پیہم صدائیں بلند ہونے سے شاعری کی وہ مخصوص قوت جو اب تک بچوں کی نیند پڑی سوتی تھی ایک انگڑائی لے کر دفعتاً بیدار ہو گئی قطع مسافت کے بعد بہارستانِ سخن کا عظیم الشان پھاٹک نظر آیا اور یہ اس میں بے تامل داخل ہو گئے وہاں ایک باغ سدابہار دیکھا مناسبت طبعی سے روش روش کی سیر کی اور شاخ شاخ پتی پتی پر نگاہ ڈالی اور اپنے دامنِ شوق کو نظم کے رنگا رنگ پھولوں سے بھر لیا۔

خانگی واقعات ننھیال

قبل اس کے کہ شاعری کے مفصل واقعات لکھے جائیں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اور ضروری خانگی حالات جو رہ گئے ہیں اُن کی تفصیل بھی بیان کر دی جائے ورنہ پھر اُن کا لکھنا بے محل ہو گا اور سلسلہ منقطع ہو جائے گا موضع بھوانی پور تحصیل سلون ضلع رائے بریلی (اودھ) میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے وہاں کی مردم شماری پہلے جو کچھ بھی رہی ہو اب تخمیناً زیادہ سے زیادہ چار پانچ سو ہو گی نوح صاحب کے نانا شیخ علم الہدےٰ صاحب کا مکان وہیں تھا اور ملازمت پر ان کی بسر اوقات تھی اُس زمانے میں کلکٹری فتح پور کا عہدۂ امانت سے ان کا تعلق تھا نارے کے شرفا گھرانوں کا تحفظ نسل کے لحاظ سے اب تک یہ مقررہ قاعدہ ہے کہ جن مقاموں سے ہمیشہ قرابت ہوتی آئی ہے وہیں ہوتی ہے چوں کہ بھوانی پور سے برابر قرابت کا سلسلہ رہ چکا تھا اس لیے مولوی عبدالمجید صاحب نے اپنی چوتھی شادی وہاں کی شیخ علم الہدےٰ صاحب موصوف کی کوئی اولاد ذکور یا اناث نوح صاحب کی والدہ کے علاوہ نہ تھی مگر ان کے بھائی اور خاندان کے بیشتر افراد

موجود تھے جب ان کا انتقال ہو گیا تو اُن کی بی بی یعنی نوح صاحب کی نانی صاحبہ اپنی لڑکی کے پاس چلی آئیں اور تمام عمر انھیں کی رفاقت میں انھیں کے مکان پر رہیں اور انتقال کے بعد نارے ہی میں دفن ہوئیں شیخ نور الہدے صاحب جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے وہ نوح صاحب کے نانا شیخ علم الہدے صاحب کے حقیقی بھائی اور شیخ سید حسن صاحب جن کے مفصل حالات آگے آئیں گے وہ شیخ علم الہدے صاحب کے سالے اور نوح صاحب کی والدہ صاحبہ کے حقیقی ماموں تھے۔

شیخ نور الہدے صاحب کے بعد شیخ سید حسن صاحب

شیخ سید حسن صاحب پہلے نظارت دیوانی الہ آباد میں ملازم تھے اور ناظر شیخ عبد الصمد صاحب مرحوم مغفور ساکن نارہ کے سایۂ عاطفت میں رہتے تھے چوں کہ قرابت قریبہ تھی اس باعث سے ناظر صاحب کی نگاہوں میں بہت کچھ ان کا وقار تھا اور جو بات یہ کہہ دیتے تھے اس پر وہ خاص توجہ فرماتے تھے جب مولوی عبد المجید صاحب کا انتقال ہو گیا تو یہ اور شیخ نور الہدے صاحب ساتھ ساتھ نارہ تشریف لائے اور یہاں کے تباہ کن واقعات دیکھ کر کچھ تو یہ دونو حضرات خود ٹھہر گئے اور کچھ نوح صاحب کی والدہ صاحبہ نے بھی کہہ سُن کر روک لیا پہلے عنانِ حکومت شیخ نور الہدے صاحب نے اپنے ہاتھوں میں لی اور ماتحت کے طور سے اُن کے ساتھ شیخ سید حسن صاحب بھی تین چار سال تک کام کرتے رہے لیکن جب نور الہدے صاحب کا بھی انتقال ہو گیا تو پورے پورے سفید و سیاہ کے اختیارات شیخ سید حسن صاحب کو تفویض ہوئے اس میں کوئی کلام نہیں کہ شروع شروع انھوں نے بڑی مدت تک نہایت جواں مردی سے ریاست کی دیکھ بھال کی اور تحفظ جائداد کا خاص طور سے خیال رکھا اچھے اچھے انتظامات کئے اور بڑے بڑے زبردست نبرد آزما حریفوں کو نیچا دکھایا اپنے دور میں نوح صاحب کی شادی اس شان سے انھوں نے کی جس کی نظیر اب تک نارے کی تاریخ میں نہیں ملتی مگر ان سب خوبیوں کے باوجود ان میں خامیاں بھی بہت کچھ تھیں آخر میں نادر علی جو اس ریاست میں ایک چلتا ہوا خود پرست کارندہ تھا اُس کے قبضۂ قدرت میں یہ آ گئے اور اُس کا رسوخ یہاں تک بڑھا کہ اُس کی ہر بات کو یہ بغیر سوچے سمجھے مان لیتے تھے جن جن ملازموں سے اُس کو کھٹکا تھا سب سے پہلے چن چن کر ان کو اس نے نکلوایا میر بنیاد علی اور لالہ تیواری پر بھی اس نے ہاتھ صاف کرنا چاہا مگر کچھ پیش نہ چل سکی اور یہ بدستور قائم رہے شیخ عبد الحفیظ صاحب جو مولوی عبد المجید صاحب کے وقت کے ایک نہایت دیانت دار اور تجربے کار مختار عام تھے ان بے عنوانیوں کی تاب نہ لا کر مستعفی ہو گئے ان کے چلے جانے پر شیخ صاحب نے اور بھی ہاتھ پاؤں نکالے یعنی لالہ درباری لال وغیرہ مہاجن الہ آباد سے نوح صاحب کی جائداد پر سودی قرض لے لے کر تجارت کا ایک لمبا چوڑا سلسلہ چھیڑ دیا کرانہ پرچون. جوتہ کپڑا لکڑی وغیرہ کی متعدد دکانیں ایک ہی وقت میں کھول دیں اور ایک ہی مد میں کئی کئی ملازم مقرر ہوئے کچھ تو ان لوگوں نے خود اچھی طرح کھایا پیا اور کچھ قرب و جوار کے لوگ ادھار لے گئے جس کو ضرورت بھی نہ تھی اس نے لٹتی ہوئی دولت دیکھ کر کوئی نہ کوئی چیز خرید کر لی جب وصولی کا وقت آیا تو کسی نے کوئی حیلہ کسی نے کوئی عذر کر دیا غرض ہزاروں روپئے برباد ہو گئے اور نفع کی جگہ بہت بڑا خسارہ اُٹھانا پڑا انھیں چلتی ہوئی دوکانوں کے دوران میں شیخ صاحب کی نگاہیں بے ساختہ بازار حسن پر بھی اُٹھیں اور یہاں کی بھی بہت کچھ سیر فرمائی۔ نادر علی جب ان کو واجد علی شاہ کے رنگ میں اچھی طرح رنگ چکا اور بخوبی اطمینان ہو گیا کہ اب انھیں نشۂ عیش عشرت میں اس قدر ہوش

وحواس نہیں کہ یہ کچھ کرسکیں تو رعیت پر کھلم کھلا طرح طرح کے ظلم کرکے رقم ناجائز وصول کرنے لگا جو روپیہ لگان میں کاشتکار دیتے تھے نہ اس کا کوئی حساب تھا نہ وہ کسی کاغذ میں درج ہوتا تھا نہ بہی تھی نہ کھتونی نہ جمع خرچ نہ واصل باقی جس کو چاہا بیباق کیا جس کو چاہا باقی دار رکھا اپنے اختیار کی بات تھی۔ نذرانہ تاوان کا کیا پوچھنا جس کو دبایا اسی سے اچھی خاصی رقم وصول کرلی رعیت فریاد کرنے کے لئے ڈیوڑھی پر آتی تھی اور ان غریبوں کی کوئی سننے والا نہ تھا۔

انتظامات کا اپنے ہاتھ لینا۔

ان بدنظمیوں کو نوح صاحب اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور نوح صاحب کی والدہ اپنے کانوں سے سنتی تھیں مگر لحاظ وادب کے خیال سے کوئی لفظ زبان پر نہ آتا تھا آخرکار کچھ تو پرانے خیرخواہوں نے جو دو ایک مثلاً میر بنیاد علی ساکن باجہ پور شیخ عبدالعلی صاحب مرحوم لالہ تیواری وغیرہ رہ گئے تھے نوح صاحب کو نصیحت کرنی شروع کی کہ اب تم کو اپنا کاروبار سنبھالنا چاہئے اور کچھ خود نوح صاحب کو بھی محسوس ہوا ایک دن سیر و تفریح کے بہانے سے یہ برسکھی جو ایک گانو دریا کے کنارے نارہ سے چھ کوس فاصلے پر ہے اور نادر علی کی خاص جولاں گاہ تھا تشریف لے گئے اتفاقی وقت سے نادر علی کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ اس موقع کو کاشتکار غنیمت سمجھ کر تکچھید و من بودہ ملازمان مقامی کی وساطت سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو کچھ ان پر مصائب گذر چکے تھے اور گذر رہے تھے ان سے پوری پوری انھیں اطلاع دی انھوں نے سب شکایتیں سن کر اسامیوں کو بہت کچھ اطمینان دلایا اور واپس ہو کر اپنی والدہ صاحبہ سے تنہائی میں ساری باتیں عرض کیں اور کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ریاست کا کام کرنا شروع کروں ماں کو اس سے بڑھ کر اس موقع پر اور کیا خوشی ہوسکتی تھی کہ لڑکا سن تمیز کو پہنچ کر اپنا کام خود کرنے کے لئے تیار ہے انھوں نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنی کریمی سے خدا خدا کرکے یہ مبارک ساعت تو دکھائی اجازت ملنے کے بعد یہ شیخ سید حسن صاحب کے دربار میں حاضر ہوئے اور نہایت مہذب الفاظ میں گذارش کی کہ آپ نے اب تک میری ریاست کے ہر کام کو بہت ہی جواں مردی اور شفقت سے انجام دیا جب میں آپ کی دعا سے اس قابل ہوگیا ہوں کہ اپنا بار خود اٹھا سکوں تو مجھے شرم آتی ہے کہ میرے ہوتے ہوئے آپ کسی قسم کی تکلیف اٹھائیں لہذا میری سعادت مندی کا اقتضا یہ ہونا چاہئے کہ آپ کو میں اس عمر میں آرام پہنچاؤں آپ بزرگوں کی طرح اپنا چھوٹا مجھے سمجھ کر اپنی ہر خدمت مجھ سے لیجئے اور جس کام میں میری ناواقفیت یا ناتجربہ کاری سے کچھ خرابیاں پیش آئیں ان کے متعلق مجھے ہدایت فرمائیے شیخ صاحب موصوف ایسے نادان نہ تھے جو ان باتوں کو نہ سمجھتے اور زمانے کی ہوا کا رخ نہ پہچانتے فوراً تہ تک پہنچ کر خاموش ہوگئے نوح صاحب نے فوراً خاص آدمی بھیج کر شیخ عبدالحفیظ صاحب کو بلا بھیجا وہ قدیمی نمک خوار تھے فوراً حاضر ہوگئے اب ان کی رائے سے انھوں نے اپنا کاروبار کرنا شروع کردیا شیخ سید حسن صاحب دو تین سال تک یہ تماشے دیکھتے رہے اور پھر اپنے گھر چلے گئے لیکن جوان کی تنخواہ تھی وہ ان کی زندگی تک برابر ان کو ملتی رہی سال چھ مہینے میں جب وہ تشریف لاتے تو ان کا پورا پورا احترام کیا جاتا اور جاتے وقت ایک مقررہ رقم ان کو دی جاتی جب ان کا انتقال ۱۹۰۲ء میں ہوگیا تو یہ تنخواہ بند کردی گئی مگر اب بھی جب ان کے لڑکوں میں سے کوئی آنکلتا ہے تو کچھ نہ کچھ دیا جاتا ہے۔

…ائی، انتظامات

عنانِ حکومت لیتے ہی نوح صاحب نے اپنے قرض کی فہرست دیکھی اُس وقت تک پینتیس ۳۵ ہزار قرض ہو چکا تھا اس تعداد کے معلوم ہونے پر یہ سخت پریشان ہوئے مگر بسم اللہ کر کے ادائی کی تدابیر سوچنے لگے اور اپنے دل کو ہر طرح سمجھایا اور جی میں ٹھان لی کہ انشاء اللہ میں بغیر کسی گانو کے الگ کئے ہوئے اپنے حسنِ انتظام سے دام دام ادا کروں گا چنانچہ خداوند تعالیٰ نے یہ خیال ان کا پورا کیا نادر علی کے ذمہ حساب وکتاب کے بعد کئی ہزار روپیہ نکلے مگر اس کے ساتھ اس پر بھی انھوں نے کوئی سختی نہیں برتی اگرچہ وہ ہر امکانی سزا کا مستحق تھا صرف یہی کیا کہ اس کو موقوف کر کے اپنی ریاست سے نکال دیا یوں تو بعد موقوفی کے بھی وہ کبھی کبھی سلام کرنے کے لئے آجاتا تھا مگر پھر اس کی زندگی تک کوئی جگہ اس کو نہ دی گئی قرض ادا کرنے کے لئے یہ ضرورت سختی سے محسوس ہوئی کہ بچت کی صورتیں نکالی جائیں چنانچہ ضرورت سے زیادہ جس قدر نئے ملازم درمیان میں رکھ لئے گئے تھے ان میں بڑی حد تک تخفیف ہوئی اور جو جانور یا سامان بے کار تھا یا جن کے رکھنے سے مصارف بڑھ جانے کا خیال ہو سکتا تھا وہ کچھ فروخت کر ڈالے گئے اور کچھ لوگوں کو یونہیں دے دیئے گئے صرف ایک چھوٹا سا گھوڑا جس کی انتہائی قیمت تیس چالیس روپیہ رہی ہوگی سواری کے لئے رکھ لیا گیا اس پر کبھی شیخ عبد الحفیظ صاحب کبھی نوح صاحب خود سوار ہو کر تحصیل اور گانو پر جاتے تھے اور قریب قریب ہر گانو کی وصول تحصیل دونوں صاحب مل کر کرتے تھے اس جفاکشی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہر کام پر انھیں اچھا خاصہ عبور ہو گیا اور معاملے کے سمجھنے کی اہلیت پیدا ہو گئی کسی گانو پر کوئی خاص کارندہ نہ تھا صرف دو دو مقامی پیادے ضلع میں رہتے تھے انھیں کے متعلق ہر قسم کی نگرانی تھی معمولی کام ہوتا تو خود وہ انجام دیتے اور جن میں اہمیت سمجھتے ان کی اطلاع ڈیوڑھی پر کرتے وصول تحصیل کے لئے ہر گانوں کے ہفتے مقرر تھے جس گانو کا ہفتہ آجاتا تھا اس میں اُس کی وصول تحصیل ہوتی تھی اب وہ سرکاری مطالبے علاقے ہی سے ادا ہونے لگے جن کا انتظام ہر قسط پر قرض سے کیا جاتا تھا اور جن کے متعلق اکثر کارندے تحصیل کی حوالات میں بند کئے جاتے تھے پہلے چھوٹی چھوٹی تعداد کے قرضے ادا کئے گئے ان کی ادائی کے بعد وارثان لالہ درباری لال صاحب مہاجن الہ آباد کو اس بات پر رضامند کیا گیا کہ وہ اپنی بڑی دست آویز کا سود آیندہ سے بند کر دیں اور موجودہ رقم کی قسط کر دیں چنانچہ لالہ بچولال ٹھاکر پرشاد بدری پرشاد صاحبان وارث مابعد لالہ درباری لال صاحب نے جناب مولوی محمد مہدی صاحب وکیل کے فرمانے اور شیخ عبد السلام صاحب کے دوڑ دھوپ سے اس کو منظور کر لیا اور مبلغ اٹھارہ ہزار کی نئی دست آویز بطور قسط بندی اس شرط کے ساتھ نوح صاحب نے لکھ کر رجسٹری کرا دی کہ ہر قسط میں وہ مبلغ ایک ہزار روپیہ یعنی ایک سال میں دو ہزار روپیہ ادا کریں گے اور وارثان لالہ درباری لال صاحب نے بھی ایک اقرار نامہ لکھ دیا کہ آیندہ سے انھیں سود کے متعلق کوئی دعوےٰ نہ ہوگا اس تکملہ کے بعد براہ راست بالا بالا دو ہزار روپیہ سالانہ مہاجنوں کے پاس بھیج دیا جاتا تھا اور اُن سے باضابطہ رسید لے لی جاتی تھی غرض نو برس میں یہ قرض بھی ادا و بیباق ہو گیا اور گھر میں بھی اچھی خاصی رقم جمع ہو گئی کیونکہ قسط کی تعداد کم تھی اور منافع اس سے بہت زیادہ تھا۔

جب ان جھگڑوں سے نجات مل گئی تو تزک احتشام کے متعلق طرح طرح کے خیالات پیدا ہوئے فرنیچر خرید کئے گئے کچھ ملازم بڑھائے گئے جانور گائے بھینس گاڑیوں کے واسطے بیل سواری کے لئے اعلےٰ اعلےٰ قسم

The J & K University Library
Acc. No. [illegible]

کے گھوڑے مول لئے گئے مکان کی آرائش ہونے لگی مسجد جو ناتمام پڑی تھی اس پر بے دریغ روپیہ صرف کیا جانے لگا کمرے کے آگے ایک نیا سائبان بہت خوب صورت بنوایا گیا اکثر بڑی بڑی زمین داریوں کے بیع نامے لکھوائے گئے الغرض اس وقت وہ جملہ سامان موجود ہیں جو ایک بڑے سے بڑے تعلقہ دار کے دولت خانے پر ہونے چاہئیں اور خدا کا شکر ہے کہ نہایت آرام، بے فکری اطمینان فارغ البالی کے ساتھ زندگی گذر رہی ہے تخمیناً دس ہزار سالانہ کے علاقوں کا منافع ہوگا۔

دائمی وصول

نوح صاحب آغاز میں چار پانچ سال برابر خود وصول تحصیل کے لئے علاقوں پر منشی عبدالحفیظ صاحب مختار عام کے ساتھ جاتے رہے مگر جب ایک ایک بات سے بخوبی واقفیت ہوگئی تو مسلسل طور سے انھوں نے جانا چھوڑ دیا اور جملہ کاروبار کے انتظامات انھیں کے سپرد کر دئے صرف سال میں دو بار یا ایک بار بقایا رقم کی جانچ کے لئے جانے لگے چنانچہ یہی قاعدہ اب تک ہے اسامیوں کی شکایت پر ڈیوڑھی پر بلوا کر پیادوں سے واقعات پوچھے جاتے ہیں اور جانچ کی جاتی ہے جن معاملات میں موقع پر جانے کی ضرورت ہوتی ہے تو مختار عام صاحب بھیجے جاتے ہیں یا بذات خاص خود پہنچتے ہیں غرض کوئی معاملہ فیصل طلب ایسا نہیں ہوتا جس میں انصاف اور مستعدی سے کام نہ لیا جاتا ہو یہی وجہ ہے کہ ان کے اسامی ان سے بہت خوش رہتے ہیں اور ہر شخص کو ان پر پورا اعتماد اور بھروسہ ہے۔

منشی اوصاف علی صاحب مختار عام

جب ۵۲ برس تک شیخ عبدالحفیظ صاحب مرحوم مختار عام اس ریاست کا کام کرتے کرتے بہت ہی پیرانہ سال ہو گئے تو حقوق پر نگاہ کرتے ہوئے قدر دانی کے لحاظ سے بقیہ زندگی تک کے لئے ان کی پوری تنخواہ بطور پنشن کے نوح صاحب نے منظور فرما کر ان کی جگہ پر منشی اوصاف علی صاحب کو جو ان کے حقیقی پوتے ہیں انھیں اختیارات کے ساتھ اپنا مختار عام مقرر کر دیا اس وقت قریب قریب تمام ریاست کی وصول تحصیل اور مقدموں کی پیروی انھیں کے تعلق ہے یہ نہایت بردبار عقل مند متین مہذب دیانت دار ہر کام سے واقفیت رکھنے والے آدمی ہیں ان کے طریق عمل اور وضع قطع سے تمام رعیت بھی خوش ہے اور نوح صاحب کو بھی بہت کچھ اطمینان رہتا ہے۔

شادی

نوح صاحب کی والدہ نے اپنی والدہ کے مشورے سے پہلے نوح صاحب کی نسبت شیخ سید حسن صاحب اُن کے بھائی کی صاحب زادی کے ساتھ کی تھی جب شادی ہونے سے پہلے اس لڑکی کا انتقال ہو گیا تو نارے کے اکثر گھرانوں سے سلام پیام ہوئے مگر کہیں کے لئے ادھر سے رضامندی نہ ظاہر کی گئی آخر میں شیخ محمد شاکر صاحب وغیرہ کے اصرار سے منشی حب الحق صاحب ساکن نگیامئی کے ساتھ اِن کی نسبت قرار پائی۔

نگیامئی تحصیل سراتھو کے قریب واقع ہے اس گانو کے گھرانوں سے نارے کے شرفا خاندانوں کے قدیم تعلقات شادی بیاہ کے چلے آتے ہیں چنانچہ خود نوح صاحب کی دو مختلف البطن بڑی بہنوں کی شادیاں اسی گانو میں ہوئیں یہاں کے لوگوں کا پہلے یہ دستور تھا کہ جو تقریب اعلےٰ پیمانے پر کرتے تھے وہ نارے میں آکر کرتے تھے اور جملہ رسمیں یہیں سے ادا ہوتی تھیں کھانا پینا یہیں سے ہوتا تھا اب کچھ زمانے سے یہ دستور بدل گیا ہے نارے کے بجائے خود نگیامئی سے شادیاں وغیرہ ہو جاتی

ہیں نارے کے جن گھرانوں سے جن کے قریبی تعلقات ہیں انھیں وہ وہیں بلوا لیتے ہیں۔

منشی حبیب الحق صاحب بھی اسی گانوں کے رہنے والے تھے متعدد گانوں میں ان کی زمین داری ہے اُس زمانے میں یہ کلکٹری بارہ بنکی اودھ میں ملازم تھے اور نہایت الوالعزمی اور فارغ البالی کے ساتھ اپنی بسر کرتے تھے۔ انھوں نے قدیم دستور کے مطابق شیخ محمد شاکر صاحب ساکن نارہ کے گھر سے جن کے بہنوئی ہوتے تھے اپنی لڑکی کی شادی نہایت حوصلے سے ۱۲ شوال ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۸۹۶ء جمعہ کو کی اور کھانا وغیرہ کے پکوانے میں اور تقسیم میں بہت کچھ اہتمام سے کام لیا صاحبان برادری کے علاوہ ان کے بیرونی خاص احباب میں سے حافظ عبدالرؤف صاحب و منشی حشمت علی صاحب بھی بارہ بنکی سے تشریف لا کر شریک تقریب ہوئے۔

نوح صاحب اپنی ماں کے بہت پیارے لاڈلے اکلوتے بیٹے تھے اس لئے ان کی والدہ نے اپنے ماموں شیخ سید حسن صاحب کے اہتمام سے اس موقع پر خرچ کرنے میں کوئی کمی نہ کی اور اپنے دل کے خوب خوب حوصلے نکالے روپئے کی تھیلیوں کا منھ کھول دیا تمام علاقے کے لوگوں کو ہزاروں کی تعداد میں عام طور سے دعوت دی گئی کئی دن تک برادری میں طرح طرح پر تکلف اور لذیذ کھانے تقسیم ہوا کئے اعزا اور خدمتی رعیت اور ملازموں کو حسب مراتب اندر باہر مردانہ زنانہ جوڑا عطا کیا گیا برات کے جلوس میں مختلف قسم کے باجے تھے روشنی کا خاص انتظام تھا سیکڑوں روپیوں کی آتش بازی اور پھلواری ساتھ تھی تین شبانہ روز تک رقص و سرود کی محفلیں گرم رہیں خدا نے بہزار خرابی یہ دن دکھایا تھا جو کچھ کیا جاتا وہ کم تھا پہلے زمانے کے متعلق تو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا مگر بیس تیس برس کی مدت میں کوئی اور ایسی شادی نارے میں نہیں ہوئی۔

شادی کے دوسرے سال اللہ تعالیٰ نے نوح صاحب کو بیٹا دیا پھر ایک لڑکی ہوئی پھر ایک اور لڑکا پیدا ہوا بڑے لڑکے کا ابوالحسن اور صاحب زادی کا سایرہ بی بی عرف چندن بی بی اور چھوٹے لڑکے کا نام محمد خضر رکھا گیا ابوالحسن کی پیدایش کے وقت نوح صاحب کی والدہ زندہ تھیں انھوں نے عقیقے میں بہت کچھ مصارف کئے کھانے پینے کے علاوہ رعیت کو بہت کچھ انعام و اکرام دیا رقص و سرود کی محفلیں قریب قریب ہر حلقے میں قائم ہوئیں اور ہر ضلع سے شیرینی تقسیم کی گئی غرض یہ تقریب بھی نہایت دھوم دھام سے عمل میں آئی کچھ زمانے کے بعد بسم اللہ کے موقع پر نوح صاحب نے بھی بہت کچھ حوصلے اور فراخ دلی سے کام لیا سایرہ بی بی اور محمد خضر کے بھی عقیقے ہوئے مگر ان تقریبوں میں کوئی خاص نمایاں بات نہیں ہوئی افسوس ہے کہ دونوں بچوں نے پانچ مہینوں کے دوران میں انتقال کیا اب صرف سایرہ بی عرف چندن بی بی اولاد اناث میں ہیں انھیں کے نام نوح صاحب نے اپنا کل علاقہ وقف علے الاولاد کر دیا ہے ان کی شادی نہایت تزک و احتشام سے حافظ ریاض احمد صاحب کے ساتھ جو خاندانی لحاظ سے بھتیجے ہوتے ہیں کی گئی ہے تقریب کے موقع پر ایک جنرل مشاعرہ ہوا تھا جس کا حال دیوان دوم میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اس مشاعرے میں قریب قریب تمام ہندوستان کے مشاہیر شعرا شریک ہوئے تھے مجید احمد عرف مجن میاں سہیل احمد عرف میکن میاں دو نواسے اور مجیدہ بی بی عرف کُھدّن بی بی اور سعیدہ دو نواسیاں موجود ہیں خداوند تعالیٰ ان کی عمر میں

اولاد

برکت اور اقبال میں ترقی عطا فرمائے وحید احمد عرف عدن میاں اعجاز احمد عرف ببن میاں اور کندن بی بی کا انتقال صغر سنی میں ہوگیا۔

انیس ابن عزیز منشی عبد الحمید صاحب

یوں تو بڑے گھرانے میں جتنے حضرات ہیں وہ سب قریبی عزیز اور خاندانی لوگ ہیں مگر جو فوقیت منشی عبد الحمید صاحب کو حاصل تھی وہ اور کسی کو نہیں یہ نوح صاحب کے حقیقی چچا کے بیٹے یعنی مولوی عبد المجید صاحب کے چھوٹے بھائی شیخ عبد الرشید صاحب مرحوم مغفور کے اکلوتے صاحب زادے تھے دونوں صاحبوں کی عمر میں دو تین سال کی کمی بیشی تھی نوح صاحب ان سے عمر میں بڑے اور یہ ان سے عمر میں اگرچہ کم تھے لیکن اصابت رائے اور تجربہ کاری اور قابلیت وغیرہ میں علاوہ شاعرانہ کمالات کے کسی طرح کم بھی نہ تھے دونوں بھائیوں میں بے حد خلوص تھا اور طریق عمل سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حقیقی بھائی نہیں بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ نوح صاحب نے اپنی رائے پر ان کی رائے کو مقدم سمجھا اور انھیں کی رائے پر کار بند رہے انھیں وجوہ پر ریاست کے بڑے بڑے اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیا جاتا تھا اور انھیں کی نگرانی میں اکثر مقدمات کی پیروی ہوتی تھی چوں کہ کلکٹری الہ آباد میں یہ نائب منصرم نقل تھے اس لئے جب کوئی مختار عام وغیرہ نہیں پہنچتا تھا یا جس مقدمہ میں کوئی خاص بات پیش آجاتی تو یہ خود بذات خاص موجود رہ کر اس کا تکملہ کر دیتے غرض اس اتحاد کی نظیر دنیا میں مشکل سے ملے گی یہ تمام دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ حقیقی بھائیوں میں خانگی جھگڑوں سے خوش گوار تعلقات قائم نہیں رہتے پھر چچیرے بھائیوں میں تو روز طرح طرح کے ہنگامے ہوتے ہی رہتے ہیں اس وقت چشم بد دور ان کی اولاد میں ایک لڑکی اور ایک لڑکا غلام مصطفےٰ اسلمہ ہے غلام مصطفےٰ الہ آباد میں ملازم ہیں افسوس ہے کہ منشی عبد الحمید صاحب کا انتقال ۱۳۵۴ھ میں ہوگیا اور لڑکی بھی انتقال کر گئی۔

نوح صاحب کی والدہ صاحبہ کا انتقال

نارے میں جب پہلی بار طاعونی شکایت شروع ہوئی تو جس کا جہاں باہر ٹھکانا تھا وہ اپنے گھر بار کو چھوڑ کر وہاں چلا گیا نوح صاحب کو بھی ان کے بہی خواہوں نے مکان چھوڑ دینے کی رائے دی یہ بھی جملہ متعلقین کو لے کر نگیا مئی منشی حبیب الحق صاحب کے مکان پر اس خیال سے چلے گئے کہ تحصیل اور اسٹیشن قریب ہے عمال سے اور مقامی اعزا سے دل بستگی رہے گی اور اپنے علاقے پر اس سبب سے نہ گئے کہ رعیت میں تبادلۂ خیالات کا موقع نہ ملے گا ان کے جانے کے بعد نارے میں بہت سی موتیں ہوئیں اور اس شکایت کا سلسلہ کئی مہینے تک قائم رہا جب یہ وبا اچھی طرح مٹ گئی اور دس بارہ روز واپسی میں رہ گئے تو دفعتاً ان کی والدہ صاحبہ کو زکام ہوا اور بخار بھی آنے لگا چوں کہ دو تین سال سے وہ متواتر بیمار رہتی تھیں اس لئے اس بخار میں ان کا حال بہت جلد غیر ہوگیا جو کچھ امکانی تدبیر ممکن تھی وہ کی گئی مگر کسی طرح طبیعت نہ سنبھلی اور ایک ہفتہ بیمار رہ کر بعد نماز جمعہ کے انتقال فرماگئیں حسب وصیت لاش نارے آئی اور مقبرہ میں دفن ہوئی افسوس ہے کہ انھوں نے شروع میں کچھ دنوں تک آرام اٹھانے کے بعد عمر بھر مقدمہ بازی طرح طرح کی زیر باری انواع انواع اقسام کے تردد و افکار میں بسر کی اور جب سکون ہوا یعنی نوح صاحب خود کام کرنے لگے اور اطمینان کا زمانہ آیا تو خود زمانے سے چل بسیں سایہ مادری اٹھ جانے سے نوح صاحب

کو نہایت صدمہ ہوا اور ان کی نانی صاحبہ نے اپنی اکلوتی لڑکی کا بہت کچھ ماتم کیا لیکن مشیت خدا میں کیا اختیار تھا رو دھو کر راضی برضا شاکر بقضا ہو گئیں۔

نانی صاحبہ کی وفات

غم کی چوٹ بری ہوتی ہے اس سانحہ کے بعد نوح صاحب کی نانی صاحبہ کی بصارت روتے روتے بالکل زائل ہو گئی اور صرف دو تین سال تک کسی نہ کسی طرح زندہ رہیں کہ وہ بھی اس کوفت میں بیمار ہوئیں حالاں کہ بہت کچھ علاج کیا گیا مگر انھوں نے بھی انتقال فرمایا۔

وہ مکان فی الحقیقت بہت خوش نصیب ہیں جن میں کوئی نہ کوئی بزرگ موجود ہے گھر میں بڑے بوڑھوں کا وجود باعث برکت ہوتا ہے افسوس ہے کہ ایسی مقدس ہستیوں سے یہ گھر صاف ہو گیا اب نوح صاحب جدھر اپنی آنکھیں اٹھا کر دیکھتے ہیں ان کو اپنے سوا کوئی بزرگ نظر نہیں آتا انھوں نے اپنی زندگی کے اتنے دن انھیں میں بسر کئے تھے آنکھیں کھول کر انھیں کو دیکھا تھا والد صاحب کا انتقال کم عمری ہی میں ہو گیا ان کی صورت بھی ان کو اچھی طرح یاد نہ تھی مگر کرتے تو کیا کرتے ہر طرح مجبور تھے آخر کار جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا یہ غم بھی کم ہوتے گئے لوگ ایسے موقع پر صبر کی ہدایت کرتے ہیں میرے خیال میں صبر مجبوری کا دوسرا نام ہے ادھر احباب تسکین دے رہے تھے ادھر چپکے چپکے تقدیر لکھ رہی تھی کہ ابھی دو اور صدمے اٹھانے پڑیں گے

محمد خضر اور ابوالحسن کی دائمی جدائی

ایک زمانہ وہ تھا کہ ان بچوں کے پیدا ہونے پر خوشیاں منائی گئیں احباب کی دھوم دھام سے دعوت ہوئی مبارک سلامت کے ترانے گائے گئے اظہار مسرت میں جلسہ کیا گیا اور ایک زمانہ یہ ہے کہ اعزا و اقربا مصروف ماتم ہیں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی ہے گریہ و زاری کی پر درد صدائیں بلند ہو ہو کر کلیجے کو ٹکڑے ٹکڑے کئے دیتی ہیں بھرا پرا گھر اجڑ گیا آیندہ کی امیدیں مٹ گئیں ارمانوں کی دنیا تباہ ہو گئی جو کچھ خدا نے دکھایا دیکھنا پڑا شادی کے سہروں کی جگہ انتقال کی تاریخیں اور وفات کے مرثیے لکھے گئے ایسے موقع پر سمجھانا بے کار ہے مگر رسم دنیا ہے لوگ سمجھاتے ہیں اثر ہو یا نہ ہو ایک طرف کسی کا کلیجہ پھٹ جائے دوسرے طرف اطمینان کوئی دے تو کس خیال سے دے دل پتھر یا فولاد کا نہیں جو صدمات اٹھائے اور آہ نہ کرے بسیط عالم کے یہی واقعات ہیں اسے ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے کوئی نہیں آیا جو آیا ہے وہ جائے گا جو پیدا ہوا کسی نہ کسی دن ناپید ہو گا اول موت آخر موت اس سے چھٹکارا نہیں لیکن طبیعت نہیں مانتی کسی قدر بھی کوئی ضبط سے کام لے آنسو آنکھوں سے نکل ہی آتے ہیں آہ بے ساختہ لب پر آ ہی جاتی ہے بہت دن گذر جانے پر رنج و الم میں وہ شدت اگرچہ باقی نہیں رہتی تاہم جب کبھی خیال آجاتا ہے تو گذرے ہوؤں کی یاد میں دل چین نہیں لیتا۔

نومبر یا دسمبر ۱۹۱۵ء میں دفعتاً بارہ بجے رات کو سوتے سوتے محمد خضر روتا ہوا جاگ اٹھا بدن پر ہاتھ رکھنے سے معلوم ہوا کہ بخار ہے چوں کہ سردی کا زمانہ تھا اس لئے اوڑھنے اور لحاف وغیرہ ڈال دئے گئے مگر اس کو کرب کے سبب سے نیند نہ آئی اور جاگ کر اس نے صبح کی ہنوز وہ کچھ بول نہ سکتا تھا اس باعث سے اچھی طرح یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس کو کیا تکلیف ہے مقامی حکیم صاحبان اپنی رائے سے علاج کرتے رہے مگر تین دنوں تک بیمار رہ کر چار برس کے سن میں انتقال کر گیا اور اعزا ماتم کرتے رہ گئے اس سانحہ کی

پر درد تاریخ جو باپ نے لکھی وہ دیوان دوم طوفان میں درج ہے۔
ابوالحسن پہلے مکان پر بسم اللہ کے بعد مولوی محمد ہارون و مولوی نجم الدین ہر دو صاحبان سے فارسی اور ماسٹر فخر الدین صاحب سے انگریزی پڑھتے رہے جب فارسی کی تکمیل قریب قریب ہو چکی تو جناب مولوی شفیع الزماں صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی وکیل ہائی کورٹ کی نگرانی میں الہ آباد گئے اور انھیں کے مکان پر ٹھہر کر شیو راکھن اسکول انگریزی میں نام لکھوایا سات آٹھ مہینے تک وہاں تعلیم پائی کہ اپنے نانا منشی حبیب الحق صاحب کے ساتھ بارہ بنکی چلے گئے اور مستقل طور سے وہاں پڑھنا شروع کیا اگرچہ یہاں اور وہاں کے کورس میں اختلاف تھا مگر پانچ چھ مہینے کی محنت میں یہ کمی پوری کر کے سالانہ امتحان میں شریک ہوئے اور کامیاب بھی ہو گئے اس خوشی کی خبر دینے کو گرمی کی چھٹیوں میں مکان آئے تھے کہ آنے کے تیسرے روز قے اور دست کی شکایت شروع ہوئی بہت کچھ تدبیریں کی گئیں مگر کچھ فائدہ نہ ہوا آخر میں حکیم عبدالقوی صاحب نے قے اور دست روکنے کی دوا دی اس سے رکاوٹ تو ہو گئی لیکن ہذیان بکنے لگے اور دو چار گھنٹے کے بعد زبان ایسی بند ہوئی کہ پھر نہ کھلی دو شبانہ روز یہی حال رہا تیسرے دن بعد ظہر چودہ برس کی عمر میں یہ ماہ کامل چودہ منزلیں طے کر کے ۲۱ مئی ۱۹۱۱ء کو ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا اور ایک ایک باتیں یاد کرنے کو رہ گئیں۔

نوح صاحب کے لئے محمد خضر ہی کا صدمہ کیا کم تھا کہ ایک اور تازہ صدمہ ابوالحسن کا بھی ان کے دل کو پہنچا ایک اولاد کا داغ ستم ہوتا ہے پھر دو اولاد کا داغ تو اور قیامت ہے دیوانہ وار پھرتے تھے اور در و دیوار پر سر پٹکتے تھے اور ہائے ابوالحسن ہائے ابوالحسن کہہ کر بے ہوش ہو جاتے تھے نہ سمجھانے کی جگہ تھی نہ کچھ کہنے کا محل تھا اگر اور کوئی لڑکا ہوتا تو اُسی سے تسکین خاطر ہوتی دو بچّے تھے دونوں کے دونوں پانچ مہینے میں جاتے رہے یہ سب جانتے ہیں کہ گریہ وزاری سے کوئی دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا مگر طبیعت نہیں مانتی دل نہیں سنبھلتا آنسو نہیں رکتے جی چاہتا ہے روؤ اور خوب روؤ اور کچھ نہ ہو گا بھڑاس تو کم سے کم نکل جائے گی اتنا زمانہ گذر گیا مگر یہ غم اس وقت بھی تازہ ہے جب یہ بچے یاد آ جاتے ہیں تو بے ساختہ دل میں درد اٹھ کر ایک ہیجانی عالم پیدا کر دیتا ہے یہ تو خیر مرد تھے چار چھ جگہ اُٹھ بیٹھ کر ان کا غم غلط ہو سکتا تھا مگر ان کی بی بی کے صدمہ کا اندازہ کیجئے کہ ان کا حال زار کیا ہوا ہو گا۔ ان صدموں کے سبب سے کئی برس تک زندہ رہ کر وہ بھی انتقال کر گئیں۔ اس سانحہ پر جو مرثیہ نوح صاحب نے لکھ کر اپنے دیوان دوم طوفان نوح میں شامل کر دیا ہے اس میں الفاظ نہیں بلکہ غم کی جیتی جاگتی ایسی تصویریں ہیں جو پڑھنے والے کو بغیر مغموم کئے نہیں رہ سکتیں دل کا خون قلم کی نوک سے کاغذ پر ٹپک گیا ہے

آغاز شاعری

میر نجف علی صاحب نجف جن سے آخری کتابیں پڑھنے کو نوح صاحب جاتے تھے اُن کے ہاں بیشتر شعر و شاعری کا چرچا رہتا تھا کبھی کبھی لوگ کلام سننے کے لئے یا اصلاح لینے کو آ جاتے تھے ایک روز رات کو انھوں نے نئی زمین میں نئی غزل کہی اور صبح کو جب نوح صاحب سبق پڑھنے کو گئے تو نہیں معلوم کیا سمجھ کر انھوں نے ان کو وہ غزل سنائی چونکہ غزل لاجواب تھی اس کے سننے سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا اور مکان پر آ کر یہ سوچنے لگے کہ اگر میں شعر کہنا چاہوں تو کیا نہیں کہہ سکتا ہوں طبیعت

نے جواب دیا کہ ممکن ہے ناممکن نہیں اسی دن سے یہ شعر کہنے لگے اور سب سے پہلے ان کی زبان سے یہ مطلع نکلا۔

کیوں جائے بار بار نہ قاتل کے سامنے پھرتی ہے شکل موت کی بسمل کے سامنے

دو تین دن میں غزل پوری کر لی اسی طرح رفتہ رفتہ دس بارہ غزلیں ہوگئیں مگر لحاظ کے سبب سے یہ میر صاحب کی خدمت میں نہ پیش کر سکے نہ اس کا ذکر کسی سے کیا منشی اکبر حسین صاحب اکبر ناروی ان دنوں مونگیر یا جمال پور میں ریلوے گارڈ تھے اتفاق سے چھٹی لے کر اپنے وطن نارہ آئے ان کو بہت زمانے سے شعر و سخن کا مذاق تھا شعر بھی کہتے تھے اور نثر کے مضامین بھی لکھتے تھے اور متعدد اخباروں کے نامہ نگار بھی تھے اور نوح صاحب سے مراسم بھی تھے شرماتے شرماتے انھوں نے اپنی غزلیں سنائیں انھوں نے سن کر بے ساختہ کہا کہ سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ابتدا میں اکثر شعر لوگ ناموزوں کہہ جاتے ہیں مگر ان شعروں میں کوئی ناموزوں نہیں ہاں اور غلطیاں ضرور ہیں جو اصلاح سے مٹ جائیں گی ایک دن اس کا ذکر انھوں نے میر صاحب سے کر دیا میر صاحب نے اصرار کر کے نوح صاحب سے غزلیں مانگ کر دیکھیں اور اصلاح فرمائی اب جو کچھ لحاظ تھا وہ جاتا رہا برابر غزلیں کہتے رہے اور وہ برابر اصلاح دیتے رہے کچھ دنوں کے بعد مولوی رمضان علی صاحب مدرس کا تبادلہ مدرسہ سرکاری نارہ سے ہو گیا اور اُن کی جگہ منشی میراں بخش صاحب سخن منجھن پوری تبدیل ہو کر آئے انھیں شاہ زادۂ مرزا قیصر بخت صاحب فروغ دہلوی سے تلمذ تھا اور اچھا کہتے تھے ان کے آنے سے ان کے شوق میں بہت کچھ اضافہ ہوا تین چار برس تک سخن صاحب یہاں کے مدرسہ میں مدرس رہے اور قریب قریب روزانہ ایک کو دوسرے سے تبادلۂ خیالات کا موقع مل جاتا تھا اور فکر سخن بھی ساتھ ساتھ ہوتی تھی۔

اگرچہ نارے کے شعرا میں سے مثلاً منشی محمد سرور صاحب مولوی محمد بشیر صاحب مولوی بخشش علی صاحب بابو جگناتھ رائے صاحب وغیرہ انتقال فرما چکے تھے مگر پھر بھی موجودہ لوگوں میں جناب میر نجف علی صاحب نجف حکیم عبدالقوی صاحب قوی منشی علی حسین صاحب صبر مولوی محمد مہدی صاحب مہدی محمد سلیم صاحب سلیم وکیل منشی جمال الدین صاحب مطلب منشی وہاج الدین صاحب وہاج منشی نظام الدین صاحب نظام منشی عبدالحئی صاحب گستاخ منشی امیر حسن صاحب امیر۔ اور منشی اکبر حسین صاحب اکبر منشی گورنراین صاحب دل وغیرہ موجود تھے اس لئے نوح صاحب نے ایک مقامی مشاعرے کی بنیاد ڈالی چنانچہ کئی مشاعرے مختلف طرحوں پر ہوئے قریب قریب اور تو سب لوگوں نے ان مشاعروں میں غزلیں پڑھیں مگر منشی علی حسین صاحب اور مولوی محمد سلیم صاحب کو کبھی موقع شرکت کا نہیں ملا آخر کار سخن صاحب اور اکبر صاحب میں چوٹیں چلنے لگیں اس باعث سے یہ مشاعرے بند کر دئے گئے مگر جب مولوی شفیع الزماں صاحب وکیل تعطیل میں تشریف لاتے تھے تو اُن کے دولت خانے پر غیر طرح کی دو ایک صحبتیں ہو جاتی تھیں۔

یہ واقعات گذر رہے تھے اور نوح صاحب کی مشق یونہیں جاری تھی کہ میر صاحب نے اِن کو حکم دیا

نارے میں مقامی مشاعرہ

شاگردی

اگر تھیں فی الحقیقت شاعری کا شوق ہے اور اس فن میں ترقی کرنا چاہتے ہو تو کسی مسلم الثبوت اہل زبان استاد کامل کو شاگرد ہو جانا چاہیے چنانچہ اُن کے ارشاد پر سب سے پہلے انھوں نے ایک غزل جناب منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی کے پاس رام پور بھیجی منشی صاحب نے اصلاح تو دے دی مگر یہ لکھا کہ میں بہت عدیم الفرصت رہتا ہوں دوسرے تیسرے مہینے ایک غزل دیکھ لیا کروں گا اس سے زیادہ نہیں دیکھ سکتا یہ بات ان کو اس خیال سے پسند نہ آئی کہ اگر دوسرے تیسرے مہینے صرف ایک غزل کی اصلاح ہوئی تو کیا نتیجہ ہو سکتا ہے جب تک ایک غزل کی اصلاح ہو گی یہاں بہت سی غزلیں تیار ہو جائیں گی اس صورت میں تمام وکمال کلام کا درست ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے مگر اپنے اطمینان کے خیال سے انھوں نے وہی غزل اصلاح شدہ اور ایک غزل اور جناب حکیم میر ضامن علی صاحب جلال لکھنوی کی خدمت میں منصور نگر لکھنو بھیج دی حضرت جلال نے اس غزل میں بھی نئی غزل کے ساتھ کئی جگہ ترمیم فرمائی اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ ہیں اصلاح کا معاوضہ فی غزل ایک روپیہ لوں گا یہ بار ایسا تھا کہ موجودہ زیر باری کے لحاظ سے یہ متحمل نہ ہو سکتے تھے اس لیئے انھوں نے کوئی صاف جواب نہ دیا لیکن جو نئی غزل جناب جلال نے اصلاح فرمائی تھی اس کو پھر جناب امیر مینائی صاحب کی خدمت میں بھیج دیا انھوں نے بھی اس اصلاح شدہ غزل میں بہت کچھ تبدیلیاں کیں ان اصلاحوں کو دیکھ کر تو بہ تو بہ دونوں صاحبوں سے کچھ بد عقیدگی سی ہو گئی آخر میں انھوں نے ڈرتے ڈرتے اس خیال سے کہ نواب فصیح الملک بہادر حضرت داغ دہلوی حضور نظام حیدرآباد دکن کے استاد ہیں توجہ فرمائیں یا نہ فرمائیں ایک نئی غزل اصلاح کے لیئے ان کی خدمت میں روانہ کی جب یہ غزل اصلاح ہو کر واپس آئی تو اس اصلاح شدہ غزل کی دو نقلیں کر کے پھر ایک نقل جناب امیر مینائی اور ایک نقل جناب جلال کی خدمت میں بھیج دی لیکن اس پر دونوں صاحبوں نے کوئی نقطہ نہ رکھا جب اچھی طرح تجربہ اور اطمینان ہو گیا تو نوح صاحب مستقل طور سے حضرت داغ کے شاگرد ہو گئے اور انھیں سے اصلاح لینے لگے یہاں نہ نذرانہ تھا نہ کسی قسم کا معاوضہ صرف چند بزرگوں کی فاتحہ دلوائی جاتی تھی وہ دے دی گئی قریب قریب ایک ہفتہ میں ایک غزل دیکھ لی جاتی تھی اور جب کوئی سرکاری کام انھیں پیش آجاتا تھا تو زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس روز میں اصلاح طلب کلام واپس ہوتا تھا افسوس ہے کہ یہ غزلیں گم ہو گئیں ورنہ ناظرین ان تینوں غزلوں کی اصلاحوں کا لطف اٹھاتے اور یہ اندازہ کرتے کہ کن صاحب نے کیسی اصلاح دی۔

اصلاح کی تین صورتیں تھیں اوّل یہ کہ جس شعر میں جو عیب ہوتا تھا وہ مٹا دیا جاتا تھا اور حاشیہ پر اس کی وجہ لکھ دی جاتی تھی دوسرے یہ کہ جو اشعار بندش یا ترکیب کے لحاظ سے سست ہوتے تھے وہ چست کر دئے جاتے تھے مگر ان پر کوئی حاشیہ نہ ہوتا تھا تیسرے یہ کہ اکثر اشعار بغیر کسی اصلاح کے یک قلم قلم زد کر دئے جاتے تھے۔

یہ سب باتیں نوح صاحب کے پیش نظر رہتی تھیں اور اطمینان کے وقت اصلاحی الفاظ پر یہ غور کرتے تھے اور اپنے دل میں سوچتے تھے کہ اس ترمیم میں کیا بات ہے یعنی اس لفظ کی جگہ یہ لفظ کیوں رکھا گیا اور لفظی تغیر و تبدل سے کون سی امتیازی شان شعر میں پیدا ہو گئی۔ جس لغزش پر ایک بار انھیں استاد نے ٹوکا پھر وہ تمام عمر ان سے نہیں ہوئی اس اطمینان پر کبھی نہیں رہے کہ جو کچھ چاہو لکھ دو

حضرت داغ تو درست ہی کر دیں گے بلکہ ہمیشہ کوشش کرتے تھے کہ اصلاح میں استاد کو زیادہ دقت نہ اٹھانی پڑے اور جلد ترقی کے زینے اپنے بل بوتے پر بغیر کسی کی امداد کے طے کر لئے جائیں یہ رات دن کا تجربہ ہے کہ استاد بار بار شاگردوں کو بتاتا ہے اور شاگرد فکر سخن کے وقت کچھ خیال نہیں کرتے بار بار وہی غلطیاں کرتے ہیں اور استاد ہی کی اصلاح کے بھروسے پر رہتے ہیں ایسے لوگوں کا ترقی کرنا بہت مشکل ہے جہاں آج انھیں دیکھئے وہیں دس برس کے بعد بھی انھیں دیکھئے گا یہ نہ کوئی اصلاح لینے کا قاعدہ ہے نہ اس سے کوئی فائدہ ہی ہے۔

اب حضرت داغ سے اصلاح لیتے ہوئے نوح صاحب کو دو تین سال ہو گئے بہت سی باتیں شاعری کے متعلق انھیں معلوم ہو چکیں رات دن استاد کے دواوین سامنے رہنے لگے اور فرصت کے وقت بیشتر اشعار پر نگاہ ڈالی جانے لگی بیٹھے بیٹھے ایک دن ان کو خیال آیا کہ جس شاعر کے رنگِ کلام کی تقلید کی جائے اس کا کلام تقلید کرنے والے کو بہت کچھ یاد ہونا چاہیئے اس کے علاوہ میں اہل زبان نہیں زیادہ سے زیادہ زبان دان بن سکتا ہوں ممکن ہے کسی محاورے یا کسی لفظ کے متعلق کوئی اعتراض کر بیٹھا تو سند دینے کے لئے دیوانوں کی ورق گردانی کرنی پڑے گی وقت پر اگر سند نہ پیش کی گئی تو ذلت ہے اس خیال میں گلزار داغ۔ آفتاب داغ۔ فریاد داغ۔ مہتاب داغ کو انھوں نے زبانی یاد کرنا شروع کیا یادگار داغ اس وقت تک شائع نہ ہوا تھا اسی یاد کرنے کے دوران میں جب اس مطلع پر نگاہ پڑی۔

کون غم خوار الٰہی شبِ غم ہوتا ہے   اب تو پہلو میں مرے درد بھی کم ہوتا ہے

تو ان کی عجیب کیفیت ہوئی بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور تمام دن اور تمام رات بے چین رہے بار بار مطلع کو پڑھتے تھے اور عالم وجد میں جھومتے تھے ممکن ہے اور لوگوں کے دلوں پر یہ کچھ اثر نہ کرے لیکن یہ بہت کچھ متاثر ہوئے اُس وقت سے دل میں ٹھن گئی کہ میں ضرور استاد کو دیکھوں گا یہ لگی ایسی نہ تھی جو بجھانے سے بجھ جاتی مگر خیال ہوتا تھا کہ والدہ صاحبہ اجازت نہ دیں گی اور اعزا بھی ایسے طولانی سفر کو پسند نہ کریں گے لہٰذا یہ کسی موقع کے منتظر رہے کچھ دنوں کے بعد ایک حیلہ انھیں مل گیا اور یہ بغیر کسی پر اپنے قصد کو ظاہر کئے ہوئے الٰہ آباد پہنچے اور وہاں سے جو آدمی ہم راہ تھا اُس کے ہاتھ اس مضمون کا ایک خط اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیا کہ میں باہر جا رہا ہوں یہ ابھی عرض نہیں کر سکتا کہ کہاں جاؤں گا اور کب تک واپسی ہو گی میرے بدخواہوں کی طرف سے کوئی خیال آپ قائم نہ کریں یہ سفر میں اپنی خوشی سے کر رہا ہوں اور میں زندہ ہوں اگر میں آپ سے کھلے ہوئے لفظوں میں اجازت مانگتا تو یقینی آپ اجازت نہ دیتیں میری اس گستاخی کو معاف فرمائیے گا ادھر یہ خط روانہ کیا اور ادھر خود تنہا حیدرآباد دکن روانہ ہو گئے۔

منماڑ اسٹیشن پر پہنچ کر انھیں معلوم ہوا کہ اورنگ آباد کے قرنطینے میں دس روز تک حیدرآباد کے جانے والوں کو رہنا پڑتا ہے اور طرح طرح کی تکلیفیں ہوتی ہیں اس خبر سے ان کو بہت کچھ پریشانی ہوئی لیکن اُسی درجہ میں یہ جس میں سفر کر رہے تھے ایک صاحب اور حیدرآباد جا رہے تھے انھوں نے از راہ ہمدردی ان کا تردد دیکھ کر ان کا حال پوچھا اور بہت کچھ اطمینان دیا اور کہا میرے پاس ڈاکٹری سارٹیفکٹ

حیدرآباد کا پہلا سفر

موجود ہے اس کے سبب سے میں تم کو بھی قرنطینہ جانے سے بچاؤں گا چنانچہ اورنگ آباد پہنچ کر اسی سارٹیفکٹ کے دکھانے سے کسی نے ان لوگوں کو نہ روکا صرف یہ ہدایت کی گئی کہ حیدر آباد پہنچ کر کسی قریبی شفا خانے میں اپنی نبض دکھا دینا غرض الہ آباد کی روانگی سے کئی روز کے بعد یہ استاد کے درِ دولت پر دس بجے دن کو بخیریت پہنچ گئے اور اپنی آمد کی اطلاع ایک ملازم کے ذریعہ سے حضرت داغ کو دی نواب فصیح الملک بہادر ان دنوں محبوب گنج کی منڈی میں قیام پذیر تھے نیچے کے مکان میں اصطبل تھا اور ملازم رہتے تھے بالا خانے پر اُن کا قیام تھا اس اطلاع پر جناب سید علی احسن صاحب احسن دوڑے ہوئے آئے اور اپنے ساتھ اوپر لے گئے یہ جا کر اپنے استاد کے قدم بوس ہوئے اور انھوں نے اپنے گلے سے لگایا سب سے پہلے یہ ارشاد ہوا تم نے اپنی آمد کی اطلاع بس نہ کوئی تار بھیجا نہ خط لکھا تمھیں یقینی اورنگ آباد کے قرنطینے میں دس روز تک سخت تکلیف اٹھانی پڑی ہوگی انھوں نے سب مفصل حالات عرض کئے پھر ادھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں تھوڑی دیر میں سب لوگوں نے ایک ہی ساتھ کھانا کھایا تکان رفع کرنے کے خیال سے حکم ہوا کہ تم کئی روز کا سفر کر کے آئے ہو جا کر آرام کرو پھر اطمینان سے ملاقات ہوگی ایک ملازم کو ہدایت کی گئی کہ جس مکان میں جناب منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم ٹھہرے تھے وہیں ان کے ٹھہرنے کا انتظام کر دیا جائے اور ہر وقت ان کے آرام و آسائش کا خیال رہے یہ مکان بالکل مکان سے ملا ہوا تھا ایک مسہری ڈال دی گئی چند کرسیاں آگئیں فرش وغیرہ بچھا دیا گیا اور یہ اسباب وغیرہ رکھ کر مستقل طور سے وہیں مقیم ہو گئے اگرچہ کئی روز تک سفر کر کے یہ آئے تھے مگر اس خوشی میں قطعی انھیں نیند نہ آئی کہ جو حسرت تھی خدا کے فضل سے نکل گئی یعنی استاد کو دیکھ لیا دوسرے وقت غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر یہ پھر استاد کی خدمت میں پہنچے اس وقت اور بہت سے لوگ وہاں موجود تھے سب سے تعارف ہوا اور لطف سے دن گذرنے لگے۔

ہمنوایانِ داغ کی بزمِ سخن گوئی

ملازموں کو چھوڑ کر ہر وقت موجود رہنے والے لوگوں میں احسن صاحب سید افتخار عالم صاحب مارہروی نواب میر حسن علی خاں صاحب امیر حیدر آبادی امراؤ مرزا صاحب نادان برادر زادہ نواب مرزا خورشید برادر خرد حضرت داغ دہلوی شاہزادہ مرزا مجاہد الدین صاحب شاہی دہلوی تھے ان کے علاوہ میر مردان علی صاحب داروغہ شاہی محمد ابراہیم صاحب نواب عزیز یار جنگ صاحب عزیز ناظم صرف خاص ابو الحمید صاحب آزاد وکیل ہائی کورٹ نظام نواب عزیز جنگ صاحب ولا حیدر آبادی منشی ضیاء الحق صاحب ساکن نگینہ مرزا مظفر حسین صاحب بارق علی گڑھی آغا شاعر صاحب شاہزادہ مرزا منیر الدین صاحب ضیا دہلوی وغیرہ کا اکثر روزانہ اور اکثر تیسرے چوتھے دن جمگھٹ ہو جاتا تھا کبھی کبھی سلام کرنے کے لئے جناب حافظ جلیل حسن صاحب جلیل مانک پوری جانشین اور منشی لطیف احمد صاحب اختر مینائی خلف حضرت امیر مینائی لکھنوی بھی حاضر خدمت ہوتے رہتے تھے اس زمانے میں ان دونوں صاحبوں کا قیام عالی جناب یمین السلطنت سر مہاراجہ کشن پرشاد صاحب بہادر مدار المہام کے دولت خانے پر تھا افتخار عالم صاحب کے قیام کی وجہ تو معلوم نہیں ہوئی مگر حافظ سید علی احسن صاحب فصیح اللغات کو ترتیب دے رہے تھے جن الفاظ کی سند ان کو مطبوعہ کلام سے مل چکی تھی وہ تو مل چکی تھی لیکن جن الفاظ یا محاوروں کی سند نہ ملی تھی اُن کے لئے نئے اشعار استاد سے کہلوا کر لغت میں داخل کرتے تھے یادگار داغ جو تھے دیوان میں

جو متفرق اشعار نظر آتے ہیں یہ وہی ہیں جو سند کے لئے کہے گئے تھے بیشتر ایسے موقع پیش آئے کہ کسی لفظ کے متعلق سند کی تلاش ہوئی چوں کہ نوح صاحب کو اپنے استاد کا کلام بہت زیادہ یاد تھا انھوں نے فوراً شعر پڑھ دیا اور وہی شعر سند میں لکھ دیا گیا یہ حال دیکھ کر حضرت داغ نے ایک بار فرمایا کہ دیوان حافظ تو پہلے دیکھا تھا مگر حافظ دیوان اب نظر آیا ایسے ہی ایک غزل کی اصلاح کے وقت نواب میر حسن علی خاں صاحب امیر کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ جب تک میں نے انھیں نہ دیکھا تھا غزل سن کر یہ سمجھتا رہا کہ نوح کوئی نوح علیہ السلام کی عمر کے آدمی ہوں گے لیکن دیکھنے سے یہ بہت کم عمر نکلے مجھے ان کی ذہانت اور ذکاوت پر تعجب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ انھیں نگاہِ بد سے بچائے اور عمر میں برکت عطا فرمائے یہ کسی وقت اچھے خاصے شاعر ہوں گے خدا جانے یہ لفظ کس مبارک وقت میں اُن کی زبان مبارک سے نکلے تھے کہ وہ مقبول بارگاہ ایزدی ہو کر سب درست اور صحیح آج ثابت ہو رہے ہیں۔

معاصر شاگرد

اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس وقت جتنے شاگرد حضرت داغ کے وہاں تھے وہ باعتبار مشق و خوش گوئی و تحقیقات فن سب نوح صاحب سے بہت زیادہ تھے اور کسی کی بھی نگاہوں میں ان کی خاص عزت تھی نہ کچھ وقار تھا جو کچھ آؤ بھگت تھی وہ صرف اخلاقاً تھی اور یہ بھی اسے اچھی طرح محسوس کر کے یہ کوشش کرتے تھے کہ میری غزل اگر کسی سے اچھی نہ ہو تو بری بھی نہ ہو پھر بھی وہ لوگ آگے نکل جاتے تھے اور یہ اپنی کم مشقی سے پیچھے رہ جاتے تھے غزلیں کہی جاتی تھیں اصلاح برابر لی جاتی تھی اگر اپنی ایک غزل دکھاتے تو بہت سی دوسروں کی غزلوں کی اصلاح دیکھتے اور اپنے دل میں غور کرتے اور باریکیوں پر نگاہ رکھتے اور بعض بعض باتیں استاد سے پوچھتے۔

اطمینان دینا

وہ خط جو الہ آباد سے لکھ کر انھوں نے اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت میں بھیجا تھا جب پہنچا تو یہاں قیامت برپا ہو گئی چوں کہ ان کے ہزاروں جانی دشمن تھے اس باعث سے لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے کوئی کچھ کوئی کچھ کہتا تھا ان کی والدہ صاحبہ سخت پریشان ہوئیں اوّل تو اکلوتے لڑکے کا اس طرح گم ہو جانا دوسرے یہ کہ واقعات گذشتہ پر ان کی نظر تھی رات دن گریہ و زاری کے سوا اُن کے لئے کوئی کام نہ رہ گیا اعزا سمجھاتے تھے مگر دل نہ ٹھہرتا تھا اکثر مقامات پر انھوں نے تار بھیجے جہاں جہاں کے متعلق خیال تھا وہاں وہاں خطوط لکھوائے متعدد اخباروں میں گم شدگی کی اطلاعیں شایع ہوئیں منشی اکبر حسین صاحب اکبر ناروی کا اعلان نہایت ہی دل چسپ رہا اُن کے الفاظ یہ تھے کہ ہمارے حضرت نوح کو اگر کوئی پری لے اڑی ہو تو اسے حضرت سلیمان کی قسم وہ فوراً ان کے پتہ سے اطلاع دے اتفاق وقت سے یہ مضمون بھی حضرتِ داغ کی نظر سے گذرا اور پھر یہاں سے جوابی تار بھی بھیجا وہ ان کی والدہ صاحبہ کی پریشانیوں کا اندازہ کر کے تڑپ اُٹھے اور اُسی وقت انھوں نے ان کی آمد و خیریت سے اطلاع دی اور خط میں بہت کچھ تسلی آمیز اس قسم کے الفاظ لکھے کہ وہ یہاں بہت آرام سے ہیں میں ان کو اپنے بچے کی طرح رکھتا ہوں انھیں کسی قسم کی تکلیف نہیں تم اطمینان رکھو۔

منشی عبدالحفیظ صاحب و منشی عبدالحمید صاحب کا بھی بھیجنا

اس مفصل خط کے پہنچنے پر ان کے بُلانے کے لئے منشی عبدالحمید صاحب برادر عم زاد و منشی

عبد الحفیظ صاحب مختار عام کو ان کی والدہ صاحبہ نے روانہ کیا مگر یہ دس روز کے واسطے اورنگ آباد کے قرنطینے میں روک لئے گئے جب اس کی خبر حضرت داغ کو ملی تو فوراً انھوں نے منشی ضیاؤ الحق صاحب کو بھیج کر بغیر دس یوم کی میعاد پوری کئے ہوئے حیدر آباد بلوالیا اور جب تک یہ لوگ رہے ان کو اپنا مہمان عزیز رکھا اپنے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھلاتے تھے اور بہت کچھ خاطر مدارات کرتے تھے بعض بعض وقت تفریحاً الہ آباد اور اطراف الہ آباد کے حالات پوچھتے تھے اور منشی عبد الحفیظ صاحب کا اس قدر لحاظ فرماتے تھے کہ قوال کے گانے میں تو کوئی بات نہ تھی مگر جب ارباب نشاط کا گانا ہوتا تھا تو نوح صاحب سے اشارہ کردیتے یہ کسی نہ کسی حیلے سے انھیں اٹھالے جاتے تھے منشی عبد الحمید صاحب کے بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہ تھا ان صاحبوں کے قیام کے لئے بھی وہی مکان تجویز ہوا جس میں نوح صاحب پہلے سے ٹھہرے ہوئے تھے بالا خانے پر نواب مرزا خورشید عالم صاحب کا قیام تھا۔

واپسی

حضرت داغ اگرچہ شباب کی منزلیں طے کرکے اچھی طرح پیرانہ سالی میں قدم رکھ چکے تھے مگر خیر سے ان کی طبیعت جوان تھی اور دل ویسا ہی رنگین تھا الٰہی جان خدا حافظ کہہ چکیں حجاب کے معاملات طے ہوگئے اختر جان کا کوکب اقبال چمک رہا تھا جدّن بائی امانی کی لڑکی امیدواروں میں تھی لچھمی کے چکر چوتھے پانچویں اب بھی ہو جاتے تھے۔

ان جلسوں سے ابھی اچھی طرح سیری نہ ہوئی تھی کہ نارے سے طلبی میں تاکیدی خط پر خط جانے لگے ناچار ہو کر با دل ناخواستہ نوح صاحب نے استاد سے روانگی کی اجازت مانگی انھوں نے بمشکل تمام نہایت افسوس کے ساتھ اس شرط پر رخصت کیا کہ جہاں تک ممکن ہو جلد آنا ریلوے اسٹیشن تک بہت سے احباب پہنچانے کو آئے اور یہ لوگ وہاں سے روانہ ہو کر کئی دن کے بعد اپنے وطن آگئے نوح صاحب کی والدہ بے حد خوش ہوئیں خدا کا شکر ادا کیا اور منتوں کے اتارنے میں کئی ہفتے تک مشغولی رہی جو بدخواہ اس واقعہ سے اپنے اپنے دل میں خوش تھے وہ بدستور پھر مغموم ہو گئے۔

اپنے مکان پر پہنچ کر نوح صاحب نے اپنے علاقے کے کاروبار کے ساتھ شاعری میں سخت محنت کرنی شروع کی روزانہ نہیں تو دوسرے دن ضرور ایک غزل پوری کر لیتے تھے ایک ایک مصرع پر بارہ بارہ تیرہ تیرہ مصرعے لگاتے تھے اور کوئی غزل ایسی نہ ہوتی تھی جس میں چالیس پینتالیس شعر نہ رہتے رہے ہوں بیشتر ایک ایک قافیے پر مشق بڑھانے کے خیال سے دو دو غزلیں کہیں یہ مشغلہ بہت زمانے تک رہا اور اب اصلاح کی یہ صورت رہ گئی کہ بعض لفظ شعر میں بدل جاتا تھا ورنہ وہی الفاظ رہ جاتے تھے کئی بار استاد نے لکھا بھی کہ اب اصلاح کی چنداں ضرورت نہیں مگر یہ اس پر کچھ خیال نہ کرتے تھے اور برابر اصلاح کے لئے غزلیں روانہ کئے جاتے تھے۔

امتحان

جناب منشی غلام غوث صاحب بے خبر میر منشی لفٹیننٹی الہ آباد شاگرد رشید حضرت غالب دہلوی کا قیام الہ آباد میں رہتا تھا اور ان سے نوح صاحب کے والد سے کسی زمانے میں مراسم رہ چکے تھے اس خیال سے کبھی کبھی ان کی حاضری اُن کی خدمت میں ہو جاتی تھی یہ وہی منشی غلام غوث صاحب بے خبر تھے جن کے نام بیشتر خطوط عودِ ہندی و اُردوئے معلیٰ میں حضرت غالب کے لکھے ہوئے موجود

ہیں ایک دن شعر وسخن کا تذکرہ آگیا موجودہ لوگوں میں سے ایک صاحب کہنے لگے کہ منشی صاحب کبھی آپ نے نوح صاحب کے شعر بھی سنے ہیں اس پر وہ ہنس دئے اور بزرگانہ لہجے سے پوچھا کہ کیا نوح شعر بھی کہتے ہیں آج تک انھوں نے کبھی ذکر نہیں کیا ہاں اکثر یہ ہم نے دیکھا ہے کہ جب یہاں کچھ شعر پڑھے گئے تو ادب کے خیال سے یہ کھل کر واہ واہ تو نہیں کر سکے لیکن ایک خاص کیفیت ان کے چہرے سے ضرور نمایاں ہو جاتی تھی یہ کہتے ہوئے وہ ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ ایک شعر میں ہم ایک لفظ بدلے دیتے ہیں تم آج سے کل تک سوچ کر بتاؤ کہ ہم نے کون سا لفظ بدل دیا ہے اور پہلے کیا لفظ تھا۔

بعد رنجش کے گلے ملتے ہوئے ڈرتا ہے جی
اب مناسب تو یہ ہے کچھ میں پڑھوں کچھ تم پڑھو

یہ سن کر پہلے انھیں بہت پریشانی ہوئی پھر خیال آیا کہ اگر اسی جگہ نہیں بتاتا ہوں تو بات جاتی ہے کل بتاؤں گا تو یہ دل میں کہیں گے کسی سے پوچھ لیا ہوگا انھوں نے جسارت کر کے کہا ایک بار اور شعر پڑھ دیجئے وہ کہنے لگے سُن لینے سے کچھ نہ ہوگا لکھ لو اور غور کر و یہ کہہ کر انھوں نے دوسری بار پھر شعر پڑھا خدا کو لاج رکھنی تھی فوراً ان کا خیال پہنچ گیا دو منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ انھوں نے گذارش کی کہ ڈرتا ہے کی جگہ رُکتا ہے رہا ہوگا۔ یعنی

بعد رنجش گلے ملتے ہوئے رُکتا ہے جی
اب مناسب تو یہ ہے کچھ میں پڑھوں کچھ تم پڑھو

یہ برجستہ جواب سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور اس امتحان کی کامیابی کی تعریف فرماتے ہوئے فرمانے لگے ضرور تم شعر کہہ لیتے ہوگے اچھا اب کوئی غزل سناؤ انھوں نے غزل بھی سنائی اس کی بھی بہت کچھ داد دی۔

یہ واقعہ نہ کوئی غیر معمولی تھا نہ اس کی ایسی کوئی خاص ضرورت تھی لیکن ابتدائے مشق کا زمانہ تھا اور منشی غلام غوث صاحب کے سامنے کی بات تھی ایسے ایسے لوگوں کے ادنا ادنا واقعات بھی لکھنے کے قابل ہوتے ہیں اور آنے والی نسلیں فائدہ اٹھاتی ہیں علاوہ اس کے اس سے نوح صاحب کی ذہانت کا اندازہ بھی بخوبی ہوتا ہے کہ آغاز ہی میں ان کی طبیعت کس قدر رسا تھی۔

کچھ دنوں کے بعد ہندوستان کے مشہور متعدد رسالوں گل دستوں اخباروں میں ان کا کلام شایع ہو ہو کر خراج تحسین و آفریں وصول کرنے لگا بے ساختہ ان کی طرف دنیا کی امتیازی نگاہیں اٹھیں اور رفتہ رفتہ یہ بھی اچھے کہنے والوں میں شمار ہونے لگے اُس وقت گل دستوں میں سب سے پرانا اور مستند گل دستہ پیام یار لکھنؤ تھا اس کی دیکھا دیکھی بہت سے مقامات سے اور بھی انھیں مقاصد کے لئے پرچے نکلے مگر اس کی مقبولیت اور کوئی پرچہ نہ حاصل کر سکا منشی نثار حسین صاحب ایڈیٹر ہر مہینے اپنے رسالے میں ان کی غزل درج کرتے تھے چوں کہ وہ طرحی رسالہ تھا اس لئے ان کو یہ سمجھنے میں بہت مدد ملتی تھی کہ کس قافیے کو کس نے کس طرح نظم کیا ہے ان کی عادت ہمیشہ سے ہے کہ کتاب کو دیکھنے کی طرح دیکھتے ہیں اور سمجھنے کی طرح سمجھتے ہیں یہ نہیں کرتے کہ سرخیوں پر نظر ڈال گئے تصویریں دیکھ لیں ادھر ادھر ورق گردانی

رسالے اور گلدستے

کے ساتھ کہیں سے چند صفحے پڑھ لئے پہلے تو یہ معلوم تھا کہ جس دیوان یا جس کتاب کو دیکھتے تھے غلطیوں پر × اور بہترین مضامین یا شعر پر ✓ نشان بنا دیتے تھے مگر اب کچھ دنوں سے یہ طریقہ بند کر دیا ہے۔ اکثر لوگوں کی کتابیں جو دیکھنے کو مستعار منگوائیں وہ ان نشانوں کے سبب سے قریب قریب خراب ہو کر واپس گئیں احباب کی شکایت نے یہ عادت چھڑا دی حالاں کہ اس صورت میں جس کی کتاب ہوتی تھی اس کے لئے واقفیت و معلومات کا ایک کافی ذخیرہ پہنچ جاتا تھا۔

الہ آباد کے مشاعرے

ابھی تک کہیں دور دراز مقامات کے مشاعروں میں انھیں شریک ہونے کا موقع نہ ملا تھا مگر الہ آباد میں جو مشاعرے ہوئے ان میں اکثر میں یہ شریک ہوئے اس وقت یہاں شاہ امین الدین صاحب قیصر میر علی عباد صاحب نیساں شاہ محمد بشیر صاحب بشیر مولوی عبدالعزیز صاحب افسر کا طوطی بول رہا تھا مقامی شعرا انھیں حضرات کے شاگرد تھے آپس میں خوب خوب نبرد آزمائیاں ہوتی تھیں ان سب سے الگ تھلگ نوح صاحب تھے نہ ان کی کوئی جماعت تھی نہ کوئی طرف دار تھا مگر یہ اپنے اشعار پر داد لے ہی لیتے تھے

حیدرآباد کا دوسرا سفر اور وہاں کا قیام

جب طبیعت خوب جولانیاں دکھانے لگی یعنی مشق بھی بہت بڑھ گئی اور فکر سخن پر بھی اچھی طرح قابو پا لیا تو پھر حیدرآباد کی سوجھی کچھ تو حضرتِ داغ کا ارشاد کچھ اپنا ذاتی شوق یہ دونوں باتیں ایسی تھیں جو ان کو چین سے گھر میں بیٹھنے دیتیں یہ اس بار اپنے ہاں کا معقول انتظام کر کے اور اپنی والدہ صاحبہ سے اجازت لے کر نہایت اطمینان کے ساتھ دکن پہنچے اس زمانے میں استاد منڈی والے مکان کو چھوڑ کر ترپ بازار عابد شاپ کے پاس ایک عالی شان کوٹھی میں اٹھ آئے تھے احسن صاحب و افتخار عالم کو پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اپنے وطن مارہرہ چلے گئے نئے لوگوں میں سید حامد حسین صاحب بے دل شاہ جہاں پوری اور عالی جناب نواب مرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی و مرزا ناصر الدین احمد خاں صاحب (حضرت داغ کے نواسے) کا اضافہ ہو گیا تھا دو چار دن میں ان حضرات سے بھی بے تکلفی بڑھ گئی بقیہ لوگوں سے تو پہلے ہی تعارف ہو چکا تھا اس لئے اب کے میل جول میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی۔

ان کے پہنچنے پر شفیق استاد نے بہت کچھ خوشی ظاہر فرمائی اور نہایت عزت و احتشام کے ساتھ لیا اور جب تک قیام رہا ان کے جملہ مصارف ان ہی کے ذمہ رہے۔ جو مقامی شاگرد تھے وہ تو خود اپنی غزلوں کی اصلاح خود آ کر سنا کر لے لیتے تھے جو ڈاک پر مختلف مقامات سے اصلاح طلب کلام آتا تھا ان کی اصلاح ان کے تعلق تھی یہ استاد کو سناتے اور جو کچھ وہ ترمیم فرماتے یہ اسے لکھ کر واپس کر دیتے خطوں کے جواب کی بھی یہی صورت تھی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ داغ صاحب اپنے کثیر التعداد شاگردوں کا کلام خود نہ دیکھتے تھے بلکہ جو ان کے اچھے اچھے شاگرد تھے یہ کام ان کی سپردگی میں تھا مگر اتنے زمانہ قیام میں ان کے سامنے کبھی ایسا موقع نہیں پیش آیا جو غزل وہاں پہنچ جاتی تھی اس کو استاد خود سنتے اور خود ترمیم فرماتے تھے یہ ضرور تھا کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے اصلاحی الفاظ نہ لکھتے تھے دورانِ اصلاح میں اگر کسی نے کوئی ترمیمی لفظ پیش کیا اور وہ اچھا ہوا تو لکھ دیا جاتا تھا چوں کہ کچھ اصلاحیں تو انھیں کے ہاتھ کی لکھی ہوتی تھیں اور کچھ ان کے سامنے ہوتی تھیں اس سبب سے انھیں بہت کچھ فائدہ پہنچا اصلاح دینے کا طریقہ ترمیم کے

اصول وضوابط تغیر و تبدل سے ترقی شعر یہ سب باتیں روز بروز ذہن نشین ہونے لگیں اور معلومات میں بھی وسعت پیدا ہوتی گئی اب ان شاگردوں کے مقابلے میں جو پہلی بار ان سے مراتب میں بہت زیادہ تھے یہ اگر ان سے زیادہ ثابت ہوئے تو میزان میں کم بھی اترے۔

جناب ظہیر دہلوی

جناب سید ظہیر الدین صاحب ظہیر دہلوی شاگرد رشید حضرت ذوق دہلوی یعنی خواجہ تاش جناب داغ دہلوی مع اپنے نواسے سید اشتیاق حسین شوق کے مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب بہادر شاد یمین السلطنت دام اقبالہ کے وابستگانِ دولت میں تھے ان کے فضل و کمال کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ بڑے بڑے لوگوں کی صحبتیں اٹھا چکے تھے دہلی کا بننا بگڑنا ان کی نگاہوں کے سامنے ہوا ان شاعروں میں شریک رہے جن میں ذوق۔ مومن۔ غالب۔ آشفتہ و ذوق صہبائی وغیرہ جیسی شخصیت کے حضرات موجود رہتے تھے شہرت دوسری چیز ہے ورنہ باعتبار مشق اور معلومات فن کے اُن کا درجہ کسی طرح داغ صاحب سے کم نہ تھا وہ جس دن یہاں تشریف لاتے عجب لطف رہتا آپس میں اکثر غزل خوانیاں ہوتیں دہلی کے قدیم زمانے کے تذکرے چھڑتے گذشتہ دور پر اظہار تاسف کیا جاتا مگر اس بے تکلفی پر بھی اتنا لحاظ تھا کہ اختر جان وغیرہ ان کے سامنے نہ آسکتی تھیں۔

ان کی خدمت میں بھی نوح صاحب کبھی کبھی وقت نکال کر پہنچ جاتے تھے اور بہت دیر بیٹھ کر واپسی ہوتی تھی وہاں بھی شعرا کا مجمع رہتا تھا اور زیادہ تر لوگ شعر و سخن کے مباحثے کرتے تھے اکثر اُن کی بھی اصلاحیں ان کی نظر سے گذریں اور بہت نہیں تو کچھ نہ کچھ فیض ان سے بھی انھیں پہنچا جس کا یہ خود اعتراف کرتے ہیں ایک موقع پر چند غزلوں میں چند لفظوں کی ترمیم ظہیر صاحب نے فرمائی مگر یہ بھی تاکید کی کہ بھائی صاحب یعنی حضرت داغ سے پوچھ کر کتاب میں درج کرنا چنانچہ انھوں سے جب داغ صاحب سے پوچھا تو اکثر لفظ انھوں نے قائم رکھے اور اکثر کو مسترد کر دیا اس واقعہ سے توازن مقصود نہیں مگر ایک خاص واقعہ تھا اس سبب سے لکھنے کو جی چاہا ورنہ اس میں کیا شک ہے کہ اپنی اپنی جگہ دونوں استاد تھے۔

نادان دہلوی

ایک بار امراؤ مرزا صاحب نادان دہلوی برادر زادہ حضرت داغ دہلوی مطلع ذیل کہہ کر داد لینے کے خیال سے سب کو سناتے پھرتے تھے۔

دل تو کیا تو جان بھی مانگے تو جی چھوٹے نہیں
عاشقِ صادق ہیں میری جان ہم جھوٹے نہیں

ان کے پاس بھی آئے اور لمبی چوڑی تمہید کے بعد مطلع سنا کر داد طلب ہوئے نوح صاحب کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا کہ آپ نادان تھے نادانی کیوں نہ کرتے یہ مطلع غلط ہے چوں کہ وہ اپنے کو دہلوی اور انھیں پوربی سمجھتے تھے اس لئے بہت ناراض ہوئے اور جا کر حضرت داغ کی خدمت میں بہت کچھ شکایت کی یہ سامنے بلائے گئے انھوں نے کہا میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی یہ کہنے کو تیار ہوں کہ مطلع غلط ہے داغ صاحب نے مطلع سنا اور فرمایا کہ فی الحقیقت اس میں شترگربہ ہے اور یوں ترمیم فرمائی۔

دل تو کیا تو جان بھی مانگے تو جی چھوٹے نہیں
عاشقِ صادق ہیں ہم جھوٹے نہیں جھوٹے نہیں

یہ واقعہ تو پیش آیا مگر طرفین میں کسی قسم کی کشیدگی نہیں پیدا ہوئی یہ اُن سے وہ اِن سے برابر ملتے رہے رات دن کی یکجائی تھی ہر وقت کا ساتھ تھا لطف و اخلاص کی باتیں تھیں افسوس ہے کہ نادان صاحب انتقال فرما گئے اور اُن کی باتیں یاد کرنے کو رہ گئیں۔

بہلا مشاعرہ

سید رضی الدین صاحب کیفی حیدر آبادی پہلے جناب مےکش کے شاگرد تھے پھر حضرت داغ کے ہوئے انھوں نے اپنے اہتمام میں ایک بڑا مشاعرہ قرار دے کر یہ طرح تجویز کی۔

ماجرائے درد و غم مجھ سے بیاں ہوتا نہیں

شرکت کے لئے انھوں نے سب کو مجبور کیا اس سے پہلے نوح صاحب نے کبھی اتنے بڑے مشاعرے کی شرکت نہ کی تھی مگر اصرار سے یہ تیار ہو گئے اور غزل لکھ کر اصلاح بھی لے لی حضرت داغ نے بھی دو تین گھنٹے کی فکر میں دو غزلہ فرمایا چوں کہ وہ بغیر سرکاری اجازت کے شریک نہ ہو سکتے تھے اس لئے خود نہیں جا سکے لیکن اپنی غزلیں پڑھنے کے لئے جناب سائل صاحب دہلوی کو مرحمت فرما دیں جناب مرزا عاشق حسین صاحب بزم اکبر آبادی جن کا قیام عارضی اُس زمانے میں وہیں تھا مولانا شبلی نعمانی جناب مےکش حضرت ظہیر دہلوی وغیرہ پہلے سے پہنچ چکے تھے داغ صاحب نے چلتے وقت یہ سب کو ہدایت کر دی تھی کہ ایک ہی جگہ سب لوگ نہ بیٹھیں مختلف مقامات پر بیٹھیں۔ اس میں دو مصلحتیں تھیں ایک تو یہ کہ اگر آپس میں ایک پر دوسرے کی غزل چمکی تو کیا چمکی لطف تو جب ہے کہ غیروں کی جماعت پر اپنی جماعت کا کلام فوقیت لے جائے دوسرے یہ کہ سب کی غزلیں قریب قریب ایک ہی رنگ کی تھیں اگر ایک ہی سلسلے میں پڑھی جاتیں تو وہ بات ہرگز نہ پیدا ہوتی جو درمیان درمیان میں اوروں کے مختلف رنگ کے کلاموں سے ہوئی فی الحقیقت تبدیل ذائقہ بھی دنیا میں عجب چیز ہے مشاعرے کا رنگ پہچاننا اور اسی اعتبار سے اپنا کلام سنانا اور موقع موقع سے سامعین و شعرا کو مخاطب کرنا بغیر تجربہ کے دو چار بار میں ہر کسی کو نہیں آتا حضرتِ داغ کی یہ وقتی تعلیم کس قدر اصول پر مبنی تھی مشاعرہ نو بجے رات سے شروع ہو کر ۸ بجے دن کو ختم ہوا مشاہیر لوگوں میں سے پہلے مولانا شبلی صاحب نے اپنا فارسی کلام سنایا بہت سی غزلوں کے بعد دو بجے رات کو بیشتر حضرت ظہیر دہلوی کی غزلیں مولانا نادر علی صاحب برتر نے جو ان کے شاگرد رشید تھے پڑھیں ایک ایک مصرعہ سے شانِ استادی ٹپکتی تھی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک بحر ذخار موج زن ہے سامعین نے بہت کچھ داد دی جب یہ غزلیں ختم ہوئیں تو جناب سائل دہلوی نے اپنے خاص ترنم میں داغ صاحب کی غزلیں سنائیں مشاعرہ تہ و بالا ہو گیا حاضرین پہلو بدلنے لگے واہ واہ میں لوگ محو تھے ایک ایک شعر کئی کئی بار پڑھوایا گیا بہت سے شائقین نے اسی وقت دونوں غزلیں لکھ لیں دو شعر مجھے یاد ہیں اور یہ دونوں شعر غیر مطبوعہ ہیں۔

وہ تو ہو ہم پر اگر یہ مہرباں ہوتا نہیں	آسماں پر دوسرا کیا آسماں ہوتا نہیں
ہم وہاں پہنچیں نہ پہنچیں یہ تو کھنچے گا ضرور	ناتوانوں کا تصور ناتواں ہوتا نہیں

دکن کے مشاعروں کا یہ طریقہ نہیں کہ جو استاد ہو وہ اپنا کلام آخر میں پڑھے بلکہ دور میں جب جس کے

سامنے شمع آجائے تو اس کو اپنے مقام پر اپنی غزل پڑھ دینی چاہیئے ہاں ظہیر صاحب و حضرت داغ صاحب ان قواعد و ضوابط سے مستثنیٰ تھے یہ حضرات جب چاہیں جس موقع کو پسند فرمائیں بلا تامل اپنی اپنی غزلیں پڑھ دیں یا پڑھوا دیں مقدم و موخر کا جھگڑا اسی طرف اور بالخصوص صاحبان لکھنؤ میں زیادہ پایا جاتا ہے اور اب دو چار سال سے تو یہ بات سختی کے ساتھ محسوس ہونے لگی کوئی مختصر سی صحبت بھی ایسی نہیں ہوتی جس میں اس کے تماشے نظر نہ آتے ہوں یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ اکثر مشاعرے اسی ضد میں خراب ہو گئے اور بانیِ مشاعرہ کا دل کچھ اس طرح ٹوٹا کہ پھر اسے مشاعرے کی تمنا باقی نہ رہی۔

دوسرا مشاعرہ

کچھ دنوں کے بعد دوسرا مشاعرہ فیض صاحب رح کے عرس میں نواب عزیز یار جنگ صاحب عزیز کے اہتمام سے طرح ذیل پر قرار پایا

بے ساختہ ایک آہ نکلتی ہے جگر سے

یہ وہ زمین تھی جسے اکثر اساتذہ طبع آزمائی کر کے اچھی طرح پامال کر چکے تھے حضرت ذوق دہلوی کا مشہور مطلع ہے۔

گر آپ کے پھرے جیتے وہ کعبے کے سفر سے
تو سمجھو پھرے شیخ جی اللہ کے گھر سے

مقامی شاگردوں نے خوب خوب زور لگایا اچھے اچھے شعر نکالے پھر استاد کی اصلاحیں سونے پر سہاگا ہو گئیں مگر کیا مجال کہ کسی کا خیال کسی کے خیال سے یا کسی کے مصرع سے کوئی کسی کا مصرع لڑنے پائے میرے خیال میں جن غزلوں پر اصلاحیں دی گئیں ان کی مجموعی تعداد کسی طرح ستر یا اسّی سے کم نہ تھی اس پر طرہ یہ کہ دو غزلہ داغ صاحب نے بھی کہا اور سب سے بچا کر کہا۔

مشاعرہ تاریخ مقررہ پر دو بجے دن سے شروع ہوا قریب قریب وہاں کے مقامی لوگوں میں جن کو مذاقِ سخن تھا سب موجود تھے پچاس ساٹھ غزلوں کے بعد جناب حافظ جلیل حسن صاحب جلیل نے کہا کہ میں جانا چاہتا ہوں میری غزل سن لی جائے لوگوں نے بہت کچھ کہا کہ آپ ابھی غزل نہ پڑھیں مگر جب انھوں نے معذوری ظاہر کی تو بانیِ مشاعرہ نے غزل پڑھنے کی اجازت دے دی وہ جب پڑھ چکے تو حضرت ظہیر دہلوی نے بھی ارشاد فرمایا کہ اسی سلسلے میں ہماری غزل بھی ہو جانی چاہیئے کیوں کہ پیرانہ سالی کے سبب سے مجھ کو دیر تک بیٹھنے میں تکلیف ہے اب حاضرین کو خیال ہوا کہ اگر یہ بھی پڑھے لیتے ہیں تو حضرت داغ کی غزلیں بھی ان غزلوں کے بعد پڑھ دی جائیں گی پھر مشاعرے میں کیا رہ جائے گا لہٰذا لوگوں نے بہت کچھ کہا سنا کہ ابھی آپ اپنی غزلیں نہ پڑھوائیں لیکن اس گذارش پر خدا جانے کیا خیال کیا کہ غصہ میں اپنی دونوں غزلیں چاک کر کے وہیں پھینک دیں اور باوجود منت سماجت کے مشاعرے سے اٹھ کر چلے گئے ان کے تشریف لے جانے کے بعد ایک قسم کی افسردگی سی حاضرین پر چھاگئی اور ہر شخص برداشتہ خاطر ہو گیا تھوڑی دیر گذرنے پر جس سے غزل پڑھنے کو کہا جاتا تھا وہ حیلہ حوالہ کر کے ٹال دیتا تھا کیوں کہ رنگ اکھڑ چکا تھا اب فوراً جمنا مشکل تھا اتنے میں نواب میر حسن علی خاں صاحب کے کہنے سے نوح صاحب نے اپنی غزل پڑھنی شروع کر دی ایک تو اشعار اچھے دوسرے پڑھنے کے انداز نے اور بھی لوگوں کو تڑپا دیا کئی شعر کئی کئی بار پڑھوائے گئے اور خوب خوب سامعین نے داد دی پھر کیا تھا غزل خوانی کا سلسلہ شروع ہو گیا اچھے اچھے شعر سننے میں آئے حضرت داغ کی غزلوں کو سائل صاحب

نے یہ کہہ کر پڑھنا منظور نہ کیا کہ جب ظہیر صاحب خفا ہو کر چلے گئے تو مجھے آپس کے مراسم کے لحاظ سے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ میں داغ صاحب کی غزلیں پڑھ دوں ان باتوں کو سن کر بہت سے لوگ اس خیال سے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ جب حضرت داغ ہی کی غزل نہ سننے میں آئے گی تو بیٹھنا بے کار ہے یہ بے لطفی دیکھ کر نواب عزیز یار جنگ صاحب کو مشاعرہ ہی ختم کر دینا پڑا کچھ اشعار درج ذیل ہیں۔

جلیل	اے شمع مری طرح تجھے چاہیے جلنا	اٹھے جو دھواں دل سے تو اونچا ہو نہ سر سے
کیفی	زخمی ہے جو دل ناوکِ دل دوز نظر سے	مرہم بھی لگاتا ہوں تو میں تیر کے پر سے
ظہیر	قاصد تنِ لاغر ہے مرا خط سے سبک تر	نامے کے عوض باندھ لے تو مجھ کو کمر سے
عزیز	عرصہ ہوا موقوف ہوئے نامہ و پیغام	آیا نہ اُدھر سے نہ گیا کوئی ادھر سے
نوح	بہتے رہے آنسو جو یونہیں دیدۂ تر سے	اک روز گذر جائے گا پانی مرے سر سے
	لو اور سُنو کہتے ہیں وہ مجھ سے بگڑ کر	دیکھو ہمیں دیکھو نہ محبت کی نظر سے
	مے خانے پہ گھنگھور گھٹا چھائی ہے بے کار	کھُلتا ہو تو کھل جائے برستا ہو تو برسے
	اب دیکھیے ملتی ہے گناہوں کی سزا کیا	دوزخ بھی ہوئی سرد مرے دامنِ تر سے
	ملنے کا نہیں ہے کبھی لڑنے کی نہیں ہے	وہ دل مرے دل سے وہ نظر میری نظر سے

رسالہ کی نوٹ صفحہ ۳۸ میں دیکھیں

پوری غزل سفینۂ نوح دیوان اول میں موجود ہے۔

حضرت داغ	اس چوٹ کو پوچھے کوئی اُس خستہ جگر سے	اُترا جو ترے دل سے گرا تیری نظر سے
	پروانوں نے گھیرا ہے شبِ غم مجھے آ کر	تو شمع کی اُٹھتی ہے مرے داغِ جگر سے
	میری نہ بجھی پیاس تو جھنجلا کے سرِ بزم	ساقی نے سبو کھینچ کے مارا مرے سر سے
	دیکھی کہ سوا کس میں ہے نرمی و نزاکت	رخسار ملے آج اُنھوں نے گلِ تر سے
	اُس انجمنِ ناز سے آیا ہوں بہت خوش	اللہ بچائے مجھے اپنی بھی نظر سے
	نقشِ قدمِ یار کی مٹی نہ ہو برباد	تر رکھتے ہیں اس واسطے ہم دیدۂ تر سے

یہ دو غزلہ یادگار داغ مرتبہ احسن صاحب مارہروی میں درج ہے زبانی جو شعر یاد تھے وہی لکھ دیے گئے رات کا واقعہ صبح کو حضرتِ داغ سُن کر اپنے جملہ شاگردوں سے بہت ناخوش ہوئے اُن کا فرمانا تھا کہ جب جناب ظہیر دہلوی نے اپنی غزلیں نہ پڑھی تھیں تو ان لوگوں کو بھی ان کی تقلید میں اپنا کلام نہ پڑھنا تھا اس برہمی میں سب سے زیادہ نوح صاحب اور نواب میر حسن علی خاں صاحب پر آفت یوں آئی کہ اُن کے اشارے سے انھوں نے مشاعرے میں اپنی غزل پڑھی تھی غرض یہ پر لطف عتاب کئی دن تک رہا نواب عزیز یار جنگ صاحب تین چار روز ندامت کے سبب سے حاضر خدمت نہ ہو سکے۔

بہ مراسلت اعادہ اور ماخذ سے دیکھئے

سید امیر حسن صاحب فروغ لکھنوی وکیل ہائی کورٹ نظام سے جناب مرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی کے غیر معمولی مراسم تھے ایک بار انھوں نے دل گیا ان قوافی و ردیف میں طرح دے کر منتخب حضرات کو مشاعرے کی دعوت دی سائل صاحب کی تاکید اور فروغ صاحب

کے اصرار سے امراؤ مرزا صاحب نادآن اور نواب میر حسن علی خاں صاحب اور نوح صاحب نے غزلیں کہیں اور لوگوں نے تو اپنے اپنے اشعار استاد کو دکھالئے لیکن کچھ ایسا اتفاق پیش آیا کہ انھیں اصلاح لینے کی نوبت نہ آئی اور مشاعرے کا وقت آگیا یہ تینوں حضرات چلے گئے اور وہاں جاکر اپنی اپنی غزلیں پڑھیں ہر جگہ ہر شخص کے کچھ موافق کچھ مخالف لوگ ہوا کرتے ہیں دو تین صاحب ایسے تھے جو نوح صاحب سے بظاہر تو نہیں لیکن باطن میں ان کی ترقیوں کو دیکھ کر جلتے تھے لیکن ان پر حضرتِ داغ کی کچھ ایسی شفقت بزرگانہ تھی کہ کچھ بس نہ چلتا تھا اس موقع پر انھوں نے داغ صاحب سے کہا کہ نوح صاحب کی اس جسارت کو دیکھئے کہ اپنی غزل بغیر آپ کے دکھائے ہوئے مشاعرے میں پڑھ دی اس کے علاوہ اور طرح سے بھی اُن کے مزاج کو برہم کرنا چاہا مگر حضرت داغ بخوبی سمجھ گئے تھے کہ اب نوح صاحب کا کلام چنداں اصلاح طلب نہیں اگر کہیں کوئی کمی رہ جاتی ہے تو اس پر معمولی نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں اس سبب سے اُس وقت تو یہ باتیں سن کر وہ خاموش رہے دوسرے موقع پر انھیں لوگوں کے سامنے انھوں نے نوح صاحب سے فرمایا کہ ذرا کل کے مشاعرے کی غزل ہمیں تو سُناؤ انھوں نے غزل سنائی جب غزل ختم ہو چکی تو انھوں نے کہا کہ بتائیے اس غزل میں کیا غلطی ہے اور یہ کہتے ہوئے غزل کی بہت کچھ داد دی اور فرمایا نوح تو ناخدائے سخن ہے شعر کیوں نہ اچھے ہوتے اس دن سے یہی لکھ کر اکثر پکارتے اور مخاطب کرتے تھے ۔

اب کا حال معلوم نہیں پہلے حیدرآباد میں بیشتر دوسویں بیسیوں دن برابر مشاعرے ہوتے رہتے تھے اپنے زمانۂ قیام میں نوح صاحب کو بہت زیادہ شرکت کا موقع ملا لیکن ان تین خاص واقعات کے علاوہ اور کہیں کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی جس کا ذکر ضروری سمجھا جائے لہٰذا زائد باتوں کا لکھنا نہ لکھنا دونوں برابر ہے ۔

مرزا خورشید عالم صاحب

جناب مرزا خورشید عالم صاحب خورشید ـ برادر خرد حضرت داغ کو صاحب عالم بھی اس خیال سے کہتے تھے کہ ان کا تعلق شاہی خاندان دہلی سے تھا دکن سے سو روپیہ ماہوار منصب پاتے تھے اور داغ صاحب ہی کے ساتھ اپنے مصارف سے الگ رہتے تھے کبھی چلتے پھرتے کوئی غزل کہہ لی تو کہہ لی ورنہ بالالتزام یہ شغلہ نہ تھا لیکن اہلِ زبان تھے اور اپنی زبان پر انھیں بہت کچھ ناز تھا مزاج بھی ذرا سخت واقع ہوا تھا اس باعث سے کسی کو اپنے خیال میں نہ لاتے تھے اور بات بات پر برس پڑتے تھے چوں کہ ان کی زبان مستند تھی اس لئے نوح صاحب وقت نکال کر ان کی خدمت میں بیشتر حاضر ہو جاتے تھے اور جو غزلیں اصلاح ہوتی تھیں ان کا سنا دینا بھی معمول تھا دو چار شعروں پر زبان کے متعلق انھوں نے بعد اصلاح بھی اعتراض کیا اور مکرر اُن اعتراضات کو حضرت داغ نے رفع فرمایا یا سمجھا دیا کبوتروں کے شوق کے علاوہ بادہ پرستی اور رنگین مزاجی سے بہت ذوق رکھتے تھے رات کو دل جیسی کے لئے کوئی نہ کوئی آہی جاتی تھی پہلے کبرا بیگم سے تعلق تھا وہ جب قتل ہو گئی تو پھر پابندی کے ساتھ کسی کو ملازم نہیں رکھا شام کے دور میں یہ حکم تھا کہ نوح صاحب بلایا کریں چنانچہ زبان سیکھنے کے شوق میں یہ ذیل کام بھی نہایت

۵۱ دوزخ مختلف قبیلہ مذکر مؤنث دونوں ہے ۔ صفحہ ۴۳ کے متعلق

خوشی کے ساتھ یہ انجام دیتے تھے وہاں سے بچھڑنے کے بعد ریاست رام پور میں ایک بار ملاقات ہوئی گلے لگا کر رونے لگے بہت دیر تک حیدرآباد کی باتوں کا ذکر رہا اشعار سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے اب تو تم خوب کہتے ہو پھر ملنے کی نوبت نہ آئی کچھ دنوں میں معلوم ہوا کہ انتقال فرما گئے۔

حضرت داغ کے مشاغل

حضرت داغ نماز صبح پڑھنے کے بعد آفتاب نکلتے نکلتے گرمی کے زمانے میں معمولاً اپنی کوٹھی کے پھاٹک کے قریب اندرونی جانب آرام کرسی پر آکر بیٹھ جاتے تھے پندرہ بیس کرسیاں اٹھنے بیٹھنے والوں کے لئے اور ڈال دی جاتی تھیں چھوٹی سی میز پر قلم دوات لفافہ سادہ کاغذ رکھ دیا جاتا تھا اکثر نواب میر حسن علی خاں صاحب امیر وسید حامد حسین صاحب بے دل شاہ جہاں پوری اور زیادہ تر نوح صاحب اُن غزلوں کو سنا کر اصلاح لیتے جو باہر سے ڈاک پر آتیں پڑھنے والا پڑھتا تھا اور استاد اسی وقت برجستہ اصلاح دیتے جاتے تھے دوران اصلاح میں اگر کوئی لفظ یا مصرع سنانے والے کے ذہن میں آتا تو وہ بلا تامل عرض کرتا پسند ہوتا تو وہی رکھ دیا جاتا ورنہ خود درست فرماتے جب غزل ختم ہوتی تو لفافے میں بند کر کے روانہ کر دی جاتی ان غزلوں کا اوسط روزانہ کسی طرح سولہ سترہ سے کم نہ تھا اور یہ شغل بغیر ناغہ دس بجے تک رہتا تھا اسی دوران میں جو مقامی شاگرد آجاتے تھے اُن کی غزلیں بھی دیکھ لی جاتی تھیں اس کام سے فراغت کرنے کے بعد کوٹھی کے اندرونی حصے میں فرش پر دسترخوان بچھتا جو لوگ موجود ہوتے سب کھانے میں شریک کئے جاتے کھانے میں ہر قسم کی چیزیں ہوتیں بعض بعض دن فرمائش کر دینے سے وہ چیز بھی پکتی جس کے لئے حکم دیا جاتا تناول طعام کے بعد حقہ نوشی ہوتی حضرت داغ کے سامنے پیچوان لگا دیا جاتا نواب میر حسن علی خاں صاحب کے لئے گڑگڑی حاضر کی جاتی نوح صاحب کا حقہ بھی رکھ دیا جاتا پھر استاد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ استراحت فرماتے پھر اٹھ کر نماز ظہر ادا کرتے اور شطرنج کی دو ایک بازی کھیلتے یا احباب جمع ہو جاتے تو اُن سے گفتگو کرتے یا کسی کی غزل سن کر اصلاح دیتے عصر کی نماز کے بعد دسویں پندرھویں ہوا خوری کے لئے جوڑی پر سوار ہو کر نہایت تزک و احتشام سے نکلتے اور بیشتر سکندر آباد حسین ساگر یا باغ عام کی طرف تشریف لے جاتے جوڑی پر داہنے طرف صدر میں خود بیٹھتے بائیں طرف اپنے برابر میں نواب میر حسن علی خاں صاحب کو بٹھاتے اور سامنے کی نشست گاہ میں بیدل صاحب شاہ جہاں پوری اور نوح صاحب ہوتے جمال صاحب حقہ لئے ہوئے کوچ بان کے پاس کوچ بکس پر بیٹھتے حقہ کی نے داغ صاحب کے ہاتھ میں ہوتی حقہ برابر پیتے جاتے پیچھے ایک تانگہ ہوتا اس پر منشی عبدالغنی صاحب رہتے اور اُن کے ساتھ کچھ دوائیں ہوتیں کچھ دیر تک تفریح فرما کر واپس تشریف لاتے اور مغرب کی نماز پڑھتے فریضہ ادا کرنے کے بعد کبھی رحمت اللہ قوال کبھی اور کسی سے کبھی اختر جان سے گانا سنتے پھر رات کا کھانا تناول فرماتے عشا کی نماز کے بعد خود شعر کہتے اشعار کہنے کی یہ صورت تھی کہ وہ بولتے جاتے تھے اور ایک آدمی مسودہ میں لکھتا جاتا تھا لکھنے والا ایک شعر نہ لکھ چکتا تھا کہ دوسرا شعر موزوں ہو جاتا تھا اسی طرح بہت جلد غزل تیار ہو جاتی تھی ایک مصرع کبھی اُن کی زبان مبارک سے نہیں سنا گیا جب کہا پورا شعر کہا یہ بھی معمول تھا کہ پہلے مطلع فرماتے تھے اور نئی زمین نکالتے تھے جس قدر شعر کہنے ہوتے وہ کہہ کر سوتے بعض دن تھوڑی دیر سو کر جاگ اٹھتے تھے چوں کہ نوح صاحب

کا کمرہ قریب تھا اس باعث سے ان کو فوراً جگواتے اور ان کے جگانے سے اور لوگ بھی جاگ اُٹھتے حقہ بھرا جاتا اور بڑی دیر تک دلّی وغیرہ کے واقعات بیان فرماتے یا کسی کی غزل خود اس کی زبان سے سن کر اصلاح دیتے پھر سو رہتے اور علی الصباح بیدار ہوتے۔

حضرتِ داغ اگرچہ معقول تنخواہ پاتے تھے مگر مہینے میں کچھ پس انداز نہ ہوتا تھا اس کی وجہ یہی تھی کہ داد و دہش میں ان کا ہاتھ کبھی نہ رکتا تھا بہت سے اعزا اور مساکین کو پابندی کے ساتھ منی آرڈر کے ذریعہ سے مختلف مقامات پر روپئے روانہ فرماتے تھے علاوہ اس کے باورچی خانہ اور روزمرہ کا خرچ آنے جانے والوں کی امداد مہمانوں کی خاطر و مدارات خیرات مبرات میں سب صرف ہو جاتا تھا باورچی خانے میں انا سجن چمپا صاحب جان چار عورتیں ملازم تھیں جمال صاحب چھوٹے بڑے محبوب راجا عبدالحمید وغیرہ دس بارہ خدمت گار رحمت اللہ قوال غلام رسول کاتب دیوان منشی عبدالغنی صاحب منیجر عبدالعزیز اسسٹنٹ منیجر وغیرہ اچھی اچھی تنخواہیں پاتے کپڑا بدلنے کا روزانہ معمول تھا عطر وغیرہ سے خاص رغبت تھی چار گھوڑے دو گاڑیاں پھر اس کے سائیس اور کوچ بان دانگھاس کے مصارف تھے غرض بچت کی کوئی صورت نہ تھی بلکہ اکثر مہینوں میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب روپیہ نہیں رہا تو نواب میر حسن علی خاں صاحب کے ہاں سے آیا اور تنخواہ آنے پر سب سے پہلے ان کا مطالبہ ادا کر دیا گیا۔

یوں تو مقامی شاگردوں کی تعداد اچھی خاصی تھی لیکن خصوصیت کے ساتھ اعلیٰ حضرت حضور نظام آصف بادشاہ دکن اعلی اللہ مقامہ عالی جناب مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب شاد وزیر سلطنت نواب عزیز یار جنگ صاحب عزیز نواب عزیز جنگ صاحب ولا نواب میر حسن علی خاں صاحب امیر نواب ابو المعظم مرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل امراؤ مرزا صاحب نادان شاہزادہ مرزا منیر الدین احمد صاحب ضیا دہلوی مولوی عبدالحمید صاحب آزاد مرزا مظفر حسین صاحب بارق ڈاکٹر مہدی حسن صاحب الم حافظ محی الدین صاحب محفوظ مستجاب خاں صاحب خلق سید رضی الدین صاحب کیفی سید حامد حسین صاحب بےدل شاہجہان پوری نوح صاحب ناروی قابل لحاظ تھے ان میں سب کے حالات اگر لکھتا ہوں تو مکمل ایک اور کتاب ہو جانے کا اندیشہ ہے لہذا چند حضرات کے نہایت مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی کیواں خدم دارا حشم سکندر شوکت نوشیرواں معدلت سپہ سالار فتح جنگ مظفر الممالک ہز ہائنس حضور پرنور نواب میر محبوب علی خاں صاحب بہادر آصف جاہ نظام الملک آصف تخلص سلطان دکن نور اللہ مرقدہ کے کلام بلاغت نظام کے متعلق کیا لکھوں کلام الملوک ملوک الکلام مشہور بات ہے علاوہ سخن سنجی اور قدردانی کے بڑے زود گو اور قادر الکلام تھے باوجود مصروفی امور سلطنت کے بیشتر یہ دیکھا گیا ہے ایک ایک دن میں کئی کئی غزلیں کہہ ڈالی ہیں جس دن وہ شعر کہنے کو بیٹھتے تھے شاہی چوب دار متعدد بار آتا تھا جب غزل ختم ہو چکتی فوراً اس کی معرفت استاد کے پاس اصلاح کے لئے سر بمہر لفافے میں روانہ فرماتے اور یہ سو کام چھوڑ کر اپنے دست خاص سے اصلاح فرما کر پھر

پھر سر بمہر لفافے میں واپس کرتے اُس زمانے کے اکثر رسالوں میں اُن کا کلام نظر آتا تھا اور اب تک لوگوں کی زبانوں پر اُن کے اشعار ہیں

مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب بہادر شاد وزیر سلطنت فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں خوب فرماتے ہیں بیشتر اشعار میں علاوہ عاشقانہ رنگ کے تصوف کی خاص جھلک بھی پائی جاتی ہے اُس وقت کے تمام بہترین رسالوں میں کلام شایع ہوتا تھا جس انہماک سے آپ زبان کی خدمت کر رہے تھے وہ اِن اہم ذمہ داریوں پر کوئی بھی نہیں کر سکتا ہمیشہ درِ دولت پر دو چار اہلِ کمال موجود رہے ترکی (فارسی گو) حضرت ظہیر دہلوی جلیل القدر جناب جلیل و جناب اختر خلف حضرت امیر لکھنوی جیسے بلند پایہ لوگ آپ کے ابر گہر بار سے ایک مدت تک فیض یاب ہو چکے ہیں۔

نواب عزیز یار جنگ صاحب عزیز ناظم صرف خاص خاص حیدر آباد کے رہنے والے ہیں دکن والوں میں جہاں تک میں خیال کرتا ہوں اِن سے بہتر داغ صاحب کے رنگ کا تقلید کرنے والا کوئی شاگرد نہیں دو دیوان ارمغان عزیز کے نام سے شایع ہو چکے ہیں دیوان دوم کے متعلق نوح صاحب کا لکھا ہوا ایک مکمل تبصرہ رسالہ رہ نمائے تعلیم لاہور کے جوبلی نمبر میں شایع ہو چکا ہے استاد کی نگاہ شفقت ہمیشہ اِن پر رہی اور اِن کا بھی معمول تھا کہ روزمرہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور فیض اٹھاتے تھے۔

نواب میر حسن علی خاں صاحب امیر برائے نام امیر نہیں بلکہ فی الحقیقت امیر تھے اچھی خاصی جاگیر تھی سب اعزا و اقربا معزز عہدوں پر سرفراز ہیں اِن سے زیادہ کسی کو استاد کی خدمت میں رہنے کا موقع نہیں ملا جب سے حضرت داغ کا قیام ہوا یہ ہر جلوت و ہر خلوت میں ہم نوالہ و ہم پیالہ رہے انھوں نے بھی اُن کی رفاقت میں اپنا گھر بار چھوڑ دیا اور رات دن یہیں رہتے تھے استاد کی بھی یہ کیفیت تھی کہ دس بیس روز میں اتفاق سے اگر یہ گھنٹے دو گھنٹے کو اپنے مکان جاتے تو یہ پریشان ہو جاتے تھے جب تک وہ نہ آ جاتے یہ کھانا بھی نہ کھاتے انتظار کیا جاتا آدمی پر آدمی بلانے کو بھیجے جاتے اچھی بری کوئی بات ان سے نہ چھپائی جاتی سب سے پہلے انھیں سے مشورہ لیا جاتا شعر کہنے میں بند نہ تھے لیکن عادتاً کم کہتے تھے کوئی خاص موقع آیا یا مجبور کئے گئے یا کسی کا اصرار ہوا تو غزل کہہ لی یہی سبب ہے کہ اب تک کوئی دیوان طبع نہیں ہوا حالاں کہ ذخیرہ کافی ہوگا افسوس ہے کہ اب انتقال فرما گئے۔

نواب ابو المعظم مرزا سراج الدین احمد خاں صاحب دہلوی کو کسی مزید تعارف کی ضرورت نہیں ان کے کمال ان کے محاسن شاعری سے سارا ہندوستان خود ہی واقف ہے علاوہ دہلوی ہونے کے یہ ریاست لوہارو کے ایک رکن خاص ہیں چوں کہ استاد کی صاحب زادی کا عقد ان کے ساتھ ہوا تھا اس باعث سے کوٹھی کے بالاخانے پر مع مرزا ناصر الدین احمد خاں صاحب اور بیگم صاحبہ کے مقیم تھے ناصر میاں کی تعلیم اُس وقت ہوتی تھی سائل صاحب اپنے گھر سے بھی خوش حال تھے اور پھر اُن کی اہلیہ کو داغ صاحب کی لڑکی ہونے کے خیال سے سرکار نظام سے ایک معقول وظیفہ ملتا تھا اس لئے نہایت شان و شوکت سے بسر ہوتی تھی اسی زمانے میں انھوں نے ایک رسالہ معیار الانشاد نکالا اس میں بیشتر داغ صاحب کے شاگردوں کی طرحی غزلیں بعد اصلاح کے شایع ہوتی تھیں لیکن کچھ دنوں تک جاری رہ کر بند ہو گیا۔ یہ اُردو فارسی دونوں

زبانوں میں خوب شعر فرماتے تھے اردو میں پہلے مرزا عبدالغنی صاحب ارشد دہلوی سے بھی اصلاح لی ہے پھر استاد سے اصلاح لینے لگے۔ غزل پڑھنے کا خاص انداز تھا اول تو کلام بہت اچھا پھر اس کے ساتھ کسی حد تک ترنم یہ دونوں باتیں مل کر ایک خاص بات پیدا کر دیتی تھیں آخر زمانے کے مشاعروں میں حضرت داغ کی غزلیں بھی پڑھتے تھے تواضع خلق انکسار مودت محبت کس کس خوبی کو بیان کروں جو خوبیاں اچھے سے اچھے انسان میں چاہئیں وہ سب ان میں موجود تھیں ہندوستان کے ہر بڑے مشاعرے میں شریک ہونے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔ نوح صاحب پر خاص شفقت برادرانہ فرماتے تھے اور نوح صاحب بھی انھیں اپنا بزرگ جان کر دل سے احترام کرتے تھے دہلی جب کبھی جانے کا اتفاق ہوا مہینوں انھیں کے دولت خانے پر رہے کوئی تقریب ایسی نہیں ہوتی جس میں ایک دوسرے کو نہ پوچھے چونکہ حیدرآباد میں بہت دنوں تک ساتھ رہا اس باعث سے بیگم صاحبہ کو بھی کوئی مغایرت نہیں تھی وہ نوح صاحب کو اپنا بھائی جان کر اظہار مسرت کرتی ہیں جی تو یہی چاہتا تھا کہ مفصل حالات لکھے جاتے لیکن ایسی بڑی ہستی کے لئے چند ورق کافی نہیں۔

جناب نادان

امراؤ مرزا صاحب نادان حضرت شاغل دہلوی برادر خرد حضرت داغ دہلوی کے صاحب زادے تھے ان کا قیام بھی اُس زمانے میں وہیں تھا اردو میں غزلیں کہتے تھے اور اپنے کو استاد کا خلیفہ جانتے تھے شعر کہنے کی اچھی خاصی مشق تھی لیکن سرشار رہنے کے سبب سے اپنے چچا کے سامنے جانے میں تامل ہوتا تھا بہت کم جاتے تھے استاد کے انتقال کے بعد کچھ دنوں تک زندہ رہے اور پھر دکن ہی میں انتقال فرما گئے دیوان نہیں شایع ہوا۔

سید حامد

سید حامد حسین صاحب بتے دل شاہ جہاں پوری قریب قریب نوح صاحب کے ہم عمر ہیں یہ اور وہ ایک ہی کمرے میں رہتے تھے حضرتِ داغ نے چاہا تھا کہ وکالت کا امتحان پاس کر لیں لیکن مصروفیت اور شاعرانہ شوق کے سبب سے نہ پاس کر سکے استاد کے انتقال تک وہیں رہے پھر کچھ دنوں تک پتہ نہ چلا کہ کہاں ہیں ایک مدت کے بعد ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے جنرل مشاعرے میں نوح صاحب سے ملاقات ہوئی تھی کہتے تھے کہ جے پور میں وکالت کرتا ہوں اب کا حال معلوم نہیں خدا کرے بخیریت ہوں۔

پہلے دیوان کی تدوین اور نوح صاحب کی غزلوں پر طریقۂ اصلاح

نوح صاحب کا کلام اُسی زمانے میں اس قدر جمع ہو گیا تھا کہ انھیں اپنے دیوان چھپوانے کی فکر تھی لیکن مجموعہ میں کم غزلیں اصلاح شدہ اور زیادہ تر بے اصلاحی تھیں اس لئے حضرتِ داغ کو روزانہ یہ دو غزلیں سناتے تھے اور اصلاح کے بعد درج دیوان کر لیتے تھے مگر اپنی غزلوں کی اصلاح کے لئے انھوں نے عجب طریقہ رکھا تھا کہ دو ایک الفاظ کی ترمیم شعر میں یا مصرع میں ہوئی تو ہوگئی ورنہ پورے مصرعہ کے لئے انھوں نے استاد سے کہہ دیا تھا کہ پہلے مجھ کو بتا دیا جائے کہ ان الفاظ کی ضرورت ہے یا مضمون اچھا نہیں یا مصرعہ نہیں لگا یا قافیہ اچھا نہیں بندہ صاحب خود کوشش کر کے درست کروں گا اور جب میں درست نہ کر سکوں تو آپ اصلاح فرما دیجئے گا چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا کہ بتا دینے پر خود غور کر کے الفاظ کو تبدیل کرتے تھے اور قدیم مصرعہ پر جدید مصرعہ لگاتے تھے اکثر ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک ایک مصرعہ پر انھوں نے پندرہ پندرہ سولہ سولہ مصرعے لگائے ہیں پہلے تو اتنے مصرعوں میں کوئی نہ کوئی مصرعہ ٹھیک ہی ہو جاتا تھا اور اگر نہیں درست

ہوتا تھا اور یہ پریشان ہو جاتے تھے تو استاد مصرعہ لگا دیتے تھے اس صورتِ خاص سے روز بروز مشق بڑھتی جاتی تھی اور معلومات وغیرہ میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

دیوان اوّل کا نام خود حضرتِ داغ نے سفینہ نوح رکھا جو نوح صاحب کی نسبت سے کس قدر موزوں ہے اس سے بڑھ کر دوسرا نام اس خوبی کا کہاں مل سکتا تھا چوں کہ بہت جلد اشاعت کی امید تھی اس خیال سے انھوں نے اُسی زمانے میں از راہِ شفقت بزرگانہ یہ تاریخ بھی دیوان کے لئے فرمادی جو سفینہ نوح میں درج ہے مگر افسوس ہے کہ ان کی زندگی میں یہ دیوان طبع نہ ہو سکا انتقال کے بعد ہوا۔

میرے پیارے نوح کا دیواں مرتب ہوگیا ابتدا سے انتہا تک خوب لکھا نوح نے
نوح نے غرقابِ خجلت حاسدوں کو یوں کیا کافروں کو جس طرح پہلے ڈبویا نوح نے
ایک سے ہوتا ہے حاصل ایک کو فیضِ سخن ذوق سے سیکھا ہے میں نے مجھ سے سیکھا نوح نے
جو کہی ہے نوح نے بہتر سے بہتر وہ غزل جو کہا ہے شعر وہ اچھے سے اچھا نوح نے
اس بہارِ جاوداں کو کچھ نہیں خوفِ خزاں گل کھلائے صفحۂ کاغذ پہ کیا کیا نوح نے
کہتے ہیں سب جلوۂ نورِ مضامیں دیکھ کر کر دیا ہے نام روشن شاعری کا نوح نے

داغ نے خوش ہو کے لکھا سال یہ ترتیب کا
آپ مضموں کا بہایا آج دریا نوح نے
۱۳۲۳ھ

اس کو دیکھ کر لوگ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ قطعہ نہیں بلکہ اُس خصوصیت کا روشن آئینہ ہے جو حضرت داغ کو نوح صاحب سے تھی ایک ایک لفظ ایک ایک مصرعہ ایک ایک شعر سے استادانہ شفقت ٹپک رہی ہے اور خاص توجہ اور خاص خیال کا اظہار ہو رہا ہے انھیں باتوں کو یاد کر کے صاحب کمال ہونے پر بھی نوح صاحب اب تک رو تے ہیں اور ہمیشہ روئیں گے نہ اب حضرتِ داغ مکرر پیدا ہوں گے نہ یہ باتیں مکرر نصیب ہوں گی۔

نوح صاحب کی دوسری واپسی

جب قیام کو بہت دن ہو گئے تو نوح صاحب کی والدہ نے ان کی طلبی میں خطوط بھیجنے شروع کئے اگرچہ حضرتِ داغ کی پر لطف حضوری ایسی نہ تھی جس کی قدر یہ نہ کرتے لیکن مجبور ہو کر انھوں نے استاد سے اجازت چاہی کئی بار کہنے سننے سے بمشکل اس شرط پر راضی ہوئے کہ جلد واپس آنا مگر اس اجازت کو بھی کئی ہفتے گذر گئے نہ یہ آنا چاہتے تھے نہ اُنھیں ان کا آنا منظور تھا آخر کار جب یہ یقین ہو گیا کہ ان کے اعزا اور بالخصوص ان کی والدہ سخت متردد اور پریشان ہیں تو روانگی سے دو روز پہلے تصویروں کا ایک گروپ سید رضی الدین صاحب کیفی کے اہتمام سے کھنچوایا گیا اس گروپ میں وہ لوگ سب موجود ہیں جن کا قیام وہاں تھا نوح صاحب کو حضرت داغ نے اپنے قریب جگہ دی ہے یہ تصویر نوح صاحب کے کمرے میں آج تک آویزاں ہے اور رخصتی کے وقت ایک سونے کی انگوٹھی اور ایک گھڑی اور ایک جوڑا نہایت عمدہ کپڑا مع اپنی ایک تحریری سند کے منشی امین الدین صاحب سے لکھوا کر

اپنے دست خاص سے مرحمت فرمائی اور بہت کچھ دعائیں دیں اور بازو پر خود انھوں نے اور نواب ابوالمعظم مرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی مدظلہ کی بیگم صاحبہ نے روپئے باندھے اور پھاٹک تک خود استاد اور ریلوے اسٹیشن تک بہت سے احباب پہنچانے آئے روانگی کے وقت یہ کب خیال تھا کہ اب استاد سے دوبارہ ملاقات نہ ہوگی اور آیندہ کے ارمان سب خاک میں مل جائیں گے اور یہ صحبتیں ہمیشہ کے لئے خواب وخیال ہو جائیں گی۔

اگرچہ اس سند کی نقل پہلے دیوان کے پہلے صفحہ پر شایع ہو چکی ہے لیکن تسلسل واقعات کے خیال سے یہاں بھی درج کرنا نامناسب نہ ہوگا

سند تلمیذ حضرت داغ

مہر بخط طغرا

فصیح الملک بہادر داغ دہلوی

اس وقت میرے اُن شاگردوں کی تعداد جن کے نام رجسٹر میں درج ہیں تخمیناً ایک ہزار سے زیادہ ہے لیکن اُن لوگوں میں کم لوگ ایسے ہیں جو اپنی جگہ اچھا کہتے ہیں اور جن کے کلام کو میں پسند کرتا ہوں عزیزی منشی محمد نوح صاحب تخلص نوح سلمہٗ مجھ سے سات آٹھ برس سے اصلاح لیتے ہیں مگر اتنے ہی دنوں میں انھوں نے ایسی ترقی کی کہ میرے کلام میں اپنا کلام ملا دیا میں ان کو اپنے شاگردوں میں اچھا سمجھتا ہوں اور مثل اپنے خاص عزیزوں کے جانتا ہوں خدا ان کی عمر میں برکت اور اقبال میں ترقی عطا کرے اِن کے کلام کی وقعت عین میرے کلام کی وقعت اور ان کی عزت عین میری عزت ہے میرے شاگرد اس بات کا لحاظ رکھیں اور وہ میرے احباب جو میرے کلام کو پسند فرماتے ہیں اِن کے کلام کو بھی اُسی نگاہ سے دیکھیں جس نگاہ سے میرے کلام کو دیکھتے ہیں یہی میرے دو چار شاگرد ہیں جو میرے نام کو میرے بعد دنیا میں نہایت آبرو کے ساتھ قائم رکھیں گے فقط المرقوم ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۴ء دستخط فصیح الملک داغ دہلوی۔

حضرت داغ کا انتقال اور نوح صاحب کا غم

ابھی نوح صاحب کو اپنے وطن آئے ہوئے بہت دن نہ ہوئے تھے کہ دفعتاً نواب ابوالمعظم مرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی کا تار اس مضمون کا پہنچا کہ حضرت داغ کا انتقال ہوگیا یوں تو مرنے کے لئے سب ایک دن مریں گے مگر یہ موت معمولی شخص کی موت نہ تھی دہلی کی شاعری کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا اس خبر نے نوح صاحب کے ہوش وحواس کھو دیئے یہ دیوانہ وار پھرتے تھے اور در و دیوار پر سر پٹکتے تھے اور گذرے ہوئے واقعات یاد کر کے روتے تھے بہت دنوں تک ان کا یہی حال رہا آخر کار جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا طبیعت سنبھلتی گئی مگر شعر وشاعری سے دل اچاٹ ہوگیا تھا کوئی ذکر بھی کرتا تو سنا گوارا نہ کرتے تھے کوئی فرمائش بھی ہوتی یا اصرار بھی کیا جاتا تو یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ اب شعر کہنا بے کار ہے نہ استاد ہیں نہ وہ اصلاحوں کا لطف ہے شعر کہوں تو خاک کہوں کون دیکھے گا کون اصلاح دے گا یہ تو یہ کہہ رہے تھے مگر قدرت کہتی تھی کہ شاعری دنیا میں ابھی تجھ سے بہت سے کام لینے ہیں ایک عالم تیرے چشمۂ فیض سے سیراب ہوگا چاروں طرف تیری شہرت ہوگی تیرا کلام خود تیرے استاد کا کلام ہو کر چمکے گا تجھ کو اہل کمال اپنے سر آنکھوں پر بٹھائیں گے مشاعروں میں تیری صدارت کے لئے کرسیاں خالی ہوں گی۔

ظہیر صاحب و نوح صاحب و سند حضرت ظہیر

قریب ترین زمانے میں جب جوشِ غم کسی طرح نہ رُکا تو نوح صاحب نے بے اختیار ہو کر سب سے پہلے اپنے استاد کا مرثیہ ترجیع بند میں لکھا اور انتقال کی کئی تاریخیں بھی کہیں جو دیوان دوم طوفان نوح میں درج ہیں اس کے بعد پھر خاموش ہو گئے رفتہ رفتہ اس خاموشی کی خبر جناب ظہیر دہلوی کو معلوم ہوئی انھوں نے متعدد شفقت آمیز خطوط لکھے اور شعر کہنے کی تاکید فرمائی اُن کا ارشاد معمولی شخص کا حکم نہ تھا لہٰذا اُن کے کہنے سے انھوں نے پھر شعر کہنا شروع کیا اور دس بیس غزلیں لکھ کر انھیں کو دکھائیں ایک اصلاح مجھ کو یاد ہے نوح صاحب نے لکھا تھا

میں عشق میں زچ ہوں صفتِ بازیِ شطرنج
چلنے کے لئے چال کوئی گھر نہیں ملتا

اس شعر میں بازی کی جگہ جناب ظہیر دہلوی نے صرف مہرہ بنا دیا فی الحقیقت استادی اسی کا نام ہے ایک لفظ کی ترمیم سے شعر کہاں سے کہاں پہنچ گیا جب تک یہ اصلاحی لفظ نہ بنایا جائے کسی کی نظر میں اپنی جگہ نوح صاحب کا شعر بھی ہر اعتبار سے قابل وقعت معلوم ہوتا ہے بعد صلاح کے اس کو یوں پڑھنا چاہئے۔

میں عشق میں زچ ہوں صفتِ مہرۂ شطرنج
چلنے کے لئے چال کوئی گھر نہیں ملتا

لیکن خدا جانے کس سبب سے یہ شعر دیوان میں نہیں رکھا گیا کچھ دنوں تک ظہیر صاحب نے بھی ان کی آزمائش کی اور آخر میں انھوں نے بھی ان کو سند عطا فرمائی جس کی نقل درج ذیل ہے۔

سخن گفتن دیگر جان سُفتن است
نہ ہر کس سزائے سخن گفتن است

میرے برادر معظم حضرت داغ مرحوم کے شاگردوں کی تعداد ہندوستان میں جس قدر ہے وہ تو اظہر من الشمس ہے اور ماشاء اللہ اس میں اکثر خوش گو اور بذلہ سنج ہیں مگر میرے خیال میں مولوی محمد نوح صاحب نوح ناروی کا مذاقِ سخن جس قدر بھائی صاحب مرحوم کے کلام سے ملتا ہے اور کسی کا نہیں زبان کی صفائی محاوروں کی ان کے موقع سے نشست ادا بندیوں کی خوبی اور وہ خاص رنگ جو بھائی صاحب مرحوم کی قادر الکلامی کا پورا نمونہ تھا سب نوح صاحب میں پایا جاتا ہے اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ خداوند کریم ان کی عمر میں برکت اور کلام میں اثر بخشے فقط۔

افسوس ہے کہ یہ سند گم ہو گئی مگر اس کی تائید میں سید اشتیاق حسین سلمہٗ جو ظہیر صاحب کے نواسے ہیں اور مولانا نادر علی صاحب برتر غازی پوری شاگرد رشید ظہیر دہلوی خدا کے فضل سے ابھی زندہ ہیں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ دو تین سال کے بعد وہ رحلت فرما گئے اور اب ان کو صرف اپنے بل بوتے پر کھڑا ہونا پڑا۔

نوح صاحب کی شہرت ان کے استاد ہی کی زندگی میں بہت کچھ ہو چکی تھی اور اُن کے انتقال کے بعد تو یہ اور چمکنے لگے سیدھے سادے اشعار روزمرہ بول چال سہل ممتنع کے پسند کرنے والے خاص نگاہوں سے ان کے کلام کو دیکھتے تھے اور ان کی زبان سے غزلیں سن سن کر یہ کہتے تھے کہ ہر شاگرد کو اپنے

استاد کی تقلید اتنی ہی کرنی چاہیئے فی الحقیقت نوح صاحب اپنے استاد حضرت داغ کی جیتی جاگتی تصویر ہیں

اس زمانے میں پیام یار لکھنؤ کے علاوہ مختلف مقامات سے متعدد گل دستے ماہ وار طرحی غزلوں میں نکلتے تھے بالالتزام سب کا نام کسی کو یاد نہیں رہ سکتا لیکن دیوانوں کے دیکھنے سے جہاں تک معلوم ہوتا ہے علاوہ اخباروں اور وقتی گل دستوں کے اِن گل دستوں میں ان کا کلام برابر شایع ہوتا تھا۔ ریاض خلیل مارہرہ اصلاح سخن لاہور۔ معیار الانشاء حیدرآباد دکن۔ محبوب الکلام حیدرآباد دکن۔ بہار سخن نارہ۔ صحن چمن نگینہ۔ کمال دہلی خدنگ نظر لکھنؤ۔ نہال سخن بانس بریلی۔ زبان اُردو شاہ جہاں پور۔ ارمغاں شاہ جہاں پور۔ مرصع آگرہ۔ ترقیِ سخن بمبئی۔ جلوۂ یار میرٹھ۔ البدر دھولیہ افتخار جاورہ۔ خیال ہاپور۔ بزم سخن ندرہ۔ غنچہ جاوید بمبئی۔ معیار لکھنؤ۔ سخن سنج لکھنؤ۔ تاج لاہور۔ خورشید میرٹھ وغیرہ اور اب تو ہندوستان کا کوئی ایسا مشہور رسالہ نہیں ہے جس میں ان کی نظمیں خواہ غزلیں درج ہوتی ہوں اگر یہ کبھی نہیں بھیجتے تو مدیر صاحبان خود اصرار کرکے منگواتے ہیں اور بڑے فخر کے ساتھ شایع کرتے ہیں رسالۂ رہنمائے تعلیم جو لاہور اور ماسٹر جگت سنگھ صاحب کے اہتمام سے ماہ وار نکلتا ہے اور ایک قدیم اور موقر رسالہ ہے اِس نے اپنی عزت افزائی کے خیال سے ان کو اپنا سرپرست قرار دے کر ۲۵ سالہ جوبلی نمبر ایسا نکالا کہ جس کی نظیر میں کوئی رسالہ نہیں پیش کیا جا سکتا۔

اسی طرح یہ دور دراز مختلف مقامات کے بڑے بڑے مشاعروں میں بھی کئی کئی بار شریک ہوئے اور شریک ہو کر صرف دادِ سخن ہی نہیں حاصل کی بلکہ بیشتر مشاعروں کی صدارت بھی فرمائی مفصل حال ہر جگہ کا قریب قریب ہر غزل کی ابتدا میں درج کر دیا گیا ہے ان سب میں سے صرف چند معرکۃ الآرا مشاعروں کے نام درج ذیل ہیں اس سے بخوبی ان کے احترام و وقار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حیدرآباد دکن۔ احمد آباد گجرات۔ سلطان پور۔ ہاپور۔ لشکر گوالیار۔ بدایوں۔ دہلی۔ سندیلہ ضلع ہردوئی۔ گیا۔ فتح پور۔ الہ آباد۔ میرٹھ۔ مین پوری۔ شاہ جہاں پور۔ پٹنہ۔ کان پور۔ بھوساول۔ لکھنؤ۔ گلاوٹھی۔ علی گڑھ۔ آرہ۔ غازی آباد۔ مظفر نگر۔ مظفر پور۔ فیض آباد۔ ڈبائی ضلع بلند شہر۔ بدایوں۔ سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ۔ بمبئی۔ مچھلی شہر۔ جون پور۔ دہلی بھدری۔ سکندر آباد۔ کلکتہ۔ لایل پور۔ سہارن پور۔ ہردوئی۔ پیلی بھیت۔ گورکھ پور۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب کچھ دنوں سے بوجہ علالت کے اس کثرت سے کہیں نہیں آتے جاتے مگر تاہم احباب کے اصرار سے چلے بھی جاتے ہیں صرف الہ آباد کے معمولی مشاعروں سے احتراز ہے لیکن اِس کے یہ معنی نہیں کہ شریک ہی نہ ہوتے ہوں جب کوئی اچھا مشاعرہ ہوتا ہے اور باہر کے اچھے اچھے کہنے والے آ جاتے ہیں تو کوئی عذر نہیں کرتے۔

یہ رات دن کا تجربہ ہے کہ ہر مہتمم مشاعرہ اپنے مشاعرے کو اہمیت دینے کے لئے عام اس سے کہ بڑی بڑی ہستیاں شریک ہوں یا نہ ہوں اپنے پوسٹل اور اشتہارات میں ان کا نام درج کر دیتا ہے چنانچہ اِس وقت ہندوستان میں کوئی ایسا بڑا مشاعرہ نہیں ہوتا جس میں اِن کا نام خصوصیت سے نہ لکھا جاتا ہو اور اصرار کے ساتھ یہ نہ بلائے جاتے ہوں۔

مین پوری کے بہت سے معزز اور مقتدر مقامی قدردانِ سخن حضرات نے معیار الشعرا کے نام سے ایک انجمن قائم کر رکھی تھی اور قریب قریب ہر سال ایک مشاعرہ بڑے پیمانے پر نہایت حوصلے کے ساتھ کرتے

تھے اس میں نوح صاحب اکثر شریک ہوئے چنانچہ ۲۰ اپریل ۱۹۱۸ء کے جنرل مشاعرہ میں جس کی طرح "اب جنوں مالک ہوا ہے خانۂ زنجیر کا" مقرر تھی حاجی عطا محمد صاحب عطا بدایونی کو ممتاز الشعرا، اور منشی رام دیال صاحب بیدل کو توقیر الشعرا، اور بیدم شاہ صاحب وارثی کو سراج الشعرا، اور انھیں تاج الشعرا کا خطاب انجمن کی طرف سے دیا گیا حضرت داغ کے فرمانے سے پہلے ناخدائے سخن ہو چکے تھے اب یہ تاج الشعرا بھی ہو گئے اس کی مبارکباد رسالہ خیال میرٹھ میں بڑی دھوم دھام سے ایڈیٹر صاحب نے سرورق پر شایع کی اس مشاعرے میں کون کون صاحب شریک تھے اس کا پتہ غزل کے عنوان سے معلوم ہوسکتا ہے۔

مخالفت

جناب سید حامد حسین صاحب حامد سجادہ نشین درگاہ حضرت سید شاہ ارزاں صاحب رح بانکی پور پٹنہ میں اکثر مشاعرے نہایت ذوق شوق سے کرتے ہیں قرب وجوار آرہ، گیا، عماد پور، چھپرہ، داناپور وغیرہ کے ممتاز شعرا کے علاوہ حضرات دہلی و لکھنؤ کو بھی دعوت دی جاتی ہے سب سے پہلی بار ۱۰ اپریل ۱۹۲۰ء کو جس میں طرح "دم بخود ہیں اضطراب دل کا عالم دیکھ کر" نوح صاحب مع اپنے شاگرد رشید منشی اولاد حسین صاحب توبہ سید سرالوانی کے شریک مشاعرہ ہوئے اس میں سید عباس حسن صاحب فصاحت لکھنوی مرزا واجد حسین صاحب یاس عظیم آبادی. صفدر مرزاپوری منشی میکولال صاحب عشرت لکھنوی وغیرہ نے بھی شرکت فرمائی تھی اور شعرا نے مختلف قوافی میں شعر کہے تھے اور اچھے اچھے شعر نکالے تھے لیکن انھوں نے صرف ایک قافیہ یعنی (ہم) میں غزل کہی تھی جس وقت یہ غزل پڑھی گئی مشاعرہ تہ و بالا ہوگیا کوئی شعر ایسا نہ تھا جو کئی کئی بار نہ پڑھوایا گیا ہو اخیر میں سب نے بالاتفاق یہی رائے قائم کی کہ مشاعرہ نوح صاحب کے ہاتھ رہا یاس صاحب تو اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اخبار میں ان کی تعریف میں ایک مضمون لکھ کر چھپوا دیا اس کو بھی بہت زمانہ گذرا تھا کہ ۹ نومبر ۱۹۲۰ء کو جناب سید امیر حسن صاحب بدر آروی نے اس طرح پر (سر جھکا ہو پائے قاتل پر کھنچی تلوار ہو) ایک بزم سخن بڑے پیمانے پر منعقد کی اور بڑے بڑے شعرا کو طلبی میں مختلف مقامات پر خطوط لکھے انھوں نے ابھی شرکت کا قصد نہ کیا تھا کہ چند مخالفوں نے مل کر جن کو بانکی پور پٹنہ کے مشاعرے میں ان کے اشعار پر زیادہ داد ملنے سے بے وجہ خصومت ہوگئی تھی گمنام ایک خط اس مضمون کا ان کے پاس ڈاک پر بھیجا کہ اس بار تو ایک قافیے پر آپ نے غزل کہی تھی اب اس بار دیکھئے کیا جدت آپ دکھاتے ہیں ہم لوگوں نے اس بار ایک ہی قوافی میں طرحی غزلیں کہی ہیں جنھیں مشاعرے میں خاص طور سے آپ کے سنانے کو پڑھیں گے پہلے تو انھیں اپنی شرکت میں احتمال تھا لیکن بانیِ مشاعرہ کے اصرار اور اس خط کے مضمون کو دیکھ کر یہ شرکت کے لئے آمادہ ہو گئے چنانچہ یہ شریک مشاعرہ ہوئے چند صاحبوں نے ایک قافیے میں اپنی اپنی غزلیں سنائیں جب ان کے پڑھنے کا وقت آیا تو انھوں نے خط کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا کہ میں نے اس التزام سے دو غزلیں کہی ہیں کہ ایک غزل میں قطعی عطف و اضافت نہیں اور دوسری غزل کے ہر شعر میں عطف بھی اور اضافت بھی ہے اور یہ کہہ کر اپنی دونوں غزلوں کے

اشعار پڑھے لوگوں کی آنکھیں کھُل گئیں اور اِن کی قادرالکلامی پر حاضرین نے بے حد داد دی جب حریفوں کا یہ وار خالی گیا تو وہ اپنی اپنی جگہ بہت شرمندہ ہوئے اِس مشاعرے کے کچھ دن گذر جانے پر پھر جناب سید شاہ حامد حسین صاحب کے ہاں پٹنے میں مشاعرہ ہوا اور یہ پھر بُلائے گئے اِس بار اِسی مخالف جماعت نے آپس میں یہ اقرار کیا اور صرف زبانی ہی اقرار نہ تھا بلکہ قسم بھی کھائی کہ جب نوحؔ صاحب اپنی غزل پڑھیں ہم لوگوں میں سے کوئی داد نہ دے بلکہ حتی الوسع اور لوگ بھی داد نہ دینے پائیں چنانچہ جب یہ غزل پڑھنے کو بیٹھے تو اُن لوگوں نے اپنے عہد وقول نباہنے کی بہت کچھ کوشش کی مگر اچھا شعر پھر بھی اچھا ہے تین شعروں تک تو ان کی خاموشی رہی چوتھے شعر پر تو یہ ٹوٹ گئی اور سب لوگوں کے ساتھ وہ لوگ بھی بے اختیار ہو کر داد دینے لگے مشاعرے کے ختم ہونے پر آپس میں ایک دوسرے کو یہ کہہ کہہ کر الزام دیتا تھا کہ تم نے کیوں تعریف کی انصاف پسند حضرات نے اِس زبردستی کی روک تھام کے واقعہ کو سن کر کہا کہ بہترین اشعار مجبور کر کے داد لے لیتے ہیں اِس میں کسی کا بس نہیں جناب نصیر صاحب عظیم آبادی اِس شعر پر سرِ محفل رونے لگے تھے۔

اے دستِ شوق دامنِ محبوب تھام لے ٹوٹے گا سلسلہ نہ سوال و جواب کا

لوگ اُن کے بھی دامن گیر ہوئے مگر انھوں نے کہا کہ آپ لوگ خوش ہوں یا ناخوش ہوں مجھ سے تو اچھے شعر پر نہیں رہا جاتا اگر آپ لوگوں کو اپنی اپنی سخن آرائی پر دعوےٰ ہے تو ایسا شعر کہہ کر سنائیے اِس کا جواب کیا تھا سب خاموش ہو کر رہ گئے اسی طرح ایک بار اور ایک صاحب کو اِن کے بعد بالقصد غزل پڑھنے کے لئے بٹھایا اور انھیں یاروں نے اطمینان دلایا کہ آپ کے اشعار پر ہم لوگ بہت چیخیں چلائیں گے لیکن اُنھیں بھی ناکامی ہوئی اور ان کے مقابلے میں وہ باوجود گروہ بندی کے بھی داد نہ حاصل کر سکے۔

لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی سے دنیائے شاعری ناواقف نہیں اُن کے لئے کسی مزید تعارف کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی وہ بیشتر متعدد رسالوں میں ان کا کلام دیکھتے تھے اور اِن کی ایک غزل کی تعریف سن کر جس کو انھوں نے ۱۴ر نومبر ۱۹۱۴ء کے میور کالج الہ آباد کے مشاعرے میں پڑھا تھا بے حد مشتاق تھے ایک روز مولوی سید محمد فاخر صاحب عرف راشد میاں تخلص تپ خود الہ آبادی سے دریافت کیا کہ نوحؔ صاحب سے کیا آپ واقف ہیں یہ کون صاحب ہیں انھوں نے کہا کہ وہ تو آپ کے دوست مولوی عبدالمجید صاحب سب جج کے نیبٹے ہیں تعجب ہے کہ آپ اُنھیں نہیں جانتے مجھ سے اُن سے ملاقات ہے وہ بیشتر الہ آباد آتے رہتے ہیں اس بار آئیں گے تو میں اُنھیں آپ کی خدمت میں لاؤں گا چنانچہ وہ انھیں لے کر ایک موقع پر اُن کے پاس گئے دونوں کو آپس میں ایک دوسرے کا اشتیاق تھا بڑی دیر تک شعر خوانیاں ہوتی رہیں اُس دن سے ان کا معمول ہو گیا کہ جب تک یہ الہ آباد میں مقیم رہتے روزانہ اُن سے ملتے چار پانچ ملاقاتوں کے بعد اِس قدر بے تکلفی بڑھی کہ انھیں کے دولت خانہ یعنی عشرت منزل میں مستقل طور سے رہنے لگے حالاں کہ ان دنوں مولوی شفیع الزماں صاحب وکیل ہائی کورٹ کا قیام جو ان کے بزرگ خاص تھے بسلسلہ وکالت ہائی کورٹ الہ آباد ہی میں تھا مگر شاعرانہ تفریح کے خیال سے اِن کے ہاں ٹھہرنے پر اُن کے ہاں ٹھہرنے کو ترجیح دی اب کیا تھا رات دن

لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی بعد تاج ا شعرا سحن ناخدائے سخن جناب نوح ناروی

تبادلۂ خیالات اور شاعرانہ بحث کا بخوبی موقع ملنے لگا وہ بھی پنشن لے چکے تھے یہ بھی فارغ البال تھے نہ انھیں کوئی خاص کام تھا نہ اُنھیں کوئی خاص فکر تھی اگر کبھی اتفاق سے الہ آباد پہنچنے میں زیادہ تاخیر ہوتی تو وہ طلبی میں خطوط لکھنے شروع کر دیتے اور جب تک یہ نہ پہنچ لیتے برابر خطوں کا سلسلہ جاری رہتا میرے خیال میں ان کے خطوط کا مجموعہ جس قدر ان کے پاس تھا اور کسی کے پاس نہ رہا ہوگا لیکن ان سے اُن کے صاحب زادہ جناب سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر نے یہ کہہ کر لے لیا کہ چھپواؤں گا مگر اِس وقت تک نہ شایع ہوے نہ اِنھیں واپس ملے اور وہ انتقال بھی کر گئے۔

الہ آباد کے مقامی مشاعروں میں بہت دنوں سے انھوں نے آنا جانا بند کر دیا تھا اگر کوئی بہت زیادہ اصرار کرتا تھا تو وہ اِنھیں بھیج دیتے تھے ان کے غزل پڑھنے پر اور بہت زیادہ داد ملنے سے اکثر لوگوں کا خیال ہوتا تھا کہ نوح صاحب کے حضرت اکبر سے بڑے مراسم ہیں لہٰذا وہ غزل کہہ کر اِنھیں دے دیتے ہیں اور یہ اپنے نام سے پڑھتے ہیں چنانچہ کئی حضرات نے خاص خاص موقعوں پر ان سے دریافت بھی کیا انھوں نے پوچھنے والوں سے اِن کی تعریف کرتے ہوئے ہر بار یہی فرمایا کہ وہ اپنی کہی ہوئی غزل پڑھتے ہیں اُن کے استاد حضرت داغ نے انھیں اِس قدر تیار کر دیا ہے کہ وہ اب دوسروں کی امداد کے محتاج نہیں جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ میں اُنھیں شعر کہہ دیتا ہوں وہ غلطی پر ہیں مگر اس فرمانے پر بھی اِن کے متعلق اُن کی زندگی تک احباب کو برابر یہی بدگمانی رہی۔

کلیات اکبر حصہ اول و دوم وسوم کے تدوین و انتخاب میں انھوں نے نمایاں حصہ لیا بلکہ جن اشعار کے داخلہ وخارجہ میں کوئی بحث پیش آئی تو ان کی رائے کو وہ ہمیشہ مان کر احترام کرتے رہے چنانچہ حصہ دوم کے پہلے ایڈیشن میں عنوان پر وہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ اس حصّے کے انتخاب میں مولوی محمد نوح صاحب نوح تلمیذ حضرت داغ نے جن کا ذوقِ شاعری شعرا کے لئے بہت قابلِ مسرت ہے۔ اپنا وقت صرف کیا مصنف اِن کا ممنون ہے۔ اِسی طرح سفینۂ نوح دیوان اوّل وطوفان نوح دیوان دوم کی تقریظ میں بھی ان کے قلم سے بے اختیار چند فقرے ایسے نکل گئے ہیں جن کا ذیل میں درج کرنا ناموزوں نہ ہوگا۔

جنابِ داغ مرحوم کے شاگردوں میں حضرتِ نوح بہت ممتاز ہیں حسن زبان اور صفائی بندش میں اِن کا درجہ بلند ہے بہت سے لطیف اور معنی خیز اشعار اِن کی زبان سے میں نے سنے ہیں بڑی خوبی یہ ہے کہ اِن کو تحقیق زبان کا بہت شوق ہے اور اِن کی شاعری علمی مذاق کے ساتھ ہے

فصیح العصر

ایک روز نوح صاحب کے زمانۂ قیام الہ آباد میں پبلک کی طرف سے حضرتِ اکبر کو لسان العصر کے خطاب ملنے پر جناب شاہ محمد بشیر صاحب بشیر و سید محمد فاخر صاحب فاخر الہ آبادی اور میر وارث حسین صاحب جو جناب اکبر کے بہنوئی رشتے میں تھے اظہار مسرت کے لئے جمع ہوئے انھوں نے سب لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ دنیا نے تو مجھے لسان العصر کا خطاب دیا اور میں نوح صاحب کو باعتبار اِن کی شاعری کے فصیح العصر کا خطاب دیتا ہوں لہٰذا مجھے

مبارک باد دیتے ہوئے آپ لوگ انھیں بھی مبارک باد دیں چنانچہ سب موجودہ صاحبوں نے انھیں بھی مبارک باد دی اور انھوں نے بھی سب کا شکریہ ادا کیا۔

جانشینی

شاعر نہ کسی درگاہ یا خانقاہ کے متولی نہ کسی ریاست کے مالک ہوتے ہیں ان کا جانشین ہونا کیسا اور جانشینی کیسی لیکن اس زمانے میں دیکھا جاتا ہے کہ جہاں کسی مشہور شاعر نے انتقال کیا فوراً ہی اُس کے جانشین کوئی نہ کوئی صاحب بن گئے یہ وبا شاعرانہ طبقے میں جناب جلیل مانک پوری کے سبب سے پھیلی مصلحت وقت کے لحاظ سے بالخصوص اس خیال میں کہ دربار حضور نظام تک پہنچے ہیں اس اعزاز کے سبب سے اُنھیں آسانیاں ہوں شاگردانِ حضرت امیر مینائی لکھنوی رح نے جانشین بنا دیا حالاں کہ اُن کے شاگردوں میں چند اور بھی ایسی ہستیاں موجود تھیں جن کو خود بھی جانشینی کا دعوےٰ ہو سکتا تھا مگر اِن حضرات نے خاموشی اختیار کی اور یہ بغیر کسی اختلاف کے آسانی سے جانشین ہو گئے چنانچہ جب حضرت داغ دہلوی کا انتقال ہوا تو ان کے شاگردوں میں بھی بہت سے لوگ جانشینی کے مدعی بن بیٹھے کسی کے سر پر مجمع میں دستار باندھی گئی کسی صاحب نے سند جانشینی پر بہت سی دستخطیں اپنے زیر اثر احباب سے بنوائیں کسی نے کچھ کسی نے کچھ کارروائی اِس اعزاز کے حاصل کرنے میں کی مگر نوح صاحب اپنی جگہ خاموش اِس جنگ زرگری کا تماشا اِس لئے بے غوری سے دیکھ رہے تھے کہ نہ انھیں اِس کا خیال تھا نہ اِس کی تمنا تھی جب کبھی ذکر آتا تو کہہ دیتے کہ میں اس کو شروع ہی سے لغو جانتا ہوں دنیا میں کوئی کسی کے بنانے سے کسی کا جانشین بن نہیں سکتا اگر شاگرد کا کلام اِس قابل ہے تو بغیر بنائے ہوئے لوگ اُسے اُس کے استاد کا جانشین سمجھنے لگیں گے مگر اِس پر بھی اِن کی جان نہ بچی اور اِنھیں زبردستی نہیں نہیں کرنے پر بھی جانشین بنایا گیا اِس موقع پر بھی خاص اصرار ہے کہ اس کی تفصیل نہ کی جائے تاہم اِس کا لکھنا میرے خیال میں اس لئے بہت ضروری ہے کہ ہوتے ہوتے خواہ کچھ بھی ہو جانشینی بھی ایک خاص چیز ہو گئی ہے علاوہ اس کے جب سب واقعات لکھے جاتے ہیں تو یہ واقعہ جو اہم ترین ہے کیوں نہ لکھا جائے غرض اس تحریک کی ابتدا یوں ہوئی اور سب سے پہلے اخبار آفتاب لاہور مورخہ ۸ راگست ۱۹۱۹ء میں ذیل کا مضمون شایع ہوا۔

مسئلہ جانشینی حضرت داغ مرحوم

یہ بحث مدت سے مختلف رسالوں اور اخباروں میں چھڑ رہی ہے لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں جانشینی کا انتخاب اس لئے اور بھی زیادہ مشکل ہو گیا ہے کہ داغ مرحوم کے دریائے فیض سے سیراب ہونے والی کوئی مخصوص ہستی نہیں جس کو نظر انتخاب آسانی سے منتخب کرے بلکہ اس دریائے ناپیدا کنار کی موجیں قریب قریب ہندوستان کے ہر حصے اور ہر گوشے میں پہنچی ہیں اور ہر جگہ ایک نہ ایک ایسا نمونہ موجود ہے جس سے داغ مرحوم کی استادی کا ثبوت ملتا ہے جس طرح اردو زبان اپنے اصلی مرکز دہلی سے نمودار ہو کر رفتہ رفتہ عالم گیر ہوئی اسی طرح اس رطب اللسان معجز بیان اردو کے مستند استاد کی شیریں زبان سے بھی تمام دنیا لذت آشنا ہو گئی چنانچہ داغ مرحوم کے اکثر خوش گو شاگرد ایسے ہیں جو باعتبار کمالِ فن تمام ہندوستان کے لئے مایۂ ناز ہیں گو انداز سخن سب کا جدا جدا ہے لیکن سب اپنے

استاد کے متبع اور قدم بقدم ہیں میزان انتخاب میں سب کا پلہ برابر نظر آتا ہے اگر ایک کے کلام میں ادا بندی اور زبان کا لوچ ہے تو دوسرے کے کلام میں سادگی اور نزاکت مزا دے رہی ہے ایک فصاحت پر حاوی ہے تو دوسرا بلاغت پر غرض ایک کو دوسرے پر ترجیح آسان کام نہیں یہ تو چمنستانِ داغ کے وہ مختلف پھول ہیں جو اپنے نظر فریب رنگوں اور دل آویز خوشبوؤں کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہی ہیں اب عوام الناس سے تو یہ مرحلہ طے نہیں ہو سکتا البتہ ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جس کا فیصلہ عوام و خواص سب کے نزدیک مسلم ہو چنانچہ ہم نے عالی جناب نواب مرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی کی خدمت میں متعدد خطوط اِس مضمون کے روانہ کئے کہ آپ اِس جانشینی کے قضّے کو مٹائیں اور اپنا فرض منصبی ادا کریں اخلاف کے نزدیک آپ کا سایہ حضرت داغ کا سایہ ہے باعتبار کمالِ فن جو خصوصیت اور امتیاز آپ کو حاصل ہے اس سے کوئی منکر نہیں ہو سکتا دہلی تو آپ کا وطن ہے وہاں آپ کا جس قدر اثر ہو کم ہے لیکن ہندوستان کا کوئی حصّہ بھی ایسا نہیں جہاں آپ کی خوش گوئی اور ہمہ دانی کا کلمہ بھرنے والے نہ پائے جاتے ہوں داغ مرحوم کے دل میں بھی آپ کی قدر و منزلت بدرجۂ اتم گھر کئے ہوئے تھی علاوہ دیگر تعلقات کے آپ کو داغ مرحوم کے تمام شاگرد آپ کو انھیں نگاہوں سے دیکھتے ہیں جن سے داغ مرحوم کو دیکھا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ آپ اُن کی طرف نہیں دیکھتے اور جس اعزاز کے وہ مستحق ہیں اُس سے اُن کو کیوں محروم رکھا جاتا ہے کیا مندرجہ ذیل حضرات جانشینی کے مستحق اور اہل نہیں۔

نواب عزیز یار جنگ عزیز حیدرآبادی۔ جناب نوح ناروی۔ جناب احسن مارہروی۔ جناب دلگیر مارہروی۔ جناب آب دہلوی (ایڈیٹر ہمدم)۔ جناب وجاہت جھنجھانوی (ایڈیٹر آفتاب) جناب باغ سنبھلی جناب محمود رام پوری۔ جناب بےباک شاہ جہاں پوری۔ جناب عطا بدایونی۔ جناب قہر گوالیاری۔

یہی وہ خلف شاگرد ہیں جن سے امید ہوتی ہے کہ اپنے استاد مرحوم کا نام زندہ رکھیں گے آپ کی خاموشی سے اِن کی حق تلفی ہو رہی ہے یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ آپ ضرورت سے زیادہ منکسر المزاج ہیں اور آپ بادۂ عجز کے نشہ میں اپنی ہستی کو بھولے ہوئے ہیں لیکن ایسا انکسار کیا کہ دنیا کی نظر میں آپ کی طرف ہیں اور آپ مطلق توجہ نہیں فرماتے محض آپ کی خاموشی سے یہ اہم مسئلہ جس کے طے ہونے کی حد سے زیادہ ضرورت ہے معرضِ التوا میں پڑا ہوا ہے اور ان خلف شاگردوں کی جن کو داغ مرحوم اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے حق تلفی ہو رہی ہے موجودہ دور میں مندرجہ بالا حضرات کا شمار ان شعرا میں ہے جن سے ریختہ گوئی زندہ ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے کمال کی قدر نہ کی جائے اور سب کو جدا جدا جانشینی کی سندیں عطا فرما کر اعزاز نہ بخشا جائے آپ کے انتخاب سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا آپ جن شاگردوں کو جانشینی کی سند عنایت فرمائیں گے اُن کو ساری دنیا حضرت داغ کا جانشین مانے گی۔

ہم خطوط کے ذریعہ سے حضرت سائل کو اس طرف چند بار توجہ دلا چکے ہیں لیکن جواب نہیں ملا اب مجبوراً آفتاب کے ذریعہ سے یہ گذارش کرنے کی ضرورت ہوئی یا تو مندرجہ بالا حضرات کو بمصداق حق بحق دار رسید استاد جانشینی مرحمت فرمائیں یا یہ لکھ دیں کہ مندرجہ بالا حضرات جانشینی کے مستحق اور اہل نہیں۔ حمید ایڈیٹر نظارہ میرٹھ۔

پھر اس مضمون کے بعد اسی اخبار مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۱۹ء میں حضرت سائل دہلوی
کی طرف سے یہ کھلا ہوا خط شایع ہوا

عطوفت فرمائے بندہ جناب ایڈیٹر صاحب نظارہ زاد الطافہم تسلیم ۸ اگست سنِ رواں کے آفتاب میں (مسئلہ جانشینی داغ مرحوم) کی سرخی سے ایک مضمون طبع ہو کر میری نظر سے گذرا چوں کہ اس مضمون کا روئے سخن میری جانب ہے مجھے گذارش واقعی میں درنگ وتامل زیبا نہیں مسئلہ جانشینی وفات حضرت داغ مرحوم مغفور کے دو تین ماہ بعد سے چھڑا ہے اور کم وبیش اب تک مسلسل جاری ہے حقیقتاً اس میں کوئی ایسی دلچسپی مکنون ہے کہ آئندہ بھی اس کا مسئلہ ٹوٹتا نظر نہیں آتا سب سے پہلے اس کے مدعی شاعر صاحب دہلوی ہوئے ان کے بعد ریاست بھوپال میں عیش نامی اسی ریاست کے متوطن دعوی دار بنے ازاں بعد سید وحید الدین صاحب بیخود دہلوی نے اعلان فرمایا جو تھا نمبر رسا مرحوم کا ہوا پانچویں باری نسیم ھسوی کی آئی اگرچہ یہ نسبت خوش کن ضرور ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ لوگوں نے اسے قبول کس حد تک کیا۔ اس میں شک نہیں کہ فصیح الملک مرحوم اپنی یادگاریں اچھی اچھی چھوڑ گئے اور کم وبیش سب کو یہ عزت وراثتاً پہنچ سکتی ہے جن حضرات کے اسمائے گرامی آپ نے اپنی یاد سے درج مضمون کئے ہیں وہ اور اُن کے علاوہ اور چند حضرات بھی اس کے مستحق ہیں مثلاً ڈاکٹر محمد اقبال صاحب مرزا اشرف یار خاں صاحب شرف۔ ڈاکٹر مہدی حسن صاحب آلم۔ اختر صاحب نگینوی۔ ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے۔ ابو الحمید صاحب آزاد۔ قاضی شوکت حسین صاحب شوکت۔ عبد الرحمن خاں صاحب فیروز۔ بہت ممکن ہے کہ یاد کرنے سے اور نام بھی قابل تلامذہ کے یاد آئیں۔ یہ سب مرحوم کی نسبت شاگردی سے مستحق اعزاز جانشینی ہیں پھر یہ حضرات کیوں اعلانِ جانشینی بجائے خود نہیں کرتے اب آپ کا یہ ارشاد کہ میں فیصلہ اس مسئلہ کا کروں ان نسبتوں سے جو مجھے بلبل ہندوستان داغ مرحوم سے ہیں چھوٹا منھ بڑی بات ہے مجھے تو معاف ہی فرمایا جائے تو میں ممنون ہوں جانشین بننے کی قابلیت جب میں اپنی ذات میں نہیں دیکھتا تو جانشین گر کیوں کر ہو سکتا ہوں۔ اس امتحان، واقعی کو آپ یقیناً پھر میرے عجز وانکسار پر محمول فرمائیں گے لہذا میں اس مطول سے قطع نظر کر کے اس مختصر پر آپ کی عنان توجہ منعطف کرنے کو تیار ہوں کہ مندرجہ بالا حضرات اور اپنے مجوزہ اور پیش کردہ حضرات سے آپ تحریک کریں۔ جو صاحب مجھے حضرت داغ مرحوم کا عزیز جان کر میری حاضر کردہ سند جانشینی کو قبول فرمائیں گے میں اُن کو اپنی دستخطی اور مہری سند دے دوں گا اور آپ کے اس الزام بدگمانی کو اپنی جانب سے رفع کر دوں گا پھر بھی میں اپنی وضع خاص کو جو آپ کو ہمیشہ ناگوار ہوتی رہی ہے ترک نہ کروں گا یعنی یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میری جانب سے جو سند دی جائے گی وہ باعتبار وقار نسبت دامادی حضرتِ داغ ہوگی نہ باعتبار شرف سخنوری اگر شرف سخنوری مجھے حاصل ہوتا تو میں بھی یہ دل خوش کن صفتی جملہ اپنے نام سے پہلے لکھنا شروع کر دیتا اور اپنے ہوا خواہوں اور دوستوں کو اس کے لکھنے کے لئے مجبور کرتا میری نسبت آپ کا حسن ظن شرط دوستی کے لباس میں بھی خاکِ مذلت میں ملانے کی کوشش کرتا ہے معاف فرمائے گا اس درجہ کی ستائش سے میں فی الواقع کوئی تعلق نہیں رکھتا مگر عرض ہے کہ تلامذہ حضرت استادی مرحوم سے جو صاحب مجھ سے سند

یعنی پسند کریں گے ہیں ان لوگوں میں سے بسر و چشم سند دے دوں گا اور اس کی ایک ایک نقل بغرض طمانیت خاطر آپ کی خدمت میں انشاء اللہ تعالیٰ بھیج دیا کروں گا جسے آپ نظارہ یا کسی اور کثیر الاشاعت موقت الشیوع اخبار میں چھپواتے رہیں زیادہ زیادہ - اثم ابو المعظم سراج الدین احمد خاں سائل ۸؍ اگست ۱۹۱۹ء

اس تحریر کے بعد پھر سید اشتیاق حسین صاحب شوق نبیرہ راقم الدولہ حضرت ظہیر دہلوی مرحوم مغفور کا خط اسی اخبار مورخہ ۹؍ اگست ۱۹۱۹ء میں ایڈیٹر صاحب کے نام لفظ بلفظ یوں درج ہے

۱۳؍ اگست کا آفتاب جس میں فخر داغ حضرت سائل صاحب دہلوی کا لکھا ہوا خط بنام ایڈیٹر صاحب نظارہ جواباً طبع ہوا اخبار بینوں کی نظر سے گذرا - برادر محترم حضرت نوح ناروی چوں کہ دہلی میں ہی تشریف رکھتے تھے اپنی دلی عقیدت کا اظہار جو حضرت بلبل ہندوستان کی وجہ سے طوطی ہندوستان حضرت سائل سے ہے فوراً بذریعہ تحریر کر دیا اور میری وساطت سے حضرت مسبوق الذکر کی خدمت میں وہ تحریر بھیجی گئی جس کے جواب میں نہایت صاف باطنی سے جناب موصوف نے سند جانشینی حضرت نوح کو تحریری عنایت کر دی جس کی نقل بغرض طبع آپ کی خدمت میں حاضر کی جاتی ہے امید ہے کہ آپ جلد اسے طبع کر دیں کہ یہ تحریر دونام ور شعرا کی مزید نام وری کی موجب ہے اس کے علاوہ خلوص جانبین کی روشن مثال ہے کاش حق پسند حضرات اس کی پیروی کریں اور مراسم خاص اس صورت سے باہم جاری رکھیں زیادہ شوق راقم سید اشتیاق حسین شوق نبیرہ راقم الدولہ حضرت ظہیر دہلوی مرحوم مغفور تلمیذ حضرت داغ رح نقل سند جانشینی حضرت داغ جو حضرت نوح رئیس نارہ کو طوطی ہندوستان فخر داغ حضرت سائل دہلوی نے عطا کی ہے - ۱۳؍ اگست ۱۹۱۹ء

مہر

سائل

اعتقادی برادر بجان برابر منشی محمد نوح صاحب نوح تخلص رئیس نارہ ضلع الہ آباد جانشین حضرت داغ ضاعف عمرہٗ و قدرہٗ آپ کی عقیدت جو حضرت استادی جہان استاد بلبل ہندوستان ناظم یار جنگ دبیر الدولہ نواب فصیح الملک داغ دہلوی مرحوم نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ تھی اُس کی نہایت قیمتی معیار یہ ہے کہ مجھے نسبت دامادی سے آپ بجائے ان کے زبان سے فرماتے قلم سے لکھتے دل سے سمجھتے ہیں اس امر کو مد نظر رکھتے ہوئے میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے کہ میں نا اہل ہونے کے باوجود اپنی نسبت ہزار اعزاز و وقار کے قول و عمل دیکھوں سنوں اور حق خدمت سے اپنی باز رہوں آج کل کی اخباری تحریک نے میری خیالی تائید کر کے میری ایسی ہمت بڑھا دی ہے کہ میں اس تحریر کے ملاحظہ کی آپ کو تکلیف دیتا ہوں جو عرصہ سے میرے دل میں مکنون تھی بفحوائے کل امر مرہون باوقاتہ اس وقت آپ کے ملاحظہ سے گذر رہی ہے آپ کے محاسن شاعری کا معترف تو میرا ردلوار دلوا ہے لیکن قبولیت عام نے آپ کی ایسی حمایت کی ہے جس کی وجہ سے جانشین حضرت داغ آپ کو کہنے

لکھنے اور سمجھنے میں مجھے ذرا تامل نہیں میری یہ تحریر کسی کثیر الاشاعت پرچہ کے ذریعہ سے نظر عام و خاص سے گذر جانے پر میرے دوست ہوا خواہ تلانذہ متعلقین آپ کو اس خطاب سے مخاطب کرنے پر اظہار مسرت کریں گے جو باعتبار صحیح پیروی مذاق سخن حضرت بلبل ہندوستان سے آپ کی نسبت دیکھ کر میں شاد ہوتا ہوں اور آپ کو جانشین حضرت داغ سمجھتے ہوئے مبارک باد دے کر مسرور ہوں اپنا قوت بازو جان کر اپنے جامے میں نہ سمانے سے معذور ہوں امید ہے کہ آئندہ اردو زبان کی خدمت آپ اسی انہماک سے جاری رکھیں گے جو آپ کو بلبل ہندوستان کے تلمذ کی حیثیت سے بطور ورثہ ملی ہے اور اب اُردو کی روزمرہ کے الفاظ کے ترک و اضافہ میں مجھے اور اپنے دوسرے مستند استاد بھائیوں کو شریک و سہیم کرتے رہیں گے میرے شاگرد آپ کی ذات کو آج سے اپنا حقیقی اُستاد سمجھیں گے اور ہر نا سعادت مندی کی سزا اُن کے لئے آپ وہ تجویز کر سکتے ہیں جس کا بروے رواج میں مجاز ہوں۔

دستخط اثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی

اس سند کے بعد جناب منشی نارائن پرشاد صاحب مہر گوالیاری اور جناب مولوی فضل رب صاحب باغ رئیس سنبھل ضلع مراد آباد کو بھی دو اور سندیں جدا جدا مختلف تاریخوں میں عطا کی گئیں اور نوح صاحب کی طرح ان دونوں صاحبوں کو باعتبار کمال فن کے حضرت سائل دہلوی نے حضرت داغ کا صحیح جانشین تسلیم کر لیا خیال تھا کہ ان اسناد پر شاعری دنیا میں بہت کچھ لوگ موافقت اور مخالفت کریں گے لیکن موافقت تو قریب قریب سب صاحبوں نے کی مخالفت میں صرف تین مضمون ایک اخبار آفتاب لاہور مورخہ ۱۵ و ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں حامد صابر صاحب الہ آبادی کا لکھا ہوا۔ دوسرا آفتاب لاہور مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں راج بہادر صاحب دہلوی کا لکھا ہوا تیسرا مظہر لکھنؤ بابت جولائی و اگست ۱۹۲۱ء میں ایڈیٹر صاحب کا لکھا ہوا نظر سے گذرے بہت ممکن ہے اور اخباروں یا رسالوں میں کچھ اور مضامین بھی شایع ہوئے ہوں جن کا علم مجھے نہ ہوا ان سب کے جوابات بھی اسی زمانے میں مختلف اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے غیر جانب دار لوگوں نے بغیر کسی اثر کے خوب خوب دئے مگر ان باتوں پر بھی میرے خیال میں عام طور سے کوئی شخص بھی صحیح جانشین نہیں مانا گیا انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ اختلاف اُس وقت بھی تھا اور اس وقت بھی ہے لیکن اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ ان مضامین میں جو حضرتِ داغ دہلوی کے ممتاز منتخب شاگردوں کی فہرست درج ہے وہ سب کے سب ہر اعتبار سے اس قابل ہیں کہ جانشین تسلیم کئے جائیں کیوں کہ یہ لوگ خوب کہتے ہیں اور جس مشاعرے میں ان میں سے کوئی پہنچ جاتا ہے مشاعرہ اُسی کے ہاتھ رہتا ہے۔

زمانے کی رائے

زمانے میں جب کوئی مشہور ہو جاتا ہے یا اپنی شخصیت کوئی قائم کرتا ہے تو اس کے متعلق اُس طبقے میں موجودہ دور کے لوگ اپنی اپنی رائے قائم کرتے ہیں چنانچہ نوح صاحب پر بھی جو شاعری دنیا میں معاصرین نے رائے قائم کی اور مختلف ذرائع سے خیالات کا اظہار کیا گیا اُن کے شاہد بہت سے رسالے اور اکثر کتابیں ہیں طوالت کے خیال سے صرف چند اقتباس درج ذیل ہیں۔ ان سے اہل کمال خود اندازہ کر لیں گے کہ زمانے کی نگاہوں میں ان کی کس قدر وقعت ہے اور دنیا میں یہ کن نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

جلوہ داغ مرتبہ جناب احسن مارہروی مطبوعہ ۱۹۰۲ء

یہ حضرت داغ کی مکمل سوانح عمری ہے اور زمانہ قیام حیدرآباد دکن میں خود حضرت داغ سے پوچھ پوچھ کر سب حالات مولف نے لکھے ہیں اور سب واقعات لکھتے ہوئے جہاں شاگردان خاص کا ذکر آیا ہے وہاں بے شمار تعداد میں سے جن پر خاص توجہ کی نظر تھی اور جن کا کلام بیشتر اصلاح میں نظر سے گذرا تھا اُن کے متعلق یہ الفاظ ہیں۔

اعلیٰ حضرت بندگان عالی کے بعد جو تلامذہ قابل ذکر ہیں اُن کے نام با تخلص بلا امتیاز نمبر یہاں لکھے جاتے ہیں اہل دکن میں نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز مرزا مظفر حسین صاحب بارق مولوی ابوالحمید صاحب آزاد حافظ محی الدین صاحب محفوظ منشی سید عبدالصمد صاحب واصفی منشی عبدالوارث صاحب وارث۔ نواب میر حسن علی خاں صاحب امیر۔ متفرق مقامات میں منشی وحید الدین صاحب بے خود دہلوی شاہ زادہ مرزا منیر الدین صاحب ضیا۔ مولوی عبدالحئی صاحب بے خود بدایونی۔ منشی سید شبیر حسن صاحب نسیم بھرت پوری۔ مولوی حسن رضا خاں صاحب حسن بریلوی۔ منشی حیات بخش صاحب رسا۔ منشی ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر رام پوری۔ منشی احسان علی خاں صاحب احسان رام پوری۔ منشی سید امیر حسن صاحب دلگیر مارہروی۔ آغا شاعر صاحب دہلوی مرزا مجاہد الدین صاحب شاہی گورگانی۔ اقبال احمد صاحب اقبال ایم۔ اے۔ منشی امتیاز احمد صاحب وفا مارہروی۔ جناب جالب صاحب دہلوی۔ منشی سید نذیر حسن صاحب نسیم ہلسوی۔ منشی ریاض حسن صاحب خیال۔ رام چندر صاحب عیش۔ محمد امراؤ مرزا صاحب نادان برادر زادہ مولوی سید محمد اسمٰعیل صاحب ذبیح وکیل فتح گڑھ صاحب زادہ مشرف یار خاں صاحب شرف منشی یوسف حسن صاحب ملیش مارہروی۔ منشی متین الدین احمد صاحب متین مچھلی شہری۔ محمد نوح صاحب نوح ناروی۔ محمد بشیر خاں صاحب بشیر رام پوری۔

حیات داغ (سوانح عمری) مولفہ جناب اظہر صاحب ہاپوڑی مطبوعہ ۱۹۰۵ء

آپ (یعنی حضرت داغ) کے شاگردوں کی تعداد ہزار کے قریب ہے اور ان میں سے اکثر ہندوستان کے دور دراز شہروں کے رہنے والے ہیں جن میں سے بعض سر بر آوردہ لوگوں کے نام یہ ہیں۔ آصف حضور نظام دکن عزیز۔ بارق۔ آزاد۔ وارث بے خود۔ ضیا۔ گوہر رام پوری۔ آغا شاعر دہلوی۔ محمد اقبال لاہوری متین مچھلی شہری۔ نوح ناروی۔ بشیر رام پوری وغیرہ وغیرہ بہت سے نام ہیں جن کی تفصیل کرنا محالات سے ہے اور ہر ایک بجائے خود استاد کا نام روشن کرنے والا ہے اس بات کا اندازہ سخن فہم ناظرین ان لوگوں کا کلام مختلف گل دستوں میں دیکھ کر بخوبی کر سکتے ہیں۔ فقط

یادگار داغ (سوانح عمری) مولفہ ابوالاعجاز منشی محمد اکبر علی خاں صاحب افسوں

واکبر شاہ جہاں پوری مطبوعہ ابوالعلائی پریس آگرہ۔

جناب محمد نوح صاحب نوح نارہ کے رہنے والے اور رئیس طبیعت نہایت نغز پرگو اور خوش مذاق ہیں استاد کی خدمت میں عرصہ تک بمقام حیدرآباد رہے ہیں۔

اُردوی معلّٰے (رسالہ) علی گڑھ مرتبہ سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی نمبر ۲ جلد ۱۲ بابت فروری ۱۹۱۱ء

بیان کی شوخی زبان کی صفائی محاوروں کی بے تکلفی اور الفاظ کی پسندیدہ اُلٹ پلٹ مرزا داغ کے کلام کی طرح نوح کے کلام کی بھی جان ہے البتہ تاثیر بیان اور بلندیِ مضمون سے آپ کے اشعار بھی اُسی قدر بیگانہ ہیں جتنے داغ کے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیوں کہ "ہر کسے را بہر کارے ساختند"

رو داد مشاعرہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ ۲۷ ستمبر ۱۹۱۴ء

جناب منشی محمد نوح صاحب نوح رئیس نارہ ضلع الہ آباد نواب فصیح الملک بہادر کے دور دوم کے اُن قابل تلامذہ میں سے ہیں جنھوں نے مرحوم کے قدیم تلامذہ نسیم بھرت پوری بے خود بدایونی وحسن بریلوی ورسا گلاوٹھوی کے بعد نام وری حاصل کی ہے اور اُستاد مرحوم کا اِس قدر تتبع کیا ہے کہ استاد شاگرد کے رنگ میں کوئی امتیازی فرق نمایاں نہیں ہے۔

بزم سخن ندرہ ضلع گیا بابت جنوری و فروری ۱۹۱۷ء

منشی جگیشر پرشاد صاحب خلش مختصر سوانح عمری لکھتے ہوئے تصویر چھاپتے ہیں اور یہ الفاظ آخر میں درج کرتے ہیں۔ جناب نوح کا کلام استاد کی زندگی ہی میں استاد سے ملتا جلتا تھا آپ اکثر مشاعروں میں اچھی خاصی داد حاصل کر چکے ہیں انجمن بزم سخن گیا کے عظیم الشان مشاعرہ منعقدہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۶ء میں بھی آپ کے کلام سے سامعین بہت محظوظ ہوئے۔

حسن ادب لکھنؤ مشاعرہ انجمن معین الادب فروری مارچ ۱۹۲۵ء

جناب نوح ناروی نے اپنی کہنہ مشقی تمام بزم پر آئینہ کردی اور رنگ غزل کا حق ادا کیا

کائستھ سماچار الہ آباد بابت فروری ۱۹۲۶ء

اشعار پر ریویو کرتے ہوئے منشی کنھیالال صاحب بی اے آخر میں لکھتے ہیں

نوح زبان کے بادشاہ ہیں داغ ان کے استاد تھے اور یہ انھیں کے جانشین ہیں اور اپنے گھرانے کے ایسے پکے شاگرد اور جاننے والے ہیں کہ یہ موقع کبھی نہیں دیتے کہ ایسا کوئی کہہ سکے زبان میں ذرا بھی خرابی ہے یا یہ کہ لفظوں پر پورا اختیار نہیں زبان بالکل سلیس ہے مضمون بلند ہیں الفاظ چست ہیں اور مصرع تو ایسا لگاتے ہیں کہ ماننا پڑتا ہے کہ اُستاد ہیں۔

ہجوم خیال کان پور

مسلم کلب کا سالانہ مشاعرہ

۹ فروری ۱۹۲۹ء

اس مشاعرے میں حضرت ناخدائے سخن تاج الشعرا فصیح العصر نوح ناروی جانشین حضرت داغ دہلوی کی شرکت دراصل گوہر صاحب ہی کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ جناب نوح صاحب نے باوجود اپنی انتہائی مشغولیت کے تشریف لاکر مشاعرے کی صدارت قبول فرمائی جس کے ہم جناب موصوف کے بھی بے حد ممنون ہیں۔

مشاعرہ ٹھیک ۹ بجے شب جناب نوح ناروی صدر مشاعرہ نے اپنے غیر طرح کلام سے شروع کیا اور تقریباً ۲ بجے صبح حضرت نوح ناروی پر ختم ہوا۔

رہنمائے تعلیم لاہور بابت مارچ ۱۹۲۹ء

حضرت نوح مدظلہ العالی کا اسم گرامی محتاجِ تعارف نہیں ہے ہندوستان بھر کے طول و عرض میں آپ کی شاعری کا ڈنکا بج رہا ہے ملک کا کوئی ادبی رسالہ ایسا نہیں جس میں آپ کا کلام نہ شایع ہوتا ہو آپ کے مفصل حالات رسالہ ہذا کی قریب ترین اشاعت میں شایع ہوں گے۔

جامِ جہاں نما لکھنؤ بابت فروری مارچ ۱۹۲۹ء

تاج الشعرا ناخدائے سخن جانشین داغ جناب مولانا مولوی محمد نوح صاحب نوح باتقابہ جناب داغ دہلوی مرحوم کے سب سے زیادہ صاحبِ تلامذہ شاگرد اور نارہ ضلع الہ آباد کے خاندانی و موقر رئیس ہیں علوم رسمیہ سے کافی آگہی ہے طبیعت خلیق و متواضع پائی ہے آپ کا کلام زبان دہلی کے آخری اور موجودہ دور کا دلچسپ نمونہ ہوتا ہے بندش پاک و صاف ہوتی ہے مضامین زبان اور محاوروں کی حدود میں نہایت سلاست اور فصاحت سے نظم کئے جاتے ہیں اکثر اصنافِ سخن پر قدرتِ کلام حاصل ہے وضع داری آپ کی جزو فطرت ہے۔

اکبر الہ آباد بابت اپریل ۱۹۲۶ء

تصویر چھاپتے ہوئے مدیر صاحب بہت بڑا مضمون لکھتے ہیں جس کے چند فقرے یہ ہیں

حضرت نوح ناروی زمانہ حاضرہ کے ایک باکمال شاعر ہیں تغزل کا قدیم رنگ آج ہندوستان سے کب کا مٹ گیا ہوتا تلامذۂ داغ و امیر کو خدا خوش رکھے اُن کی بدولت اُردو کی روایات قدیمہ محفوظ ہیں اگرچہ نئی روشنی کے جاں نثاروں نے اِن محترم ہستیوں کو کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا ان غریبوں کی قدامت پرستی ایک ایسا جرم ہے جو عفو کرم کی بندشوں سے آزاد ہے نوح صاحب کی شاعری خالص ایشیائی ہے وہ زمانے کی نیرنگی سے بے نیاز ایک مستقل دائرہ پر ہیں آج کل ملک کے نوجوانوں میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہے کہ قدیم رنگ کا ہر شاعر فطرت سے معرا اور مبالغہ وغیرہ کے پھندوں میں پھنسا ہوا ہے ان کے نزدیک تخیل ہی شاعری کا رکن اعظم ہے شوکت الفاظ توالیِ اضافات محاسن کلام میں سے ہیں لیکن غزل گوئی کا حقیقی دار و مدار محض حسن و عشق پر ہے بہر حال غزل گو شاعر کے لئے حسن و عشق کا مطالعہ بہت ضروری ہے اِن سے اگر بے اعتنائی برتی جائے تو غزل غیر مکمل جذبات مفقود اور شاعر کی باتیں غیر مؤثر ہوں گی چنانچہ یہ بھی اِسی خیال کے مؤید ہیں اور محبت کو بشرط پاک بازی ضروری سمجھتے ہیں میں مانتا ہوں کہ یہ خیالات فرسودہ ہیں ہر شاعر نے محبت کے مختلف مدارج کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور اکثر کامیاب بھی ہوئے ہیں لیکن حسنِ بیان بھی کوئی چیز ہے ہر شخص ایک خاص لے اور طرز لے کر آیا ہے اور ہر ایک کے اندازِ بیان میں ایک امتیازی شان ضرور ہوتی ہے یہ بھی خدا کی دین ہے کہ کسی کے حسنِ بیان میں شوخی شگفتگی کافی ہو اشعار پر کیف سلیس تکلف اور آورد سے بری ہوں مگر ایسے کم ہیں کہ جو نوح کی طرح نغمہ سرائی کر سکیں گو حسنِ بیان و رفعتِ تخیل میں یہ میر کو نہیں پا سکے لیکن پھر بھی اِن کی تائید میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اِن کی شاعری زمانے کی ہوا سے متاثر نہیں ہوئی قدما کی طرح کلام سادہ دلکش اور واقعات کا پہلو لئے رہتا ہے اساتذہ قدیم کی طرح یہ بھی انسانی زندگی کا خاکہ کھینچتے ہیں مگر اس حسن و خوبی کے ساتھ کہ فروعی اور عارضی

باتیں نہیں آنے پاتیں اور ایک عام اور ہمہ گیر حالت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے انھوں نے ہماری زندگی کا عمیق مطالعہ کیا ہے اظہارِ خیال میں قریب قریب وہی الفاظ استعمال کرتے ہیں جنھیں ہم اکثر ایسے موقعوں پر بولتے ہیں اِسی وجہ سے کلام میں زندہ دلی شوخی اور سادگی سب ہی کچھ موجود ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھے ہوئے کسی سے گفتگو کر رہے ہیں الفاظ کی نشست بندش کی چستی خصوصی امتیازات ہیں اور کیوں نہ ہو جب فصیح الملک داغ کے فیض یافتہ ہیں اس میں ہرگز کلام نہیں کیا جاسکتا کہ شاگردان داغ میں نوح ایک خاص درجہ رکھتے ہیں اور استاد کی جھلک شاگرد میں نمایاں ہے سادگی روزمرہ سلاست مغلق الفاظ سے احتراز معاملہ بندی بے تکلفی یہ سب باتیں نوح کے ہاں بالکل داغ صاحب کی طرح پائی جاتی ہیں اور اُستاد شاگرد کا امتیاز ناممکن سا ہو جاتا ہے۔

منادی دہلی ۳۱ر جنوری ۱۹۳۰ء از خواجہ حسن نظامی صاحب

میں جناب نوح سے حضرت اکبر الہ آبادی کے ہاں مل چکا ہوں بہت اچھے اور اعلیٰ شعرا میں اُن کا شمار ہے اُن کا کلام استادانہ ہوتا ہے اور وہ ایک بڑی جماعت کے استاد ہیں میں اگر شاعر ہوتا تو اُن کے کلام کی خوب ہی تعریف کرتا۔

پھر بھی اخبار ۷ر فروری ۱۹۳۰ء خواجہ صاحب طوفان نوح کو دیکھ کر

ہم نے دوسرے کلام کا بالاستعیاب مطالعہ کیا واقعی بہت موثر کلام ہے حضرتِ داغ کا رنگ اندازِ بیان اور پاکیزگی ہر غزل میں نمایاں ہے۔ آپ اس دور کے باکمال شعرا میں خیال کئے جاتے ہیں اور اِس وقت طول و عرض ہند میں آپ کے تقریباً چارسو شاگرد ہیں۔

شاعر آگرہ ۱۵ر فروری ۱۹۳۰ء

ریاض خیرآبادی۔ جلیل مانک پوری۔ چکبست لکھنوی۔ سائل دہلوی۔ بے خود دہلوی۔ ثاقب اکبرآبادی واصف اکبرآبادی۔ سرور جہان آبادی۔ رئیس اکبرآبادی۔ نظیر لکھنوی۔ نثار اکبرآبادی۔ اکبر الہ آبادی۔ بزم اکبرآبادی دل گیر اکبرآبادی۔ فانی بدایونی۔ سیماب اکبرآبادی۔ آزاد سہارن پوری۔ احسن مارہروی۔ نوح ناروی۔ حسرت موہانی۔ اخضر اکبرآبادی۔ شوکت میرٹھی۔ بیان میرٹھی۔ راسخ دہلوی وغیرہ ادبا کا نام آج بھی ادبی خدمات کو نمایاں کر رہا ہے ان میں سے بعض ہم میں موجود نہیں اور باقی مشاہیر شعرا اب بھی خدمت ادب اُردو میں مصروف ہیں۔

مبصر لکھنؤ بابت جولائی اگست ۱۹۳۰ء

ناخدائے سخن جناب نوح ناروی ایک مسلم الثبوت استاد ہیں آپ کا گراں قدر کلام زبان اور محاورہ کا گنجینہ ہوتا ہے ہر ہر شعر تعریف سے مستغنی ہے۔

فانوس خیال یعنی روداد مشاعرہ بزم ادب ڈبائی منعقدہ دسمبر ۱۹۳۰ء نوشتہ جناب فاضلی

یہاں کے ۱۹۲۸ء کے سالانہ مشاعرے کی کامیابی دیکھ کر اراکین بزم ادب امسال بھی بدستور سابق ایک عظیم الشان مشاعرہ کا اعلان کرنے پر آمادہ ہو گئے صدارت کے لئے تاج الشعرا ناخدائے سخن فصیح العصر حضرت نوح ناروی جانشین حضرت داغ دہلوی مرحوم سے درخواست کی گئی یکایک حضرت نوح

کی جانب سے بوجہ علالت صدارت کی معذرت کا خط موصول ہوا ہر چند معذرت مایوس کن تھی مگر اس موقع پر حضرت احسن مارہروی کا ذریعہ بزم ادب کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا۔ ہمیں اس وقت بے حد مسرت ہوئی جب حضرت نوح نے شام کی ٹرین سے ڈبائی کو اپنے قدوم سے سرفراز فرمایا اسٹیشن پر بزم ادب کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر مسٹر اختر حسین صاحب انصاری اور چند ممبروں نے موصوف کا نہایت شاندار استقبال کیا ہم وہ منظر کبھی نہیں بھول سکتے جب ہم نے حضرت نوح کو پھولوں کی بارش میں ٹرین سے اُترتے دیکھا مشاعرے میں سب سے پہلے استقبالیہ کمیٹی کے صدر مسٹر اختر حسین نے اپنا خطبہ پڑھا اس کے بعد حفظ الرحمن کی تحریک اور حاضرین محفل کی تائید پر حضرت نوح ناروی نہایت متانت کے ساتھ کرسیِ صدارت پر رونق افروز ہوئے جس وقت صدر موصوف اُٹھے پھولوں کی بارش نے اُن کا استقبال کیا اور تمام محفل نعرہ ہائے مسرت سے گونج اٹھی نوح صاحب نے بہ حیثیت برادرانہ احسن صاحب مارہروی کو بھی اپنے پاس بٹھالیا اس صورت سے معاصرانہ شان وشوکت دوبالا ہوگئی شعرائے ڈبائی کی جانب سے عاشق صاحب ذبیحی نے اور ہندو پبلک کی طرف سے بابو کانتی پرشاد صاحب نے نذر میں ایک ایک ہار صدر صاحب کو پیش کیا مذکورہ بالا ضروری مراسم ادا ہو جانے کے بعد جناب صدر نے اپنا فاضلانہ خطبہ ارشاد فرمایا جو تمام واقعات نگاری کا حاصل تھا۔

انٹرمیڈیٹ کالج میگزین علی گڈھ جلد ۳ بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۱ء مدیر اختر رضوی

عبد العزیز صاحب ایم۔ اے صفحہ ۶

دوسری رات ۱۵ مارچ کو ۸ بجے شب سے مشاعرہ شروع ہوا ابتدا میں چند طلبائے کالج نے طرحی غزلیں پڑھیں پھر بیرونی اور مہمان شعرا نے اپنا اپنا غیر طرح کلام سنایا اور یہ جلسہ بھی گذشتہ شب کی طرح ۱۲ بجے ختم ہوگیا جن معزز و موقر شعرا نے استدعائے حقیر پر کرم فرمائی سے ممنون فرمایا اُن سب کا اور خصوصاً حضرت نوح ناروی۔ حضرت فانی بدایونی۔ حضرت مانی جائسی حضرت جگر مرادآبادی۔ حضرت قمر بدایونی۔ حضرت اصغر مین پوری کا منت پذیر ہوں۔ پہلے تو نہیں تھا لیکن

غزل خوانی

اب قریب قریب تمام مشاعروں میں دیکھا جاتا ہے کہ فی صدی نوے لوگ اپنی اپنی غزلیں ایسی خوش نوائی کے ساتھ پڑھتے ہیں جو نغمہ سنجی کے لگ بھگ پہنچ جاتی ہے اس صورت خاص میں غزل اپنی جگہ چاہے جیسی ہو مگر نغمہ سرائی کے ذریعہ سے کچھ نہ کچھ سامعین کو لطف دے جاتی ہے لیکن صفحۂ کاغذ پر جب چھپتی ہے تو عالمِ بے کسی ہر شعر پر طاری ہوتا ہے ایسی غزل سرائی نہ انھوں نے کبھی کی نہ اب کرتے ہیں یہ تحت اللفظ میں شعر پڑھتے ہیں مگر ایسا پڑھتے ہیں کہ لوگ بدحواس ہو ہو کر بے ساختہ داد دیتے ہیں ان کا پڑھنا بھی حضرتِ داغ کا پڑھنا ہے جو لوگ اُن کا پڑھنا سن چکے ہیں وہ ان کے پڑھنے کو سن کر انھیں یاد کرتے ہیں میرے خیال میں ترنم آمیز لہجے میں پڑھنا سب سے پہلے حضرتِ سائل دہلوی نے اختیار کیا اور اُن کی یہ روش اس قدر مقبول ہوئی کہ آج سارا عالم انھیں کی تقلید کرتا ہے اگرچہ وہ لب ولہجہ نہ کسی کو نصیب ہوا نہ ہوسکتا ہے۔

مشاعرے کے اصول

یہ بیش تر دیکھا گیا ہے کہ مشاعروں میں جب نامی نامی مشاہیر شعرا تشریف فرما ہوتے ہیں

تو اپنی ذاتی وجاہت اور اقتدار کو لئے ہوئے خاموش بیٹھے رہتے ہیں نہ کسی کا مصرع اُٹھاتے ہیں نہ کسی کو کھل کر داد دیتے ہیں ہاں بعض بعض شعر پر جب پڑھنے والے کی آنکھوں سے آنکھیں چار ہو جاتی ہیں یا نام لے کر مخاطب کئے جاتے ہیں تو محض مروت یا شناسائی کے خیال سے صرف گردن ہلا دیتے ہیں۔ اور بہت ہوا تو یہ کہہ دیا کیا اچھا کہا ہے لیکن اس کے برعکس یہ جس مشاعرے میں شریک ہوتے ہیں ہر شاعر کا مصرع اُٹھانا اور اچھے شعروں پر داد دینا اِن کا فرضِ اوّلین ہے ہاں اگر کوئی غلط شعر پڑھا جائے گا تو دو ایک منٹ کے لئے یہ خاموش ہو جائیں گے مگر اِس خموشی پر بھی پڑھنے والا یہ نہ سمجھے گا کہ مجھ سے کوئی فروگذاشت یا لغزش ہوگئی مبتدی شعرا اِنھیں شعر سُناتے ہیں اور اُنھیں بھی یہ داد دیتے ہیں اکثر احباب نے اِس کا سبب پوچھا تو یہ کہا کہ اگر ابھی سے اِن کا دل نہ بڑھایا جائے گا تو اِن کی ترقیاں مسدود ہو جائیں گی اور اِن کی دل آزاری ہوگی جب تک اصرار کے ساتھ کوئی نہیں پوچھتا علاوہ شاگردوں کے یہ اُس کی غلطیاں بھی اُس پر نہیں ظاہر کرتے۔

شوق کی چیزیں

شروع زمانہ سے یہ دیکھا گیا ہے کہ اور رؤسا کی طرح نہ اِن کو تاش، گنجفہ، چوسر یا شطرنج کھیلنے کا شوق رہا نہ اور کسی فضول مشغلے میں اِنھوں نے اپنے کو مبتلا کیا، بچپن میں کرکٹ اور جوانی میں شکار وغیرہ سے کچھ دنوں تک دلچسپی رہی مگر اب یہ دونوں باتیں نہ ہونے کے برابر ہیں بندوق کا نشانہ تو اب بھی لگا لیتے ہیں لیکن پہلے کا انہماک قطعی نہیں ہاں دو چیزوں کا شوق ہمیشہ سے ہے اور یہ شوق بے انتہا ہے اوّل تو گھوڑے کی سواری سے خاص لگاؤ ہے ایک نہ ایک بیش قیمت جانور ہمیشہ اصطبل میں موجود رہا اور اب بھی رہتا ہے کئی بار گھوڑے سے گرے بھی ہاتھ ٹوٹا ہنسلی کی ہڈی بھی جگہ سے سرک گئی مگر یہ شوق نہ کم ہونا تھا نہ کم ہوا جس طرح سوار ہونے میں اِنھیں کمال حاصل ہے اسی طرح شناخت میں بھی خاص ملکہ ہے گھوڑے کی جانچ پرکھ خوب کرتے ہیں اور بال بھونری اچھائی بُرائی سے بخوبی واقف ہیں دوم کبوتر پالنا اور اُن کا اُڑانا نایاب اور کمیاب تحفہ پر اِنھیں اِس قدر مسرت نہ ہوگی جس قدر ایک جوڑا عمدہ کبوتر ملنے سے ہوتی ہے دوست احباب تلاش کر کے بہترین کبوتر اِن کو دیتے ہیں اور خود بھی اپنی طرف سے فرمائش ہوتی رہتی ہے اگرچہ کافی تعداد موجود ہے مگر اور لاؤ اور لاؤ سے غفلت نہیں ہوتی یہ تجربہ ہے کہ کبوتر کے شائق دوسروں کے کبوتر تو لے لیتے ہیں مگر اپنے نہیں دیتے اِن میں یہ بات نہیں جس طرح لیتے ہیں اسی طرح اپنے ملنے والوں کو دے بھی دیتے ہیں چنانچہ بیشتر مقامات سے درآمد برآمد ہر وقت جاری رہتی ہے۔

وضعداری

جس سے یہ ملے ہمیشہ ایک طرح ملے مراسم بڑھانے کا خیال تو رہتا ہے لیکن گھٹانے کا گمان بھی نہیں ہوتا ایک بار جو شخص ان سے ملے گا ہمیشہ اِن کے اخلاق کا مداح رہے گا قرب و جوار کے ہندو مسلمان رؤسا سے برابر کے برتاؤ ہیں اور طرزِ عمل سے ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ مجھ سے زیادہ کسی اور سے مراسم نہ ہوں گے۔ برابر والوں کے علاوہ اپنی رعیت کے ساتھ بھی اِن کے ایسے برتاؤ ہیں کہ آج تک کوئی شاکی نہ ہوا مذہبی تعصب اِن کو چھو کر نہیں نکلا مسلمان سے زیادہ ہندو اِن کے دوست اور شاگرد ہیں اور کسی سے کسی طرح مغائرت نہیں جہاں اپنے مذہب کا سختی سے خیال ہے وہاں دوسروں کے مذہب کے احترام کا بھی احساس ہے اکثر اِن کے وہ گاؤں جن میں تمام و کمال ہندو آباد ہیں وہاں اِنھوں نے رعیت

کی پرستش کے لئے اپنی طرف سے خاص خاص انتظامات کر دئے ہیں اور ہر تہوار کے موقع پر یعنی ہولی دسہرہ دوالی وغیرہ میں روپیوں سے سالانہ امداد دیتے ہیں مگر اس پر بھی خاص اِن کے وطن کے لوگ یعنی حضرات نارہ باستثنائے چند افراد کے اِن سے مغائرت اور دل میں حسد وکینہ رکھتے ہیں اور بغیر کسی غرض کے نہیں ملتے اور یہ بھی اُن سے ملنے میں بہت احتیاط رکھتے ہیں کیوں کہ اکثر صدمے اِن کو ایسے پہنچے ہیں جنھیں یہ مرکر بھی نہ بھولیں گے۔

مہمان داری

ریلوے اسٹیشن سراتھو سے ۹ میل خام سڑک طے کرنے کے بعد دکھن جانب نارہ ملتا ہے مگر اس پر بھی کوئی ہفتہ ایسا نہیں گذرتا کہ کوئی نہ کوئی مہمان نہ آجائے اگر اِن کو پہلے سے اطلاع ہو جاتی ہے تو سواری کا انتظام اپنے ہاں سے کر دیتے ہیں ورنہ یکّہ پر لوگ خود چلے آتے ہیں مگر جب کوئی شخص اِن کے ہاں پہنچ جائے گا تو یکّہ کا کرایہ اپنے پاس سے ادا کریں گے بہت سے شاگرد اور احباب دور دراز مقامات سے آتے ہیں اور مہینوں قیام کرتے ہیں مگر کیا مجال کسی کی خاطر مدارات میں کسی طرح کی کمی ہو مسلمان صاحبان کے لئے تو کوئی دقت نہیں ہندو صاحبان کے لئے بھی ایک خاص ہندو اسی لئے ملازم ہے کہ وہ کھانا وغیرہ پکاکر کھلائے اور ہر وقت آرام پہنچانے کا خیال رکھے اسی طرح دورہ کے زمانے میں یا یوں نہیں جب حکام آجاتے ہیں تو اُن کے لئے بھی حسبِ مراتب ہر قسم کا بندوبست کیا جاتا ہے۔

روزمرہ کے مشاغل

نماز صبح اور معمولی وظیفہ خوانی کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کبوتر بازی میں صرف ہوتا ہے اِس کے بعد سردی کے زمانے میں چاء اور موسم گرما میں ناشتہ کرنے پر وہ غزلیں اور خطوط دیکھے جاتے ہیں جو باہر سے اصلاح کے لئے ڈاک پر احباب بھیجتے ہیں۔ اصلاح اور جواب خط کا سلسلہ گیارہ بجے تک رہتا ہے روزانہ غزلوں کی اصلاح سے فراغت کر کے کھانا کھاتے ہیں اور ۲ بجے تک سوتے ہیں پھر جاگ کر نماز ظہر ادا کرتے ہیں اور اپنے علاقے کا حساب وکتاب دیکھتے ہیں پھر عصر کی نماز پڑھ کر تفریح کے لئے کبھی بندوق لے کر پیدل اور کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر چلے جاتے ہیں واپس آکر مغرب کی نماز اپنے دروازے کی مسجد ہی پر پڑھتے ہیں پھر عشا تک جو کہنا ہوتا ہے وہ خود کہتے ہیں کوئی خاص تعداد مقرر نہیں کبھی دو چار شعر کہہ لئے کبھی پوری غزل ہوگئی اس وقت کسی کا آنا اور ملنا اِن کو سخت ناگوار ہوتا ہے جو لوگ واقف ہیں وہ خود اِن سے ملنے کو اُس وقت نہیں آتے اور جب کوئی آجاتا ہے تو پھر فکرِ سخن یہ اُس دن ملتوی کر دیتے ہیں عشا کی نماز پڑھ کر حقہ پینے کے بعد سو جاتے ہیں چوں کہ روزے کی پابندی سختی سے یہ کرتے ہیں اِس لئے رمضان شریف میں نہ یہ شعر خود کہتے ہیں نہ کسی کے کلام پر اصلاح دیتے ہیں پورا مہینہ تلاوت قرآن مجید میں گذرتا ہے یہی معمول محرم میں بھی دس روز تک رہتا ہے اور جب سفر میں ہوں گے تو مندرجہ بالا تعین اوقات کی پابندی سے معذوری رہتی ہے۔

تحقیقات الفاظ

تحقیقات الفاظ کا ہمیشہ بہت کچھ خیال رہتا ہے جس لفظ کے متعلق کوئی شک وشبہ ہوا یا کسی طرح معلوم ہوا کہ یہ لفظ یوں نہیں ہے یوں ہے اُسی وقت سے اُس کا استعمال ترک کر دیں گے یا نئی تحقیقات کے اصول پر لکھیں گے لیکن جو مطبوعہ دیوانوں میں الفاظ نکل جا چکے ہیں اُن سے مجبوری ہے چنانچہ شمشیر کے متعلق جس وقت سے معلوم ہوا کہ زیر اور ڈھیر کا قافیہ ہے اُس وقت سے دل گیر اور

پنجیر وغیرہ کے قوافی میں نہیں لکھا اگرچہ تمام اساتذہ کا کلام اس کی سند جواز میں پیش کیا جاسکتا ہے مگر ان کا خیال یہی رہتا ہے غلط ہر حال میں غلط ہے عام اس سے کسی بڑے شخص نے اُسے جائز ہی کیوں نہ رکھا ہو ایک بار دلّی کے قیام میں انھوں نے ایک مجمع میں غزل پڑھی جب ان کے منھ سے یہ شعر نکلا

ارے روٹھی ہوئی تقدیر کچھ تدبیر ہے اِس کی — وہ آجائیں وہ من جائیں وہ من کر مجھ سے مل جائیں

مہاراج بہادر صاحب برق دہلوی نے کہا کیا آپ ارے کو صحیح جانتے ہیں دہلی والے تو نہیں بولتے اِس پر انھوں نے فوراً حضرت داغ کا یہ شعر پڑھ دیا۔

اندھا ہے ارے تجھ کو دکھائی نہیں دیتا — قدموں پہ گرا میں تو جھجک کر وہ یہ بولے

چوں کہ نیک نیتی سے یہ شبہہ ظاہر کیا گیا تھا اس سبب سے برق صاحب پھڑک گئے اور کہنے لگے تحقیقات اتنی تو ہو آج مجھے ایک سند مل گئی اِسی طرح حضرت سائل دہلوی نے ایک بار الہ آباد میں ساری کے متعلق بھی کچھ فرمایا تھا الفاظ تو مجھے یاد نہیں رہ گئے مگر مفہوم غالباً یہی تھا کہ اچھا نہیں معلوم ہوتا یا غلط ہے اس موقع پر بھی اِنھوں نے حضرتِ داغ کا یہ مطلع پڑھ دیا تھا۔

ساری دنیا آپ کی ساری خدائی آپ کی — کس کی طاقت ہے کرے کوئی بُرائی آپ کی

حضرت اکبر الہ آبادی کے دولت خانے پر چند لوگوں میں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ تنباکو کا املا نون اور بے سے یا میم سے صحیح اور درست ہے دو جماعتیں تھیں ہر جماعت دوسری جماعت کی تردید کرتی تھی آخر میں اِنھیں کی رائے پر اس کا فیصلہ ہوا اور اکبر صاحب نے بھی اِنھیں کی رائے پسند فرمائی اِنھوں نے فرمایا کہ وہ الفاظ عام اِس سے کسی زبان کے ہوں جنھیں اہلِ فارس نے اپنے ہاں داخل کر لیا ہے اور جن کے تلفظ میں میم کا اشتباہ ہوتا ہے مثلاً عنبر۔ تنبول۔ شنبہ ہمیشہ نون اور بے سے لکھے جاتے ہیں اِسی لحاظ سے تنباکو کا املا بھی نون اور بے سے درست ہوگا ہاں اُردو کے الفاظ مثلاً کھمبا اور بمبئی وغیرہ کا املا میم سے ہے اور اِس کی وجہ یہی ہے کہ اہل فارس کے ہاں یہ الفاظ مستعمل نہیں۔

نثر نویسی و تالیف و تصنیف

نثر نویسی سے دلی لگاؤ انھیں کبھی نہیں رہا اگر یہ کہا جائے کہ نثر لکھی ہی نہیں تو یہ بھی غلط ہے کیوں کہ بیش تر تنقیدیں اور بہت سے علمی مضامین اِنھوں نے لکھے اور متعدد رسالوں میں شایع ہوئے لیکن نہ ان پر خاص توجہ رہی نہ کتابی صورت میں یہ ترتیب دیے گئے نہ یہ ان کے لیے باعث شہرت ہیں۔ اوائل عمری میں دو ناول ثریا اور ہائے ستم ان کے قلم سے نکلے پہلا تو چھپ گیا مگر دوسرے کے چھپنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ چاک کر کے پھینک دیا ثریا کے متعلق جب ذکر آتا ہے تو کہتے ہیں اُس کو مجھ سے نسبت ہی نہ دینی چاہیے کیوں کہ میں نے اُس کو ایسے وقت میں لکھا ہے جب مجھے اچھے بُرے کا امتیاز نہ تھا ان دونوں کے علاوہ ایک اور کتاب زیر تالیف ہے جس میں الفاظ متروک شدہ کی ایک طولانی فہرست اور ضروری ضروری علم قوافی کے متعلق بحثیں ہیں اِس کی ضخامت قریب ۳۰۰ صفحوں کے پہنچ چکی ہے لیکن اب تک ناتمام ہے چوں کہ کثرتِ مشاغل سے فرصت نہیں ملتی اِس لیے پوری نہ ہوسکی اگر یہی لیل و نہار ہیں تو آئندہ بھی پوری ہونے کی امید نہیں۔

پہلا دیوان

سفینۂ نوح یہ پہلا دیوان ہے اور تمام و کمال حضرت داغ و جناب ظہیر دہلوی کا دیکھا ہوا ہے اس کے

دو ایڈیشن نکلے اور کل جلدیں ہاتھوں ہاتھ بہت جلد نکل گئیں اس وقت تلاش سے نہیں ملتا اُس وقت اِس کی قیمت ایک روپیہ تھی مگر اب دس روپیہ پر لوگ خریدنے کو آمادہ نظر آتے ہیں۔ یہ بارہا کا تجربہ ہے کہ لوگ دیوان چھپواتے ہیں لیکن کوئی نہیں پوچھتا آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عطاروں کے ہاں دواؤں کی پڑیا میں اُن کے اوراق صرف ہوتے ہیں یہ مقبولیت دیکھ کر اب اِس دیوان کے تیسرے ایڈیشن کے نکالنے پر بے حد احباب زور دے رہے ہیں کیا عجب جلد تیسرا ایڈیشن بھی نکلے۔

دوم دیوان — طوفان نوح یہ دوسرا دیوان ہے اس کے متعلق کچھ لکھنا بے کار ہے کیوں کہ جیسے جیسے شاعر کی مشق بڑھتی ہے ویسے ویسے اُس کے کلام میں خوبیاں پیدا ہوتی ہیں جن احباب نے پہلا دیوان دیکھ کر دوسرا دیوان دیکھا ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ نقش اول و نقش ثانی میں بہت کچھ فرق ہے ابھی اِس کا پہلا ایڈیشن نکلا ہے اور کافی تعداد میں اِس کی جلدیں تھیں لیکن اب اس کی بھی کوئی جلد باقی نہیں۔

تیسرا دیوان — تیسرا دیوان اب یہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے آپ خود ملاحظہ فرمائیے جانچیے پرکھیے کہ یہ کیا چیز ہے اصنافِ سخن میں سے کوئی صنف نہیں جس میں انھوں نے طبع آزمائی کر کے چار چاند نہ لگائے ہوں جس وقت پہلا دیوان سفینۂ نوح شائع ہوا تھا چوں کہ اس میں صرف غزلیں تھیں اِس باعث سے بیشتر لوگوں کا خیال تھا کہ نوح صاحب صرف غزل کہہ سکتے ہیں اور اصنافِ سخن سے عاجز ہیں مگر دیوان دوم کو دیکھ کر سب کی آنکھیں کھل گئیں اور ہر شخص کو ماننا پڑا کہ ہر صنفِ سخن پر یہ قدرت رکھتے ہیں۔

بہار سخن — بہت زمانہ ہوتا ہے انھوں نے اور منشی رکن الدین صاحب عاصی ناروی نے ایک ماہوار گل دستہ بہارِ سخن نکالا تھا اِس میں ہر طرح لوگوں کی غزلیں ہوتی تھیں اور طرح پہلے سے شایع کر دی جاتی تھی سلطان پور میں چھپتا تھا اور نارہ سے روانہ ہوتا تھا جب اِن کے مشاغل بے حد بڑھ گئے اور وقت کم ملنے لگا تو مجبوراً تین چار برس نکال کر بند کر دینا پڑا حالاں کہ خریداروں کی تعداد بہت کچھ پہنچ چکی تھی اور روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔

حلیہ — لمبا قد۔ اکہرا بدن۔ گورا رنگ۔ گول چہرہ۔ آنکھیں روشن۔ سر کے بال سیاہ۔ مونچھیں کسی قدر بڑی اور اِدھر اُدھر کچھ نکلی ہوئیں۔ ڈاڑھی نہیں۔

پوشش — علی العموم کرتہ۔ شیروانی۔ اکثر چنا ہوا اور اکثر چوڑی موری کا پائجامہ۔ گرمی میں دوپلی لکھنؤ کی کاڑھی ہوئی اور جاڑے میں ترکی ٹوپی، پاتابہ۔ کبھی پمپ۔ کبھی شو۔ کبھی سلیپر۔ کبھی دہلی کا وصلی جوتہ۔ گھوڑے کی سواری یا شکار میں ہیٹ۔ شرٹ۔ ٹائی۔ نیکر۔ لمبا پاتابہ۔ کوٹ۔ فل بوٹ۔ لکھنے پڑھنے کے وقت عینک کی ضرورت نہیں تفریح وغیرہ کے اوقات میں عینک۔ کیوں کہ دور کی نگاہ ہمیشہ سے کم زور ہے۔

ذاتی خصائل — گفتگو نہایت متانت کے ساتھ مزاج میں کسی قدر عجلت۔ ذرا دیر آشنا۔ غصہ بہت کم۔ درگذر بہت زیادہ رفتار معمول سے بہت زیادہ تیز۔ صاف گو۔ حلیم و صابر۔ فکر و غور کی بیشتر عادت۔

غذا — بہت سادی۔ پلاؤ۔ فیرنی۔ زردہ۔ پراٹھا وغیرہ سے خاص رغبت نہیں گوشت چپاتی کسی قسم کا کباب سادہ چاول نہایت شوق سے کھاتے ہیں۔ چائے کے ساتھ بسکٹ۔ انڈہ۔ حلوہ۔ کیک وغیرہ کا بھی مضائقہ نہیں۔ جو گھر میں پکا کھا لیا اپنی طرف سے کبھی کوئی فرمائش نہیں کرتے۔ ہاں آنے والے مہمانوں کے لئے اور

دعوتوں کے موقعوں پر ہر قسم کے تکلفات سے کام لئے جاتے ہیں۔

معلومات دنیوی

یہ صرف شاعر اور زمین دار ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اِن کو ایک ہمہ گیر طبیعت عطا کی ہے دنیا کا کوئی معاملہ ایسا نہیں جس میں ان کو دخل نہ ہو اپنی معلومات اور وسیع تجربہ کے لحاظ سے جس معاملے میں یہ کوئی اپنی اچھی بری رائے قائم کر دیں گے وہ اٹل ہو گی قرب وجوار کے بیشتر لوگ اِن سے رائے پوچھنے کو آتے ہیں اور اُس پر کاربند ہو کر فائدہ اٹھاتے ہیں اکثر اہم اہم مقدموں میں اِنھوں نے رائے دی اور وہ مفید ثابت ہوئی۔

حسن پرستی

حسن کسی کا ہو لیکن ایک ایسی چیز ہے جس کا اثر تھوڑا بہت ہر شخص کے دل پر ہوتا ہے میرے خیال میں وہ حسن ہی نہیں جس میں قدرتی جاذبیت نہ ہو شاعر کے لئے اس سے متاثر ہونا یقینی اور لازمی ہے چنانچہ یہ بھی اِس سے اکثر متاثر ہوئے اور بہت ہوئے مگر جوانی دیوانی کے زمانے میں بھی اِنھوں نے ہمیشہ تحفظ مراتب واعزاز وریاست کا خیال رکھا جو کچھ کیا وہ اسی اعتدال تک کیا کہ کوئی خراب نتیجہ یا بار جائداد وغیرہ پر نہ پڑے اور نہ کسی حاسد یا بداندیش کو سُننے کا موقع ملے۔

شعر کہنا

یوں تو ہر وقت بلاتامل شعر کہہ سکتے ہیں اور بیشتر موقعوں پر ایسا ہوا بھی ہے مگر معمولاً مغرب اور عشا کے درمیان میں شعر کہتے ہیں پلنگ یا آرام کرسی پر لیٹے رہتے ہیں سامنے حقہ بھرا ہوا رہتا ہے (کیوں کہ حقہ بہت پیتے ہیں سفر حضر میں کبھی ساتھ نہیں چھٹتا) قریب ہی ایک چھوٹی میز پر قلم دوات کاپی رکھی ہوتی ہے جب شعر مکمل ہو گیا خود ہی اُٹھ کر لکھ لیا کسی دن پوری غزل لکھ ڈالی کسی دن دو چار ہی شعر کہے الغرض مکان پر جب تک رہیں گے بلاناغہ کچھ نہ کچھ ضرور کہیں گے اور شاعروں کی طرح ہر وقت یہ فکر سخن میں نہ منہمک رہتے ہیں اور نہ فکر شعر میں یا مصرع لگانے میں پریشان ہوتے ہیں یہ ضرور ہے کہ شعر بڑی فکر وغور سے کہتے ہیں۔

خصوصیت شاعری

شعر کہتے وقت بیشتر یہ خیال رہتا ہے کہ مطلب صاف لفظوں میں ادا ہو جائے محاورے برمحل ہوں زبان کا چٹخارہ ضرور رہے سننے والا فوراً سمجھ لے فارسی تراکیب دور کے استعارے لغو تشبیہات قطعی نہ ہوں پوری کوشش کی جاتی ہے کہ ہر شعر سہل ممتنع کی جیتی جاگتی تصویر ہو مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ علاوہ اپنے اِس خاص رنگ کے اور دوسرا رنگ مرغوب خاطر ہی نہیں مرغوب خاطر تو ہے لیکن خود اِس رنگ سے احتراز کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج اِن کے کلام پر خود اِن کے استاد حضرت داغ کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے۔ بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ بعض بعض مقامات پر یہ اُن سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں مگر میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیوں کہ ادب مانع ہے۔

متروکات

یہ ایک طولانی داستان ہے نہ میں اِس کو مفصل لکھ سکتا ہوں نہ کوئی دیکھنا گوارا کرے گا اس کے متعلق خود انھوں نے ایک جداگانہ کتاب لکھی ہے جس کا ذکر مسئلہ تصنیف وتالیف میں آچکا ہے مگر کچھ بھی نہ لکھنے سے یہ مد خالی رہتی لہٰذا مشتے نمونہ از خروارے عرض کرتا ہوں۔

اور اساتذہ نے وقتاً فوقتاً اپنے عہد میں چند الفاظ متروک کئے خود حضرتِ داغ دہلوی نے بھی اپنے تیسرے دیوان مہتاب داغ کی تدوین میں چند الفاظ ذیل ترک کر دئے ہیں اور اِن میں اپنے تلامذہ کو یہ سوچ کر کہ اِن کا نباہنا مشکل ہے یہ اختیار دیا ہے کہ ترک کریں یا نہ کریں اکثر تلامذہ نے پابندی کی بیشتر شاگرد پابند نہ رہ سکے۔

الفاظ متروک شدہ	تمثیل الفاظ متروک شدہ	الفاظ جو متروک شدہ کی جگہ قائم ہوئے	تمثیل الفاظ قائم شدہ
پہ اور پر بمعنی لیکن و مگر =	ہیں وہ خوش رو پہ وفادار نہیں وہ ہم سے کہتے ہیں آنے کو پر نہیں آتے	مگر یا لیکن	توبہ کرتے ہیں مگر بادہ پئے جاتے ہیں لیکن اقرارِ محبت وہ بھلا دیتا ہے
یاں، واں =	یاں نہ آئے گا اُسے ہم نہ بلائیں گے کبھی سیکڑوں آزار و غم سہنے کو واں ہم جائیں کیوں	یہاں وہاں باظہار (ہ)	مرے دل میں یہاں رکھا ہی کیا ہے دل کے کہنے سے وہاں جاتا ہوں میں
میں متکلم (ی)، دبتی ہوئی =	میں کچھ سنتا نہیں تم سے میں کچھ کہتا نہیں تم کو	میں باظہار (ی)	شکوہ آزار و غم میں نے کیا
اور بروزن ار =	اس قدر بات ہے اور کچھ بھی نہیں	اور باظہار (و)	اور سے اور ہو گیا کوئی
مت بمعنی نہ =	آہ عشقِ یار میں مت کیجیے	نہ	دلِ زار شکوہ نہ کر دل لگی کا
وصلت =	شبِ وصلت وہ برہم ہو گئے ہیں	وصل	وصل کا ذکر کیا کروں تم سے

دکھلانا وغیرہ جن الفاظ میں (ل) زائد ہے = انھیں دکھلاتے ہیں وہ عشق کا فقرہ سن کر = دکھانا وغیرہ جن میں (ل) زائد نہیں = زلف پر پیچ وہ دکھاتے ہیں

ممکن ہے کہ اِن الفاظ کے علاوہ اور بھی دو چار الفاظ ہوں لیکن متروکات کے متعلق تو نوح صاحب نے قیامت ہی ڈھادی ہے جتنے الفاظ اِنھوں نے ترک کیئے اور کوئی نہیں کر سکتا اگر کرے تو اُس کی شاعری ہی غائب ہو جائے اِس کی بابت جب جناب احسن صاحب مارہروی حضرت سائل دہلوی جناب مہر گوالیاری وغیرہ سے گفتگو ہوئی تو ان حضرات نے یہ کہہ کر کہ زبان کی وسعت محدود ہو جائے گی اور اردو شاعری کے ذخیرے سے اِس قدر یا اِس قسم کے الفاظ نکل جانے پر نقصان عظیم ہو گا سخت مخالفت کی۔ فی الحقیقت میرے خیال میں بھی اِن قیود کا عائد کرنا زبان کی وسعت کو تنگ کرنا ہے علاوہ اِس کے اِن پابندیوں کا نباہنا اور ان پابندیوں کے ساتھ اچھا شعر کہہ جانا ہر کسی کا کام بھی نہیں ہمیشہ اِن کا یہ خیال رہتا ہے کہ ایک معنی کے جب دو الفاظ سامنے ہوں تو وہ لفظ اختیار کرنا چاہیئے جس میں حروف کم ہوں اور جس میں حروف زائد ہوں اُنھیں ترک کر دینا چاہیئے یہ معیارِ فصاحت اپنی ذات خاص کے لیئے اِنھوں نے قرار دیا ہے تمثیل کے لحاظ سے کچھ الفاظ درج ذیل ہیں اِن سے اور الفاظ کے متعلق اندازہ ہو سکتا ہے۔

الفاظ متروک شدہ	تمثیل الفاظ متروک شدہ	الفاظ جو استعمال کئے جائیں	تمثیل الفاظ قائم شدہ
ہجراں	شامِ ہجراں صبحِ محشر ہو گئی	ہجر	قیامت شبِ ہجر آئے گی سر پر
زندگانی	اب یہ صورت ہے زندگانی کی	زندگی	زندگی عیش و مسرت سے بسر ہوتی ہے
افسانہ	مجھ سے نہ کبھی وہ مرا افسانہ سُنیں گے	فسانہ	فسانہ سُن رہے ہیں آرزو کا
آشیانہ	فصلِ گل میں غارت اپنا آشیانہ ہو گیا	آشیاں	آشیاں کی یاد آتی ہے مجھے
آستانہ	نہ چھوڑوں گا میں آستانہ تمھارا	آستاں	اُٹھنے کے اب نہیں ہیں کبھی آستاں سے ہم
اسکندر	حال اسکندر کا ہو جائے گا تم پر آئینہ	سکندر	سکندر نے بنا کر آئینہ خود بیں بنایا ہے
افلاطوں	تم سے دانائی میں بڑھ کر آج افلاطوں نہیں	فلاطوں	فلاطوں کو نسبت نہیں آپ سے
وصال بمعنی ملاقات	شبِ وصال بگڑ کر وہ ہم سے کہتے ہیں	وصل	اب آئی شبِ وصل برسوں کے بعد
افسوں	افسوں تری آنکھوں میں نرالا نظر آیا	فسوں	سامنے تیری نگاہوں کے فسوں کچھ بھی نہیں

الفاظ متروک شدہ	تمثیل الفاظ متروک شدہ	الفاظ جو استعمال کیے جائیں	تمثیل الفاظ قائم شدہ
حالت	بدل جائے گی اب حالت ہماری	حال	حال میرا پوچھتے ہیں آپ کیا
پیغام	مرے نام اب کہاں نامہ کہاں پیغام آتا ہے	پیام	پیام بر سے عبث ہو گیا خفا کوئی
چاہت	خدا تیری چاہت سے محفوظ رکھے	چاہ	تری چاہ میں غم اٹھائے ہزاروں
میہماں	یہی آتا ہے جی میں اُن کو دل میں میہماں کر لوں	مہماں	میرے گھر میں کوئی مہمان نہیں
وگرنہ	وگرنہ آپ سے کرتا نہ میں گلہ کوئی	ورنہ	ورنہ مر جانا مجھے مشکل نہ تھا
داماں	کبھی دستِ جنوں اُلجھیں گے داماں وگریباں سے	دامن	اب کوئی تار سلامت مرے دامن میں نہیں
پہ	بے داد پہ بیداد وہ کرتے ہی رہیں گے	پر	آپ آزار پہ آزار دیے جائیں مجھے
	وہ مری جان پہ سو ظلم وستم ڈھائے گا		لاکھوں طرح کے ظلم مری جان پر ہوئے
کے مثلاً سنا کے سنبھال کے وغیرہ	سنا کے حالِ دلِ زار میں پشیماں ہوں	کر	حالِ دل اُن کو سنا کر ہم بھی دل میں خوش ہوئے
لیکن کر کے مستعمل مثلاً	خدا کا شکر کر کے خونِ دل میں روز پیتا ہوں		
پائے مال	خرامِ ناز مرے دل کو پائے مال نہ کر	پامال	پامال کر گئے وہ دلِ بے قرار کو
رنگت	نہ پھولوں میں رنگت نہ پھولوں میں بو ہے	رنگ	ہمارے خون کا رنگ آپ کی حنا میں ہے
نصیبہ	اب نگاہیں لڑ گئیں میرا نصیبہ لڑ گیا	نصیب	آرام ہی فقط نہیں میرے نصیب میں
شیدائی	دیکھتا ہوں جسے وہ آپ کا شیدائی ہے	شیدا	کون کہتا ہے مجھے میں آپ کا شیدا نہیں
حلقوم	کوئی پھیرے کیوں چھری حلقوم پر	حلق	حلق پر تلوار ہم خود پھیر لیں
آشکارا	راز دل کا آشکارا ہو گیا	آشکار	آشکار الفت ہوئی تصویر سے
دختر	دخترِ رز نے ستم ڈھائے بہت	دخت	قہر کرتی ہے ادائے دختِ رز
دہان	دہانِ یار میں گویا زباں نہیں ہوتی	دہن	سخن سخن میں نہیں وہ دہن دہن میں نہیں
پیراہن	پھوٹ نکلی ہے تری بو میرے پیراہن سے آج	پیرہن	وحشت میں بے نیاز ہوئے پیرہن سے ہم
شرار یا شرارہ	چرخ پر آہ کا شرارہ ہے	شرر	شرر نکلنے لگے بات بات میں منہ سے
	پھونک دے گا تری الفت کا شرارہ ہم کو		
نیشتر	نیشتر موئے مژہ کے چبھ گئے	نشتر	ہر رگِ دل میں کئی نشتر ہیں
ولیکن	انھیں دل چاہیے لینا ولیکن دل نہیں لیتے	لیکن	ستم سہتا ہوں لیکن میں گلہ اُن کا نہیں کرتا

وغیرہ وغیرہ

لیکن یہاں، وہاں اور اگر ان تینوں الفاظ کے متعلق اوپر کا کلیہ قائم نہیں رکھتے کیوں کہ یاں واں اور گر کے مقابلے میں وہ تینوں الفاظ فصیح اور فصیح تر ہیں حالاں کہ اُن الفاظ میں حروف زاید موجود ہیں۔ گر کے متعلق یہ خیال ہے کہ یہ لفظ بعض موقع پر اپنے پہلے لفظ سے مل کر ایک مستقل بامعنی لفظ بن جاتا ہے مثلاً یہ مصرع (ستم گر نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا) اس کے دو معنی ہو گئے ایک تو یہ کہ گر ستم نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا دوسرے یہ کہ ستم بنانے والا نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا لہٰذا گر کی جگہ اگر ہی لکھنا اچھا ہے یہاں وہاں تو یاں واں

سے اچھے ہی ہیں یہ سب کچھ بجا سہی اور محل استعمال کی تو اور بات ہے مگر الفاظ متروک شدہ مندرجہ بالاجب قوافی کی صورت میں آجائیں گے تو شاعران قوافی کے مضامین سے محروم رہ جائے گا اور کوئی شعر ان قوافی ہیں پابندی کے خیال سے نہ کہہ سکے گا نوح صاحب تو نباہ کرتے ہیں اور کریں گے یعنی اِن قوافی میں شعر نہ کہیں گے اور ان الفاظ کو قوافی کی صورت میں بھی نہ لائیں گے لیکن اور حضرات کیوں اپنی فکر کو محدود کرنے لگے وہ لکھیں گے اور یقینی لکھیں گے بلکہ اِن قیود کو وہ اپنے لیئے ایک قسم کا ظلم تصور کریں گے اِسی خیال سے یہ کسی اپنے شاگرد کو مجبور نہیں کرتے جس کا جی چاہے پابندی کرے جس کا جی چاہے نہ کرے۔

علاوہ اِن متروکات کے اگرچہ طوفان نوح دیوان دوم کی خصوصیات میں ذیل کی باتیں درج ہو چکی ہیں تاہم اِن کا مکرر لکھنا اس خیال سے ضروری ہے کہ ممکن ہے دوسرا دیوان کسی کے پاس نہ ہو اور وہ ان معلومات سے محروم رہے۔

(۱) دل، قاتل، محمل، بسمل، مشکل، ساحل وغیرہ کے قافیوں کے ساتھ سائل، مائل، حمائل، شمائل وغیرہ کا قافیہ یعنی جن الفاظ میں (لام) کے پہلے ہمزہ ہے لانا قابلِ ترک سمجھتے ہیں حالاں کہ تمام اساتذۂ سابق وحال نے برابر اپنے کلام میں لکھا ہے فی الحقیقت اِس سے قوافی میں حسن نہیں رہ جاتا اگر محض سائل وحمائل ہی وغیرہ کے قوافی میں غزل کہی جائے تو کوئی برائی نہیں بلکہ حسن ہے کیوں کہ قوافی کی صورت ہی روی بدل جانے سے بدل جاے گی۔

(۲) تقابل ردیفین کا تو سب محتاط شعرا خیال رکھتے ہیں لیکن انھوں نے سفینہ نوح دیوان اوّل وطوفان نوح دیوان دوم کے بعد سے اِس کا بھی خیال رکھا ہے کہ غزل کے کسی شعر میں بھی علاوہ بے ردیف مطلع کے پہلے مصرعہ کا آخری لفظ بھی ردیف کا ہم قافیہ نہ ہونا چاہیئے مثلاً کسی زمین کے یہ قوافی ہیں اور یہ ردیف ہے۔ تڑپاتے ہوا چھا بہت اچھا۔ مرجاتے ہوا چھا بہت اچھا۔ اِس میں یہ شعر

میں حشر میں اللہ سے فریاد کروں گا　　ہر دم مجھے تڑپاتے ہوا چھا بہت اچھا

گا اور اچھا ہم قافیہ ہیں

(۳) اُردو، فارسی اور عربی کے ترکیبی قوافی میں حرف روی نکل جانے کے بعد جو شروع میں ٹکڑے بچیں وہ مطلع کے دونوں مصرعوں میں نہ بامعنی ہوں نہ ایک ترکیب کے ہوں مثلاً

گالیاں مجھ کو سُناتے جایئے　　اپنی محفل میں جلاتے جایئے

حرف روی کے پہلے ٹکڑے دونوں قافیوں میں سن اور جل بچے یہ دونوں امر ہیں اور بامعنی ہیں۔

وہ برتاؤ کرنے لگے مخلصانہ　　بڑھایا بہت مجھ سے اب دوستانہ

پہلے مصرعہ میں مخلص اور دوسرے میں دوست رہا دونوں بامعنی الفاظ ہیں۔

(۴) حرف روی وغیرہ سے پہلے کا حرف مطلع کے دونوں قوافی میں ایک نہ ہونا چاہیئے مثلاً

ہمارے دل میں کیوں ارماں بہت ہیں　　جگہ ہے گھر میں کم مہماں بہت ہیں

الف سے پہلے (میم) دونوں طرف موجود ہے آواز کے لحاظ سے اچھا نہیں معلوم ہوتا (۵) حرف غزل میں سب سے پہلے مطلع کے دونوں مصرعوں میں اگر اُردو زبان کے قافیے ہیں تو غزل کے سب اشعار میں بھی اُردو ہی کے قوافی ہوں مثلاً

بگڑ کر دفعتاً کوئی ستم مجھ پر نہ ڈھا دینا　　ذرا پہلے سے کہہ دینا بتا دینا جتا دینا

اس مطلع میں دونوں قافیے اردو کے ہیں اب اِس کے بعد غزل میں جتنے شعر ہوں گے سب میں اردو ہی کے قوافی ہوں گے اور اگر سب سے پہلے مطلع کے دونوں مصرعوں میں فارسی یا عربی زبان کے قوافی ہیں تو غزل کے بقیہ اشعار میں فارسی یا عربی کے قافیوں کا ہونا لازمی ہے۔ مثلاً

آہ و زاری سے وہ کیا اے دلِ نالاں سمجھا — یہی سمجھا کہ مجھے بے سر و ساماں سمجھا

اِس مطلع کے دونوں قافیوں میں سے ایک بھی اردو زبان کا قافیہ نہیں لہٰذا اب اس مطلع کے بعد کوئی شعر ایسا نہ ہونا چاہئیے جس میں اُردو زبان کا قافیہ ہو اور اگر پہلے مطلع میں ایک مصرع کا قافیہ اُردو اور دوسرا فارسی خواہ عربی ہے تو غزل کے بقیہ اشعار میں دونوں طرح کے قافیے لکھے جاتے ہیں مثلاً

عشق نے قدر نہ جانی میری — ہائے میں ہائے جوانی میری

اس مطلع کے دونوں قافیوں میں سے ایک قافیہ اُردو اور دوسرا اُردو نہیں لہٰذا اردو فارسی عربی ہر زبان کے قافیے آئیں گے۔

(۶) اِسی طرح اگر پہلے مطلع کے دونوں مصرعوں میں الف کے قافیے صہبا، تماشا، افزا وغیرہ ہوں تو غزل کے باقی اشعار میں سب قافیے الف ہی کے ہوں مثلاً

کیا کہوں جلوہ گہِ ناز میں کیا کیا دیکھا — جو دکھایا مجھے اُس نے وہ تماشا دیکھا

چوں کہ اس مطلع میں دونوں قافیے الف کے ہیں لہٰذا غزل کے سب اشعار میں وہی قوافی ہوں گے جن میں الف ہوگا اور اگر پہلے مطلع کے دونوں مصرعوں میں (ہ) ہائے ہوز کے قوافی ہوں جلوہ۔ نظارہ وغیرہ تو غزل کے باقی اشعار میں بھی سب قافیے وہی ہوں جن میں (ہ) ہائے ہوز ہو جیسے یہ مطلع

بیچ میں حائل ایک پردہ ہے — اس طرف میں اُدھر وہ جلوہ ہے

اس مطلع میں دونوں طرف (ہ) ہائے ہوز کے قافیے ہیں لہٰذا الف کا قافیہ نہ ہوگا اور اگر دونوں قوافی الف اور ہائے ہوز کے غزل میں آئیں گے تو پہلا مطلع ایسا ہونا چاہئیے جس میں ایک قافیہ الف کا اور دوسرا ہائے ہوز کا ہو مثلاً

دیکھ لیتا ہے تجھے دیکھنے والا تیرا — نہیں چھُپتا نہیں چھُپتا کبھی جلوا تیرا

اِس مطلع میں دونوں قسم کے قافیے ہیں لہٰذا غزل میں دونوں طرح کے قوافی استعمال ہو سکتے ہیں لیکن فارسی ترکیب میں بصورت اضافت یا عطف ہائے ہوز الف سے مبدل نہ ہوگی اگر ہوگی تو قافیہ غلط ہو جائے گا جا بزرف بغیر ترکیب فارسی کی صورت میں ہے۔ مثلاً

پہلے جو تھا وہ پاس تمھارا نہیں رہا — یعنی نظر کو شوق نظارا نہیں رہا

کیا بتائیں جلوہ گاہِ ناز میں کیا ہو گیا — دل ہمارا بھی فدائے ناز و جلوا ہو گیا

(۷) پیمانہ، شانہ کی جمع پیمانوں، شانوں اور ارمان، ناداں کی جمع ارمانوں، نادانوں ہوئی اگر مطلع میں دونوں ایسے قافیے ہیں کہ جن کے واحد میں (ہ) مثلاً مے خانہ، پیمانہ، دیوانہ وغیرہ ہو تو غزل میں سب ایسے قافیے ہوں اور اگر مطلع میں دونوں طرف ایسے قوافی ہیں کہ جن کے واحد میں (ن) مثلاً پریشاں۔ مہماں وغیرہ ہو تو غزل میں سب قوافی ایسے ہی ہوں اور اگر مطلع میں دونوں قسم کے قافیے ہوں

تو دونوں طرح کے قوافی استعمال کئے جائیں۔

(۸) اگر دو لفظ مل کر ایک بامعنی لفظ ہو جائے تو وہ بھی اچھی صورت نہیں جیسے یہ مصرع

جان اب باقی نہیں ہے جان میں

اس مصرع میں ہے اور جان مل کر لفظ ہیجان بن جاتا ہے جو بامعنی لفظ ہے اسی طرح آواز پر بھی برخلاف کتابت کے خیال رکھنا چاہیے۔ مثلاً

آئے وہ مرے پاس تو اس حال سے آئے

اس مصرع میں اِس اور حال مل کر اسہال ہو گیا حالاں کہ کتابت میں فرق ہے لیکن اسہال کا دھوکا سننے میں ہو جاتا ہے۔

(۹) ایک ہی آواز کے دو لفظ مل کر اگر ثقل پیدا کریں تو قطعی نہیں مگر جہاں تک ممکن ہو نہ استعمال کئے جائیں۔ مثلاً

ہمیں بھی دیکھنا یہ ہے کہ کتنے بے وفا تم ہو

یہاں کہ اور کتنے کے ملنے سے ثقل پیدا ہو جاتا ہے۔

اب کے کلام میں تو نہیں پہلے کے کلام میں تمام یہ باتیں موجود ہیں جس وقت جو بات خیال میں آئی اُسی وقت سے اُس پر عمل درآمد شروع ہوا۔ پچھلے اشعار مطبوعہ اور غیر مطبوعہ میں جو لفظ جس طرح تھے اُسی طرح رہ گئے اِس دیوان کی ہر غزل میں (ق) اور (ج) دو حرف لکھے ہوئے ہیں (ق) سے قدیم اور (ج) سے جدید مراد ہے جن غزلوں پر (ق) ہو اُن میں یہ قیود نہیں اور اکثر الفاظ متروک شدہ بھی اُن میں ملیں گے اور جن غزلوں پر (ج) ہے اُن میں یہ سب قیدیں ہیں اور الفاظ متروک شدہ قطعی نہ ہوں گے مئی ۱۹۲۱ء کے بعد سے جس قدر بھی اشعار آج تک کہے ہیں سب میں مندرجہ بالا کی پابندی کا خیال نہایت سختی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

حافظہ — یہ شاید کہیں لکھا جا چکا ہے کہ ابتدائے شاعری میں بالقصد انھوں نے اپنے استاد کے چاروں دیوان زبانی شروع سے آخر تک یاد کئے تھے اگرچہ اب بہت سے اشعار بھول گئے ہیں مگر پھر بھی کوئی ایسی غزل نہیں جس کے دو چار اشعار یاد نہ ہوں پہلے تو یہ قاعدہ تھا کہ رات کو جس قدر شعر کہتے تھے وہ ذہن میں محفوظ رہتے تھے صبح کو کتاب پر لکھتے تھے لیکن دو چار برس سے یہ معمول نہیں رہا جس وقت شعر کہیں گے اُسی وقت لکھ لیں گے مشاعروں میں جو شعر پسند آتا ہے دو چار روز یقینی یاد رہتا ہے پھر نہیں یاد رہتا تاہم ایک بڑا ذخیرہ اچھے اچھے شعروں کا ان کے خیال میں ہے بعض وقت خود پڑھتے ہیں اور خود ہی لطف اٹھاتے ہیں۔

مذہب کا احترام اور بیعت — مذہب کا احترام ہمیشہ رہا فقرا مشائخ اور بزرگان دین کے مزاروں سے خاص عقیدت ہے جہاں حاضری کا موقع پیش آتا ہے نہایت ادب اور عقیدت کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں سات آٹھ سال ہوئے کہ حضرت سید شاہ مولانا وارث حسن صاحب رح کوڑہ جہان آبادی کے دستِ مبارک پر توبہ کر کے چشتیہ سلسلے میں بیعت بھی کر لی ہے۔

حاسدین

یہ سب جانتے ہیں کہ حاسد ہونا بُرا اور محسود ہونا اچھا ہے مگر پھر بھی اس سے کوئی جگہ خالی نہیں دیکھی جاتی اِن کے برتاؤ اور ان کے حسن اخلاق کے سبب سے کوئی اِن کا حاسد نہیں کیوں کہ کبھی کوئی جھگڑا یا ہنگامہ نہیں ہوا۔ الغرض باہر کے لوگ حسد کرنے کی جگہ اِن کا احترام کرتے ہیں ہاں خاص نارے میں ان کی ذاتی وجاہت اور اعزاز ریاست کا حسد بہت سے لوگوں کے دلوں میں ہے اور شعرائے الہ آباد میں سے معدودے چند حضرات ایسے ہیں جنھیں حاسد جیسے ناپاک لفظوں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اِس جماعت کو یہ اچھی طرح جانتے ہیں اور اُن کی بدبین نگاہوں سے بچتے رہتے ہیں اُن لوگوں سے جب سامنا ہو جاتا ہے تو وہ منھ پر ایسی ایسی باتیں کہتے ہیں کہ حسد کا پتہ بھی نہیں چلتا مگر دل میں چھُریاں بھری ہیں انھیں وجوہ سے الہ آباد کے مشاعروں سے یہ الگ ہو گئے ہیں لیکن جب کوئی معرکہ ہوتا ہے تو مخالف پارٹی کی بھی نگاہیں بیشتر انھیں کو ڈھونڈھتی ہیں اِس میں کوئی شک نہیں کہ حسد بہت بڑا عیب ہے اور اللہ تعالےٰ اِس سے سب کو محفوظ رکھے

احباب

دنیا میں ہر شخص کے تھوڑے بہت خاص خاص احباب ایسے ہوتے ہیں جن سے خصوصیت کے ساتھ برتاؤ رکھنے پر ہر انسان مجبور ہوتا ہے اِن کے دوستوں کی تعداد محدود نہیں جس سے ایک بار بھی ملاقات ہوئی وہ ہمیشہ کے لئے گرویدہ ہو گیا۔ کیا رعیت کیا حکام سب اِن سے خوش پائے گئے شعرا کے طبقے میں جتنے اِن کے معاصرین ہیں وہ سب اِن سے برادرانہ برتاؤ رکھتے ہیں آپس کی خط و کتابت دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اِن کے دل میں اُن کی محبت کتنی اور اُن کے دل میں کس قدر اِن کی محبت ہے۔ اِن خطوں کی تعداد بہت بڑی ہے۔

شاگرد کرنے کا طریقہ

یہاں اور استادوں کی طرح کوئی خاص طریقہ شاگرد کرنے کا نہیں پہلے تو جہاں تک ممکن ہوتا ہے مہذب پیرایہ سے اور استادوں کا حوالہ دے کر ٹال دیا جاتا ہے اور اگر کسی نے زیادہ اصرار سے کام لیا تو اصلاح دینے میں عذر نہیں ہوتا لیکن اب کچھ دنوں سے نئے شاگرد قطعی نہیں کئے جاتے کیوں کہ اکثر اوقات قلتِ وقت کے سبب سے اُنھیں شاگردوں کی اصلاح نہیں ہو سکتی جن سے قدیمی تعلقات ہیں پھر نئے لوگوں کو کون سنبھالے یہ رات دن کا تجربہ ہے کہ اساتذہ قدیم و حال ہر نئے شاگرد سے کچھ نہ کچھ بطور شیرینی حقِ استادی طلب کرتے ہیں مگر ان کی ذات اِن جھگڑوں سے بری ہے ہاں اپنی طرف سے بخوشی بغیر کسی تحریک کے اگر کوئی شخص بطور تحفہ کوئی چیز بھیج دے تو اُس کے قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا یہ ضرور ہے کہ ہر نئے شاگرد کو اکثر یہ ہدایت کر دی جاتی ہے کہ اپنی حیثیت کے موافق وہ حضرت داغ اور جناب ذوق مرحوم کی نیاز اپنی طور سے اپنی جگہ دلا دے۔

اصلاح دینے کا طریقہ

جس کی غزل ہے اگر وہ اتفاقِ وقت سے خود موجود ہے تو اُس سے پڑھوا کر شعر سُنتے جاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اُسی وقت اصلاح بھی دیتے جاتے ہیں یہ بولتے ہیں وہ لکھتا ہے اور اگر جس کی غزل ہے وہ موجود نہیں تو اُس کی غزل خود دیکھتے ہیں اور تغیر و تبدل الفاظ کا فرماتے ہیں بیشتر مشاعروں کے وقت یہ دیکھا گیا ہے کہ شعروں پر بے تامل اِس طرح اصلاح ہوتی ہے جس طرح کوئی نثر لکھتا ہو ایک بار الہ آباد میں یہ اسی طرح اصلاح دے رہے تھے کہ حکیم عبدالعزیز صاحب عرف حاجی جان صاحب بھی آ گئے جب یہ اصلاح دے چکے تو انھوں نے کاغذ اٹھا لیا اور دیکھ کر حیران ہو گئے بے ساختہ اُن کی زبان سے

نکلا کہ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ کوئی ضروری خط لکھ رہے ہیں الغرض غور و فکر کی ذرا بھی انھیں ضرورت نہیں ہوتی شعر سنا اور فوراً اگر ضرورت ہوئی تو اصلاح دے دی ورنہ فرما دیا کہ آگے چلئے یا پہلے شعر کے بعد دوسرے شعر کو دیکھنے لگے ایک غزل کی اصلاح کے لئے دس بارہ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوتے۔

ان کے شاگردوں کی تعداد

حضرت داغ دہلوی کے اُن شاگردوں کی تعداد جو مندرج رجسٹر تھے آخر وقت تک پندرہ سولہ سو کے لگ بھگ تھی یہاں اگرچہ کوئی رجسٹر باضابطہ نہ پہلے تھا نہ اب ہے مگر کوئی مردم خیز اور مشہور مقام ایسا نہ ہوگا جہاں کوئی نہ کوئی ان کا شاگرد موجود نہ ہو۔

نمونۂ اصلاح

رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور میں بہت دنوں سے مسلسل حضرت نوح کی اصلاحوں کے نمونے جناب عابد مسیح صاحب عابدی۔ اے مرادآبادی ٹیچر اسکول سردھنہ ضلع میرٹھ ماہ وار لکھ رہے تھے اور اُنھیں معلومات بھی بڑی حد تک تھی اِس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اصلاحی اشعار کی تشریح و توضیح وہی لکھیں چنانچہ اس میری درخواست کو اُنھوں نے نہایت خوشی کے منظور فرما کر مجھے اپنا ممنون کرم فرمایا لہٰذا ذیل میں نمونۂ اصلاح کے متعلق جو کچھ آپ دیکھیں گے وہ اُنھیں کا لکھا ہوا ہے۔

"حضرت احسن مارہروی مدظلہٗ اپنی تالیف جلوہ داغ میں فرماتے ہیں کہ خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح چند قسم کی دی جاتی ہے منجملہ اُن کے ایک تو یہ ہے کہ قائل کے اصل کلام کو کاٹ کر اُس کی جگہ دوسرا شعر خواہ اسی مضمون کا یا دوسرے مطلب کا اپنے الفاظ میں موزوں کر دیا جائے اور ایک یہ کہ قائل کے تمام الفاظ و مطالب اپنی جگہ قائم رہیں اور صرف نقاط و حروف و الفاظ کے تغیر و تبدل یا کمی بیشی ہو جانے سے پست مضمون اعلیٰ اور مہمل شعر معنی دار ہو جائے ظاہر ہے کہ بہ نسبت پہلی ترکیب اصلاح کے یہ طریقہ اصلاح کسی قدر مشکل اور دشوار ہے اور یہی وہ طریقہ ہے جس کو یہ نہیں آتا وہ حقیقی اصلاح نہیں دے سکتا حضرتِ داغ اپنے تلامذہ کے کلام میں اکثر ایسی ہی حک و اصلاح فرماتے تھے جس میں صرف حروفی یا ایک آدھ لفظ کا تغیر و تبدل ہوتا تھا اور اگر کوئی مصرع بھی بنایا جاتا تھا تو انھیں الفاظ و مضمون میں جو اصل قائل کا ہوتا تھا لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی غلط محاورہ یا نامناسب لفظ ہو تو وہ بھی اپنی اصلی صورت پر چھوڑ دیا جاتا ہو" چوں کہ جناب نوح بھی ایک زمانے تک حضرتِ داغ کی خدمت میں رہ کر اچھی طرح اُن کے اصلاح دینے کا طریقہ دیکھ چکے ہیں اِس لئے اصلاح دیتے وقت اپنے استاد کی طرح اِنھیں بھی صرف نقاط و حروف و الفاظ کے تغیر و تبدل مقدم موخر یا کمی بیشی کا خاص خیال رہتا ہے اِس موقع پر جی تو یہی چاہتا تھا کہ تمام شاگردوں سے اُن کا اصلاحی کلام منگوا کر ایک مبسوط کتاب جداگانہ مرتب کروں لیکن اس کے لئے بڑے وقت اور کافی محنت کی ضرورت ہے کیوں کہ تمام اطراف ملک میں اِن کے شاگرد پھیلے ہوئے ہیں اُن سے خط و کتابت کر کے اصلاحوں کا حاصل کرنا آسان کام نہیں اگر کبھی موقع ملا تو پھر دیکھا جائے گا فی الحال اصلاح کے چند نمونے جو بغیر کسی دقت کے فوراً ہاتھ آ گئے ہیں اُنھیں پر اکتفا کرتا ہوں اگرچہ یہ مشتے نمونہ از خروارے ہیں مگر پھر بھی میرے بیان کی تصدیق ان سے بخوبی ہو جائے گی۔

مرتضٰے احسین صاحب دعا باشندہ ڈبائی ضلع بلند شہر

وہ مرا حال سن کے یہ بولے　　کوئی قصہ ہے یا کہانی ہے

اصلاح　وہ مرا حال سن کے پوچھتے ہیں　　واقعہ ہے کہ یہ کہانی ہے

اصل شعر کے مصرع ثانی میں (حال) کی طرف کوئی اشارہ نہ تھا (قصہ) اور (کہانی) دونو ایک ہی اصلاح میں بجائے (قصہ) (واقعہ) رکھ دینا مفید بلاغت ہے اب مصرع ثانی میں شوخی پیدا ہوگئی اور مصرع اولے و مصرع ثانی دونوں میں محاکات کا لطف آگیا۔

خوب تر کیوں نہ ہو وہ یوسف سے　　یہ مصور کا نقش ثانی ہے

اصلاح　خوب تر کیوں نہ ہو وہ یوسف سے　　کہ مصور کا نقش ثانی ہے

اصل شعر میں یہ خرابی تھی کہ ایک ہی ذات کے لئے (یہ) اور (وہ) دونوں لفظ متضاد معنی کے استعمال کئے گئے تھے (یہ) کو (کہ) بنا کر استدلال میں وضاحت پیدا کر دی گئی۔

کون سی ہے حرام اے واعظ　　یہ نئی مے ہے یا پرانی ہے

اصلاح　کس کو سمجھوں حرام اے واعظ　　یہ نئی مے ہے یہ پرانی ہے

(ہے حرام) تنافر کی حد تک نہیں پہنچا پھر بھی تلفظ میں برا معلوم ہوتا ہے اس شعر میں جو ضعف تالیف تھا وہ اصلاح میں لفظ (یہ) کی تکرار سے دور ہو گیا۔

قسمیں نہ آپ کھائیے مجھ کو یقین آگیا　　آپ کہاں عدو کہاں واقعی اتہام ہے

اصلاح　قسمیں نہ مجھ سے کھائیے مجھ کو یقین آگیا　　آپ کہاں عدو کہاں واقعی اتہام ہے

لفظ آپ کی تکرار دونوں مصرعوں میں تھی اگر ایک ہی مصرع میں ہوتی تو بری نہ تھی اصلاح میں لفظ (مجھ) کی تکرار ہے۔ جو ایک ہی مصرع میں ہے واضح ہو کہ تکرار الفاظ کا معاملہ بہت نازک ہے کہیں تکرار مذکور سے شعر میں عیب اور کہیں حسن پیدا ہو جاتا ہے اصل شعر میں تکرار سے کوئی معنوی فائدہ نہ تھا اصلاح سے یہ امر واضح ہو گیا کہ عاشق کی ذات باعتبار مضمون شعر زیادہ اہم ہے کیوں کہ معشوق کے قسمیں کھانے کا مدعا یہی ہے کہ عاشق کو یقین آجائے لہٰذا لفظ (مجھ) کی تکرار سے اصلی مرکز توجہ موکد ہو جانے پر بلحاظ بلاغت شعر بلند ہو گیا۔

قاضی ریاض الدین احمد صاحب ریاضؔ جیور ضلع بلند شہر

پاؤں جو مہرباں ترے تیر نظر کو میں　　کر دوں نثار جان تصدق جگر کو میں

اصلاح　پاؤں جو مہرباں ترے تیر نظر کو میں　　کر دوں نثار دل کو تصدق جگر کو میں

نثار ہونے کے لئے تو (جان) اور (جگر) دونوں برابر تھے لیکن یہ نازک فرق تھا کہ (جگر) میں نشانہ ہونے کی صلاحیت تھی (جان) میں یہ صلاحیت نہ تھی علاوہ اس کے ترکیب میں علامت مفعول یعنی (کو) کی تکرار سے مصرع ثانی اور چسپت ہو گیا۔

نہ کیا تم نے مرے قتل کا ارماں پورا　　قول اگر دے تو کرے بھی اُسے انساں پورا

اصلاح　کب ہوا تم سے مرے قتل کا ارماں پورا　　قول اگر دے تو کرے بھی اُسے انساں پورا

اصل مطلع بھی صحیح تھا لیکن افعال میں تنوع داخل کر کے حسن بڑھا دیا اصل مصرع اولے میں فعل معروف

تھا اصلاح میں فعل مجہول ہوگیا۔

سر بکف میں ہوں اِدھر وہ ہیں اُدھر تیغ بکف — اب ہے موجود مرے قتل کا ساماں پورا

اصلاح: سر بکف میں بھی اِدھر تیغ بکف وہ بھی اُدھر — اب ہے موجود مرے قتل کا ساماں پورا

اگر مصرع اولٰے یوں ہوتا (سر بکف میں ہوں اِدھر تیغ بکف وہ ہیں اُدھر) تو اس صورت میں مصرع مذکور کے دونوں ٹکڑے حسن تقابل کے حامل ہو جاتے پھر بھی چستی کے اعتبار سے ترقی کی گنجائش باقی رہتی اس لئے (ہوں) اور (ہیں) کو کم کر دیا کیوں کہ مصرع ثانی میں (ہے) موجود تھا دوسری بات قابل توجہ یہ ہے کہ لفظ (بھی) شامل ہونے سے تکرار کے ساتھ تقابل بھی قائم رہا اور مصرع ثانی کے لفظ (پورا) کی معنویت بھی واضح ہوگئی

وقت آخر کشمکش میں عاشق بیمار تھا — موت تھی پیش نظر دل میں خیالِ یار تھا

اصلاح: وقت آخر کشمکش میں عاشقِ بیمار تھا — موت تھی پیشِ نظر دل کو خیالِ یار تھا

دونوں طرف لفظ (میں) آگیا تھا ایک طرف کم کر دیا گیا۔

برق چمکی کس گھڑی سرمہ ہوا کب کوہِ طور — اس کو اِس کی کیا خبر جو محوِ دیدِ یار تھا

اصلاح: برق چمکی کس گھڑی سرمہ ہوا کب جل کے طور — اس کو اِس کی کیا خبر جو محوِ دیدِ یار تھا

(کوہ) کی جگہ (جل کے) بنایا گیا (کوہ) کی چنداں ضرورت نہ تھی (جل کے) سے کس قدر شعر بلند ہوگیا اور معنی میں وسعت پیدا ہوگئی۔

لطف اُس نے کیا اٹھایا دنیا میں زندگی کا — جس نے مزا نہ چکھا کچھ عشق و عاشقی کا

اصلاح: لطف اُس نے کیا اُٹھایا دنیا میں زندگی کا — جس نے مزا نہ چکھا دل دے کے عاشقی کا

دل دے کے اس ٹکڑے کے بڑھ جانے سے معاملات عاشقی پر اشارہ ہوگیا اور زندگی عشاق کی کچھ تفصیل پیش نظر آگئی۔

رہ گئے حیران کس کو دیکھ کر سب اہلِ حشر — آگیا یہ کون محشر میں الٰہی بے نقاب

اصلاح: رہ گئے حیران کس کو دیکھ کر سب دادخواہ — آگیا یہ کون محشر میں الٰہی بے نقاب

دونوں مصرعوں میں (اہل حشر) اور (محشر) کے الفاظ اچھے نہ تھے (اہل حشر) کی جگہ (دادخواہ) رکھ دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم روز حشر خدا سے فریاد کرنے کو تھے لیکن کسی کے آجانے سے وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوسکے بلکہ حیران ہو کر رہ گئے۔

میرا دل چھانٹا ہے ظالم نے جفاؤں کے لئے — واہ رے حسنِ نظر اللہ رے حسنِ انتخاب

اصلاح: اُس نے چھانٹا دل مرا ظلم و ستم کے واسطے — واہ رے حسنِ نظر اللہ رے حسنِ انتخاب

اصل شعر کے پہلے مصرع کی ترکیب الجھی ہوئی تھی جہاں تک ممکن ہو فعل سے پہلے فاعل آنا چاہئے (ظالم) کی جگہ (اس) بنا دیا وہ عیب بھی نکل گیا اور جس نے ظلم و ستم کا ارادہ کیا وہ اپنے اِس عمل سے خود بخود ظالم ثابت ہوگیا لہٰذا لفظ (ظالم) بے کار تھا۔

ڈھاتا ہے رات دن یہ ستم میری جان پر | یارب فلک ہی ٹوٹ پڑے آسمان پر

اصلاح ڈھاتا ہے رات دن یہ ستم میری جان پر | ٹوٹا نہ آسمان کبھی آسمان پر

مصرع ثانی تھوڑی سی تبدیلی کے بعد وسعتِ مضمون کا باعث ہوگیا اور آسمان کی تکرار سے چار چاند لگ گئے

الفت اِسے پھر سوجھی اک دشمنِ ایماں کی | یہ لیجئے پھر آئی شامت دلِ ناداں کی

اصلاح الفت ہوئی پھر اس کو اک دشمنِ ایماں کی | پھر آئی نئے سر سے شامت دلِ ناداں کی

اصل شعر کا مطلب یہ تھا کہ دل نے پھر عشق بت کا ارادہ کیا اور پھر وہ آفت میں گرفتار ہوگیا اصلاح نے یہ بات سمجھا دی کہ محض ارادے سے آفت میں پڑنا لازم نہیں آتا دل پہلے الفت کر کے تکلیف اٹھا چکا تھا لیکن دوبارہ مبتلائے عشق ہوگیا اس پہلو کو واضح کرنے کے لئے مصرع ثانی میں (پھر) پر (نئے سر سے اضافہ فرمایا (یہ لیجئے) سے ایسا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا تھا۔

وکیل احمد صاحب حافظ غازی پوری

حجاباتِ نظر کو مشکلوں سے جب اٹھا پایا | فریبِ مدعا دیکھا فریبِ مدعا پایا

اصلاح حجاباتِ نظر کو مشکلوں سے جب اٹھا پایا | فریبِ مدعا دیکھا قریبِ مدعا پایا

بہت نازک اور لطیف اصلاح ہے اصل شعر یہ تھا کہ اہلِ معرفت جب حجاباتِ نظر کو عبور کر گئے تو انھیں معلوم ہوا کہ ہر ایک حجاب یکے بعد دیگرے ہمارا مدعا بنا ہوا تھا اور جمال حقیقی کو ہم سے چھپائے ہوئے تھا منازل معرفت کے طے کرنے میں موجودات کو ہم نے غلطی سے جو اپنا مدعا سمجھ رکھا تھا وہ فریب نظر تھا یہ معنی تو درست ہیں لیکن یہ شعر ایک اور معنی کا بھی حامل ہے کہ حجاباتِ نظر دور ہوئے تو پتہ چل گیا کہ شروع سے آخر تک دھوکا ہی دھوکا تھا حقیقت کچھ بھی نہ تھی یہ معنی الحاد کی طرف لے جاتے ہیں اصلاح میں دوسرے (قریب) کو ایک نقطہ بڑھا کر (قریب) بنا دینے سے وہ احتمال جاتا رہا عارف پہلے حجابات کو مدعا سمجھتا تھا جب وہ اُٹھ گئے تو یہ مدعائے حقیقی کے قریب پہنچ گیا۔

ترے جلوؤں میں گم رہ کر یہی تیرا اپنا پایا | کبھی دیکھا ہوا دیکھا کبھی دیکھا ہوا پایا

اصلاح ترے جلوؤں میں گم رہ کر یہی تیرا اپنا پایا | کبھی دیکھا ہوا دیکھا کبھی پایا ہوا پایا

ایک لفظ کے بدل دینے سے مصرع ثانی کے ٹکڑوں میں باہم خوب صورت تقابل پیدا ہوگیا۔

تسلیوں سے ہے ایسی نفرت کہ غفلتوں پر نظر نہیں ہے | جو بھر دے دردِ حیات دل میں نصیب وہ چارہ گر نہیں ہے

اصلاح ہمیں ہے درکار بے قراری تسلیوں پر نظر نہیں ہے | جو بھر دے دردِ حیات دل میں نصیب وہ چارہ گر نہیں ہے

اصل کلام سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ مصرع اولے کا بیان کس کے متعلق ہے اصلاح میں یہ نقص رفع ہوگیا اور بے قراری اور تسلی کے الفاظ سے ایک خاص شان بھی پیدا ہوگئی۔

دعائیں خاموش ہوگئی ہیں لبوں پر آہِ سحر نہیں ہے | اُنھیں خبر بھی مری ہوئی کب مجھے جب اپنی خبر نہیں ہے

اصلاح دعائے شب پر نظر نہیں ہے لبوں پر آہِ سحر نہیں ہے | اُنھیں خبر بھی مری ہوئی کب مجھے جب اپنی خبر نہیں ہے

انگریزی زبان میں جان داروں کے سے افعال کا بے جان اشیاء سے منسوب کیا جانا عام ہے لیکن اُردو زبان کا محاورہ اس روش کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اصل مصرع اولے میں (دعائیں) بصورت جمع ہے اصلاح

نے لفظ مذکور کو واحد بنا دیا تاکہ (انھیں) کی ضمیر اس کی طرف نہ پھر سکے اب مصرع اولے کے دونوں ٹکڑے مترادف بھی ہوگئے اور شب اور سحر سے ضمنی طور پر حسن بھی پیدا ہوگیا۔

شباب کی نکہتوں نے کھینچا نسیم آئی حجاب ٹوٹا
گلوں میں آ کر وہ بس گئے تھے کہ پردہ ہے پردہ در نہیں ہے

اصلاح
شباب کی نکہتوں نے کھینچا نسیم آئی حجاب ٹوٹا
گلوں میں وہ اس لئے چھپے تھے کہ پردہ ہے پردہ در نہیں ہے

اصلاح میں معنی کی تشریح بہت اچھی طرح ہوگئی اب مطلب بخوبی واضح ہوگیا۔

گدازِ عشق ہی سے زندگی بیدار ہوتی ہے
اِسے وسعت جو مل جائے محیطِ حسنِ عالم ہو

گدازِ عشق ہی سے زندگی محدود رہتی ہے
اِسے وسعت جو مل جائے محیطِ حسنِ عالم ہو

عام اس سے کہ زندگی پر بیدار ہونے اور سونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے یا نہیں غور کرنا چاہئے کہ (گداز) موجب انقباض یا باعث انبساط ہوتا ہے واضح ہو کہ (گداز) بطور مترادف (غم) استعمال کیا گیا ہے اور اسی معنی میں بالعموم استعمال بھی ہوتا ہے ظاہر ہے کہ انقباض سے وسعت نہیں پیدا ہوسکتی علاوہ اس کے وسعت کے لئے محدود ہونا لازم تھا۔

شعاعِ حسن خود ہی جذب کر لے گی تجھے بلبل
سبک روحی اگر تیری گلوں میں مثلِ شبنم ہو

اصلاح
شعاعِ حسن خود ہی جذب کر لے تجھ کو اے بلبل
سبک روحی اگر تیری گلوں میں مثلِ شبنم ہو

اصل مصرع اولے میں فعل خلاف قواعد زبان تھا اصلاح مذکور سے (بلبل) سے پہلے حرف ندا لانے کی بھی گنجائش نکل آئی اور فعل کی شکل بھی درست ہوگئی اور (بلبل) کو فاعل سمجھنے کا احتمال بھی جاتا رہا۔

منشی سکھ دیو پرشاد صاحب بسمل الہ آبادی

ہوا جینا بہت مشکل ہمارا
نہ وہ ہم ہیں نہ وہ ہے دل ہمارا

اصلاح
ہوا جینا بہت مشکل ہمارا
نہ وہ ہم ہیں نہ اب وہ دل ہمارا

(اب) کے رکھ دینے سے دوسرا مصرع بہت چست ہوگیا اور تلفظ کی ثقالت بھی جاتی رہی۔

نہیں دل اب کسی قابل ہمارا
سہے کب تک مصیبت دل ہمارا

اصلاح
نہیں دل اب کسی قابل ہمارا
کبھی تھا سب کے قابل دل ہمارا

پیشتر دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہ تھا اصلاح میں مصرع ثانی تبدیل کر دیا گیا موجودہ صورت میں دل کے بعد (قابل) پھر (قابل) کے بعد (دل) آیا ہے اس الٹ پھیر سے جو لفظی حسن پیدا ہوا وہ ظاہر ہے۔

نہ سمجھو دل لگی کہتا ہوں دل سے
تمھارے ہاتھ میں ہے دل ہمارا

اصلاح
وفادِ عشق سے کیا ہاتھ اٹھائیں
تمھارے ہاتھ میں ہے دل ہمارا

اصل شعر میں شتر گربہ بھی تھا اور پہلا مصرع بھی پست تھا لیکن اصلاح میں مصرع بدل کر وہ نازکی پیدا کر دی کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے سبحان اللہ سبحان اللہ۔

بتائیں کیا بس اتنا جانتے ہیں
کسی نے لے لیا ہے دل ہمارا

اصلاح
بتائیں کیا بس اتنا جانتے ہیں
کسی نے ہم سے چھینا دل ہمارا

خرید کر یا مانگ کر بھی چیز حاصل کی جاسکتی ہے مصرع اوّل کے تیو ظاہر کر رہے ہیں کہ (لے لیا)

کے مقابلے میں (چھینا) استعمال ہونا چاہئے اصلاح کے بعد شعر زیر بحث بلیغ ہوگیا۔

کوئی پوچھے حسینوں کی نظر سے | ملا مٹی میں کیوں کر دل ہمارا

اصلاح | کوئی پوچھے تری نیچی نظر سے | ملا مٹی میں کیوں کر دل ہمارا

اصل شعر بھی درست تھا لیکن اصلاح میں (مٹی میں ملنے کا) ثبوت نیچی نظر سے بہم پہنچ گیا اور شعر میں لطافت آگئی۔

تمھیں معلوم ہے دل کی حقیقت | جہاں تم ہو وہیں ہے دل ہمارا

اصلاح | کہاں ہے دل یہ تم کیا پوچھتے ہو | جہاں تم ہو وہیں ہے دل ہمارا

مصرع اولےٰ اور مصرع ثانی میں کوئی خاص بات نہ تھی کیوں کہ دوسرے مصرع میں دل کی حقیقت یا ماہیت کا بیان نہیں کیا گیا بلکہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ دل کہاں ہے اب مصرع ثانی اصلاح کے بعد لطف دے رہا ہے

دیکھ کر اُن کو ہو گئے بیہوش | کیا کریں بات یہ بھی ہوش نہیں

اصلاح | دیکھ کر اُن کو میں ہوا بیہوش | کب گیا ہوش یہ بھی ہوش نہیں

اصل شعر کے الفاظ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ بے ہوش ہونے والا کون تھا دوسری بات یہ کہ واحد متکلم کافی ہے جمع کی ضرورت نہیں مصرع ثانی کی اصلاح سے یہ معنوی اضافہ ہوگیا کہ بے ہوش ہونے والا دفعتاً بے ہوش ہوا تھا کہ اُسے اتنا بھی نہ معلوم ہوسکا کہ میرا ہوش کب گیا یہ انتہائے بے ہوشی کی صورت خاص ہے۔

نغمۂ سرمدی سنائے کون | کوئی اب ویسا سرفروش نہیں

اصلاح | نغمۂ سرمدی سنائے کون | کوئی سرمد سا سرفروش نہیں

سرمدی اور سرمد کے معنی جدا جدا ہو گئے اور اس تکرار میں اصلاح سے ایک حسن پیدا ہو گیا۔

زندگی کیا ہے اور کیا ہے موت | رہ کے دنیا میں اس کا ہوش نہیں

اصلاح | زندگی کیا ہے اور کیا ہے موت | جاں نثاروں کو اس کا ہوش نہیں

پیش تر یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کس کی کیفیت بیان ہو رہی ہے علاوہ اس کے زندگی اور موت کے لئے (جاں نثاروں) کا لفظ قابل داد ہے۔

پردہ نہ اُٹھائیں گے ابد تک | پردہ جو ازل سے کر رہے ہیں

اصلاح | آئیں گے نہ سامنے ابد تک | پردہ جو ازل سے کر رہے ہیں

لفظ (پردہ) کی تکرار بری معلوم ہوتی ہے اس لئے پہلے مصرع میں تبدیلی کر دی گئی۔

محمد عمر خاں صاحب عمرؔ گورکھپوری

دل میں اُترا تو اتر کر نخلِ الفت بن گیا | کیا سکھا کر آپ نے بھیجا تھا اپنے تیر کو

اصلاح | دل میں اُترا اور شاخِ نخلِ الفت بن گیا | کیا سکھا کر آپ نے بھیجا تھا اپنے تیر کو

شعر میں (تو اتر کر) بے کار الفاظ تھے لہٰذا وہ نکال دیئے گئے ان کی جگہ ایک ضروری لفظ (شاخ) رکھ دیا گیا کیوں کہ (تیر) کو (شاخ) سے نسبت ہے نہ کہ (نخل) سے

نواب میر یاور علی خاں صاحب بہادر یاورؔ جاگیردار اسد پور ضلع امراؤتی ملک برار

ہر گھڑی ہیں رنج و غم ہر وقت حیرانی مجھے — چین ہی لینے نہیں دیتی پریشانی مجھے

اصلاح — ہر گھڑی غم ہر گھڑی ایذائے روحانی مجھے — چین ہی لینے نہیں دیتی پریشانی مجھے

ایک وقت حیرانی اور پریشانی نہیں ہوسکتی اگر کوئی حیران ہوگا تو پریشان اور پریشان ہوگا تو حیران نہ ہوگا کیوں کہ ایک دوسرے کی مخالف ہے اس لئے (حیرانی) کا لفظ نکال کر (ایذائے روحانی) رکھ دیا اب پریشانی کا ثبوت بخوبی ہوگیا۔

میری نظروں میں تو کوئی خوب رو جچتا نہیں — شکل انھیں کی بس نظر آتی ہے لاثانی مجھے

اصلاح — اور کوئی خوب رو آنکھوں میں اب جچتا نہیں — شکل انھیں کی بس نظر آتی ہے لاثانی مجھے

مصرع اولےٰ کی تبدیلیوں کے اسباب یہ ہیں کہ مصرع ثانی میں بھی لفظ (نظر) موجود تھا علاوہ اس کے اگر (اور کوئی) نہ بڑھایا جاتا تو معشوق خود بھی (نہیں جچتا) کے عام حکم میں آجاتا۔

کیا خبر اوروں کی اپنی نہیں مجھ کو خبر — ہے خیالِ یار میں اس درجہ حیرانی مجھے

اصلاح — کیا خبر اوروں کی اپنی خبر مجھ کو نہیں — ہے خیالِ یار میں اس درجہ حیرانی مجھے

مصرعِ اولےٰ کے دوسرے ٹکڑے میں ترتیب الفاظ الجھی ہوئی تھی اب موجودہ صورت میں روانی آگئی۔

محبت تری دل میں گھر کر گئی — اثر کرتے کرتے اثر کر گئی

اصلاح — محبت مرے دل میں گھر کر گئی — اثر کرتے کرتے اثر کر گئی

مصرع اولےٰ میں لفظ (تری) بیچ میں آگیا تھا (محبت) کے ساتھ پڑھیئے تو (محبت تری) ہوتا ہے اور (دل) کے ساتھ پڑھیئے تو (تری دل) پڑھا جاتا ہے اصلاح سے یہ عیب دور ہوگیا اور خوبی بھی پیدا ہوگئی۔

عبد الحفیظ صاحب عیش ساکن لودی پور ضلع داناپور پٹنہ

ہوتی ہے اور میری آہ بلند — چرخ جتنا مجھے دباتا ہے

اصلاح — اُتنی ہوتی ہے میری آہ بلند — چرخ جتنا مجھے دباتا ہے

مصرع ثانی کے لفظ (جتنا) کی رعایت ہے مصرع اولےٰ میں (اور) کا محل استعمال نہیں تھا جو لفظ اس کی جگہ رکھ دیا ہے یعنی (اُتنی) یہی زبان کے اعتبار سے آنا چاہیئے تھا علاوہ اس کے ہوتی کی (ی) بھی دبتی تھی اگرچہ یہ صورت جائز ہے لیکن اب اور صفائی آگئی۔

ہجر کے صدمے جھیلوں میں کب تک — جان ہی دے دوں دل میں آتا ہے

اصلاح — آکے پہلو سے جب وہ جاتا ہے — جی ہی دے دوں یہ جی میں آتا ہے

پہلا مصرع بہت کم زور تھا ترکیب الجھی ہوئی تھی دوسرے مصرع میں (دل) کی جگہ (جی) رکھنے سے حسن تکرار کا لطف آگیا ہجر کے معمولی صدمے جان دینے کے لئے اُتنے زبردست محرک نہیں ہوسکتے جتنا کسی معشوق کا پہلو سے عاشق سے جدا ہونا اب اِس مصرع کے تبدیل کرنے سے شعر بلیغ ہوگیا اور شعر سے مطلع ہوجانے میں خوبی بھی پیدا ہوگئی۔

اولاد حسن صاحب توبہ ساکن سید سراواں ضلع الہ آباد

وہ اُٹھ کر میرے پہلو سے کسی کا اپنے گھر جانا — وہ میرا ایک ٹھنڈی سانس لینا اور مر جانا

اصلاح وہ اُٹھ کر صبح دم اُن کا یہاں سے اپنے گھر جانا وہ میرا ایک ٹھنڈی سانس لینا اور مر جانا

پہلے مصرع میں (میرے) اور دوسرے مصرع میں (میرا) اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا صبح دم سے اضافۂ معنوی کے علاوہ رعایت لفظی کا بھی لطف پیدا ہو گیا کیوں کہ مصرع ثانی میں (ٹھنڈی سانس) کا لفظ موجود ہے۔

جو آئے ہو تو ٹھہرو کوئی لحظہ کچھ ہنسو بولو یہ کیا آنے میں آنا ہے اِدھر آنا اُدھر جانا

اصلاح جو آئے ہو تو ٹھہرو کوئی لحظہ کچھ ہنسو بولو یہ کیا آنا یہ کیا جانا اِدھر آنا اُدھر جانا

(آنا) اور (جانا) اِن دونوں لفظوں کے اُلٹ پھیر سے مصرع ثانی کا حسن بڑھ گیا یعنی مصرع ثانی کے دوسرے ٹکڑے میں (اِدھر) اور (اُدھر) تھا پہلے ٹکڑے میں لفظ (یہ) کی تکرار سے اب ان ٹکڑوں میں ایک طرح کا خوب صورت تقابل پیدا ہو گیا۔

وہ ہوا دے رہے ہیں دامن سے کام آئی ہے میری بے ہوشی

اصلاح وہ ہوا دے رہے ہیں دامن سے میرے کام آئی میری بے ہوشی

یہ بتانا ضرور تھا کہ بے ہوشی سے کس کو فائدہ پہنچا علاوہ اس کے مصرع بھی چست ہو گیا۔

روز کے غم سے پائی ہیں نے نجات بخشش دی موت نے سُبک دوشی

اصلاح بارِ غم سے ملی نجات مجھے بخشش دی موت نے سُبک دوشی

دونوں طرف لفظ (نے) موجود تھا اس لئے مصرع اولے میں فعل کی شکل تبدیل کر دی گئی اور (سُبک دوشی) کی رعایت سے لفظ (بار) اضافہ کر دیا۔

ہو نہ ہو غم اُنھیں ہے دشمن کا نہیں بے وجہ یہ سیہ پوشی

اصلاح ہو نہ ہو سوگ انھیں ہے دشمن کا نہیں بے وجہ یہ سیہ پوشی

(غم) عام ہے (سوگ) خاص ہے (سیہ پوشی) کے ساتھ از روئے بلاغت (سوگ) ہی کی ضرورت تھی۔

فصلِ خزاں میں ہم کو رہا مے سے اجتناب لیکن بہار آتے ہی مے نوش ہو گئے

اصلاح عہدِ خزاں میں تھا ہمیں پینے سے اجتناب لیکن بہار آتے ہی مے نوش ہو گئے

(مے) کی تکرار سے بچانے کے لئے مصرع اولے میں تبدیلی فرمائی گئی۔

مولانا محمد متین صاحب شمسی سکندر پوری

ملتا نہیں ہے چین کبھی رات بھر مجھے رہتی ہے روز شام سے فکرِ سحر مجھے

اصلاح آئے قرار ہجر میں کیا رات بھر مجھے رہتی ہے روز شام سے فکرِ سحر مجھے

بے اصلاحی شعر میں (بے چینی) کا سبب نہیں ظاہر کیا گیا تھا (رات بھر) کے ساتھ (کبھی) رکھنا فضول تھا دونوں طرف لفظ (ہے) کی تکرار بری تھی انداز بیان بدل دینے سے یہ عیوب رفع ہو گئے اور مصرع اولے زیادہ چست بن گیا۔

گویا مری پسند کی دنیا بدل گئی ہر عیب عشق میں نظر آیا ہنر مجھے

اصلاح گویا مرے خیال کی دنیا بدل گئی ہر عیب عشق میں نظر آیا ہنر مجھے

(دنیائے خیال) کے ہوتے ہوئے (پسند کی دنیا) کہنا غیر ضروری ہے۔

مجھے جن دوستوں سے دل نوازی کی توقع تھی — وہ سو دشمن ہیں میرے ایک میں سو جوڑنے والے

اصلاح مجھے جن دوستوں سے دل نوازی کی توقع تھی — وہ سب غمّاز نکلے ایک میں سو جوڑنے والے

مصرع اولٰے میں فعل ماضی اور مصرع ثانی میں فعل حال تھا اصلاح سے یہ عیب دور ہو گیا (ایک میں سو جوڑنے) کی رعایت سے (غمّاز) (دشمن) کی جگہ مناسب ہے چوں کہ مصرع اولٰے میں (مجھے) موجود ہے اس لئے مصرع ثانی میں (میرے) بے کار تھا مصرع ثانی میں (ہیں) کی (ردیف) دبتی تھی اب مصرع مذکور کافی چست ہو گیا۔

لگایا ہو جس نے کبھی دل وہ جانے — لٹے دل لگی میں ہزاروں گھرانے

اصلاح لگایا ہو جس نے کبھی دل وہ جانے — مٹے دل لگی میں ہزاروں گھرانے

اگرچہ مطلع صحیح تھا لیکن اصلاح میں صرف ایک لفظ بدل دینے سے اور بلند ہو گیا لٹنے میں اور مٹنے میں جو خوبی ہے وہ ظاہر ہے۔

بڑے اپنے مطلب کے نکلے سیانے — لگے دل چُرا کر نگاہیں چُرانے

اصلاح بڑے اپنے مطلب کے نکلے سیانے — لگے دل چُرا کر وہ آنکھیں چُرانے

مطلع میں پہلے دو فعل موجود تھے لیکن فاعل ایک جگہ بھی نہ تھا اصلاح سے معلوم ہو گیا کہ از روئے فصاحت ایسے موقع پر ایک جگہ فاعل مذکور اور ایک جگہ مقدر ہونا چاہیے۔

وہ کرتے ہیں کریں میرے دلِ نخچیر کے ٹکڑے — جدا ہونے نہ پائیں دل سے لیکن تیر کے ٹکڑے

اصلاح وہ کرتے ہیں کریں میرے دلِ نخچیر کے ٹکڑے — مگر دل سے جُدا ہونے نہ پائیں تیر کے ٹکڑے

دوسرے مصرع میں ذرا روانی نہ تھی اور لفظ (لیکن) درمیان میں تھا اب روانی پیدا ہو گئی اور (مگر) ابتدائے مصرع میں آنے سے وہ ثقالت جاتی رہی۔

باغِ ہستی میں نرالا تھا فسانہ دل کا — پتّہ پتّہ نظر آیا ہمہ تن گوش مجھے

اصلاح باغِ ہستی میں وہ دل کش تھا فسانہ دل کا — پتّہ پتّہ نظر آیا ہمہ تن گوش مجھے

(نرالا) کی جگہ (دل کش) رکھنے سے مصرع ثانی مصرع اولٰے کے قریب تر آ گیا پتوں کے ہمہ تن گوش ہونے کی توجیہ کے لئے لفظ (وہ) بہ معنی (ایسا) بڑھا دیا گیا۔

اُن سے آنکھیں کیا ملیں ہم تم میں دونوں مل گئے — مجھ سے دل بھی اور دل سے میں بھی چھوٹا یا نہیں

عشق میں وہ رشتۂ اخلاص ٹوٹا یا نہیں — مجھ سے دل بھی اور دل سے میں بھی چھوٹا یا نہیں

شاعر کی مراد (دونوں) سے (میں) اور (دل) ہے لیکن معنی دیگر کا بھی احتمال ہوتا ہے گو وہ معنی واضح نہیں ہیں لفظ (دونوں) عاشق و معشوق کی طرف اشارہ کرتا ہے دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ جدائی کے لئے بربادی لازم نہیں ممکن ہے کہ زید اور بکر زندہ رہیں لیکن ایک دوسرے سے نہ مل سکیں ان کل باتوں پر لحاظ کر کے مصرع اولٰے کو بدل دیا طبیعت کا اقتضا یہ تھا کہ شعر مطلع بنا دیا جائے کیوں کہ زمین زیر بحث نئی اور ایک حد تک مشکل ہے۔

بیلی رام صاحب رام کشمیری

عجب کیا ہیں جو تیرے پاس گستا خانہ آ پہنچا — جہاں قائم ہوئی محفل وہیں پروانہ آ پہنچا

اصلاح — عجب کیا ہیں جو تیرے پاس گستا خانہ آ پہنچا — جہاں تو شمع کی چمکی وہیں پروانہ آ پہنچا

مطلع صحیح تھا لیکن محفل میں پروانے صرف اس سبب سے آتے ہیں کہ وہاں شمع ہوتی ہے اگر محفل نہ قائم ہو اور یوں ہی کسی جگہ شمع روشن کر دی جائے تو بھی پروانے اُس پر ٹوٹ پڑیں گے اصلاح کے بعد مصرع اولے اور مصرع ثانی کے باہمی ربط کی نوعیت بدل گئی۔

نہ پوچھو کس لئے آیا ہے کیوں آیا ہے دیوانہ — کھلا دیکھا درِ زنداں کو آزادانہ آ پہنچا

اصلاح — حقیقت پوچھتے ہیں لوگ کیا میری اسیری کی — کھلا دیکھا درِ زنداں کو آزادانہ آ پہنچا

شعر میں دو خرابیاں تھیں (۱) نہیں معلوم شاعر کس سے خطاب کر رہا تھا (۲) (آیا ہے آیا ہے آ پہنچا) اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا اصلاح سے یہ سب نقائص دور ہو گئے۔

راحت اللہ خاں صاحب آزل شاہ جہاں پوری

نہ ہو گی سہل تکمیل شہادت دستِ قاتل سے — یہ آسانی نظر آئے گی مجھ کو سخت مشکل سے

اصلاح — نکل جائے تمنائے شہادت تیغ قاتل سے — یہ آسانی نظر آئے گی مجھ کو سخت مشکل سے

(سہل) اور (آسان) ایک ہی مطلب کے لئے آئے تھے اصلاح میں ایک لفظ کم کر دیا گیا (تکمیل) کی جگہ (تمنا) رکھ دینے سے عاشق کے جذبات واضح ہو گئے اِس تبدیلی کے بعد بجائے (دست) لفظ (تیغ) کا استعمال اس لئے انسب ہو گیا کہ شہادت کو تیغ سے خاص مناسبت ہے۔

تکمیل ہو گئی یوں ہوتے ہوتے رسم قاتل سے — نگاہوں سے نگاہیں مل گئیں دل مل گیا دل سے

اصلاح — اب اُٹھ کر جا نہیں سکتے کہیں ہم اُن کی محفل سے — نگاہوں سے نگاہیں مل گئیں دل مِل گیا دل سے

مضمون یہ تھا کہ پہلے معشوق سے ہماری آنکھیں چار ہوئیں پھر دل سے دل ملا اِس طرح ہماری اُس کی دوستی ہو گئی بات درست تھی لیکن مصرع اول نامکمل تھا پڑھنے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس شخص کی رسم مکمل ہو گئی اصلاح میں رخ بدل گیا اب یہ ہے کہ نگاہوں سے نگاہیں ملتے ہی محبوب سے ہمارا دل مل گیا اِس کا اثر یہ ہوا کہ ہم محو ہو گئے اور محفلِ یار سے اُٹھنے کا امکان باقی نہ رہا پہلی صورت میں مصرع ثانی اِس بہتر معنی کا حامل تھا مگر اُس صورت میں مصرع اولے اِس کو ایک معمولی مطلب کی طرف لا رہا ہے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب برق بیاپوری

مر کے پروانہ شمع کو کیا کیا — شام سے صبح تک جلاتا ہے

اصلاح — جل کے پروانہ شمع محفل کو — شام سے صبح تک جلاتا ہے

مصرع اولے میں (کو کیا کیا) برا معلوم ہوتا تھا (شام سے صبح تک) معین تفصیل تھی اس کے ہوتے غیر معین تفصیل یعنی (کیا کیا) یوں بھی یہ الفاظ بے کار تھے (مر کے) کی جگہ (جل کے) رکھ دینے سے تجنس پیدا ہو گئی (شمع) کے لئے محفل کی تخصیص اس لئے ضروری تھی کہ شاعر نے اُس کے شام سے صبح تک جلنے کا مضمون باندھا ہے۔

میرے اظہارِ شوق پر کوئی　　　　روز رستہ مجھے بتاتا ہے

اصلاح　رہ نما بھی رہِ محبت میں　　　　روز رستہ مجھے بتاتا ہے

جب کسی کو کوئی دھوکا دیتا ہے تو اُس کے فریب کے لئے (رستہ بتانے) کا محاورہ استعمال ہوتا ہے محض اظہارِ شوق پر رستہ بتانا اچھا نہ تھا بر عایت (رستہ) اور (رہ نمائے رہِ محبت) بہت معقول بنایا گیا۔

مولوی حکیم محمد اسحاق صاحب رَونق گیاوی

چمن کی کیا ہوئی وہ نکہت و بو　　　　فدا گل کیوں ہیں زلفِ عنبریں پر

اصلاح　چمن والوں سے تم یہ راز پوچھو　　　　فدا گل کیوں ہیں زلفِ عنبریں پر

مصرع اولے میں (کیا ہوئی) جو کہا گیا تھا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ چمن سے خوشبو جاتی رہی یعنی فنا ہو گئی اس صورت میں زلفِ محبوب کی تعریف نہ ہوگی بلکہ ہجو ملیح ہوگی کہ چمن سے جب خوشبو غائب ہو گئی تو پھول زلف عنبر پر فدا ہونے لگے ورنہ ایسا نہ ہوتا شاعر کا مدعا تو زلفِ محبوب کو پھولوں پر ترجیح دینے کا ہے جب گل ہائے چمن خود ہی اُس کی زلف معنبر پر نثار ہو رہے ہیں تو ترجیح ظاہر ہے لیکن مصرع اولے نے اس تخیل میں خرابی پیدا کر دی تھی لہٰذا وہ بدل دیا گیا اصلاح میں جو محبوب سے خطاب کیا گیا وہ مفید بلاغت ہے کیوں کہ عاشق کا معشوق کے سامنے اِس کی تعریف کرنا مطلب سے خالی نہیں ہوتا۔

کہیں جادو یہ بھی جادو نہ چل جائے　　　　عجب عالم ہے چشمِ سرمگیں پر

اصلاح　جسے دیکھو اُسی کو دیکھتا ہے　　　　عجب عالم ہے چشمِ سرمگیں پر

شعر میں (چشمِ سرمگیں) کا (جادو) محض ادعائی تھا علاوہ اِس کے اس زیر بحث جادو پر کوئی جادو چل جانے کا قرینہ موجود نہ تھا اصلاح سے واضح ہو گیا کہ (چشمِ سرمگیں) سحر کار ہو یا نہ ہو لیکن اُس کی دل کشی بہر صورت مسلم ہے۔

مولوی شاہد حسن صاحب تسوز ناروی

اب یاد بھی دلانے سے آتا نہیں خیال　　　　دو دن میں آپ نے مجھے ایسا بھلا دیا

اصلاح　اب یاد بھی دلانے سے آتا نہیں ہوں یاد　　　　دو دن میں آپ نے مجھے ایسا بھلا دیا

لفظ (خیال) کے سُننے پر سامع خیال کی نوعیت کو نہ سمجھ سکے گا اور وہ فطرۃً دریافت کرے گا کہ کس چیز کا یا کس بات کا خیال اِس صورت میں صاف مطلب ادا نہیں ہوتا اصلاح سے مطلب واضح ہو گیا۔

تمھیں ہم عاشقو نسخہ تسخیر کا نسخہ بتاتے ہیں　　　　نگاہِ یاس و حسرت سے برابر دیکھتے جاؤ

اصلاح　اثر اے دردمندانِ محبت بالیقیں ہوگا　　　　نگاہِ یاس سے اُن کو برابر دیکھتے جاؤ

مصرع اولے میں (نسخہ تسخیر) بے کار تھا دوسرے یہ کہ عاشق کے لئے ہر وقت مایوس رہنا ضرور نہیں لفظ (دردمندانِ محبت) سے (یاس) کا قرینہ پیدا ہو گیا مصرع ثانی سے یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ صلاح دینے والا کس کی طرف دیکھنے کی صلاح دے رہا ہے اصلاح نے (یاس) کا مترادف (حسرت) کم کر کے ضروری لفظ (اُن کو) رکھ دیا اِس لفظ کی بہت ضرورت تھی بغیر اس خاص اشارے کے کوئی لطف نہ تھا اب ضعف تالیف کی خرابی جاتی رہی۔

اودھ کشور پرشاد صاحب کشتہ گیاوی

کبھی حسرت کبھی ارماں ہیں دل میں — کبھی مہماں سے خالی گھر نہیں ہے

اصلاح — کبھی پیکاں کبھی ارماں ہیں دل میں — غرض مہماں سے خالی گھر نہیں ہے

حسرت اور ارمان مترادف الفاظ ہیں اس لئے دونوں کے استعمال سے معنی میں کوئی اضافہ نہیں ہوا کبھی کی تکرار پہلے مصرع میں تو اچھی مگر دوسرے میں بُری تھی اِس سبب سے (کبھی) کی جگہ (غرض) کا لفظ اصلاح میں رکھ دیا گیا اب واضح ہوگیا کہ مصرع ثانی بطور نتیجہ بیان ہے۔

مریضِ ناتواں کو زور اتنا بھی بہت کچھ ہے — خیالِ یار کا دامن نہ چھوٹے زندگانی میں

اصلاح — مریضِ ناتواں کو یہ سہارا بھی بہت کچھ ہے — خیالِ یار کا دامن نہ چھوٹے زندگانی میں

مضمون کے اعتبار سے (زور) کی جگہ (سہارا) بہت خوب بنایا گیا اگرچہ (زندگی) کے ہوتے ہوئے نوح صاحب نے (زندگانی) کو ترک فرمادیا ہے لیکن جیسا کہیں اوپر لکھ چکا ہوں کہ اپنے شاگردوں کو اِن خصوصیات کی متابعت کے لئے مجبور نہیں کرتے۔

کرشمہ دیکھئے یہ ضبطِ غم کا — ستم گر اب ستم پرور نہیں ہے

اصلاح — دکھایا یہ اثر میری وفا نے — ستم پرور ستم پرور نہیں ہے

مصرع اولے میں (یہ) کہنے کے بعد مصرع ثانی میں (اب) بے کار تھا کیوں کہ اشارے کے لئے ان دو میں سے ایک کافی تھا علاوہ اِس کے مصرع اولے میں (دیکھئے) اور (یہ) متصل رکھنے سے تنافر پیدا ہوگیا تھا (ضبط غم) تو ممکن ہے کچھ کرشمہ نہ دکھا سکے لیکن (وفا) کا اثر یقیناً (ضبط) سے زیادہ ہوتا ہے معشوق کی جفا کے مقابلے میں عاشق کی وفا کا غالب ہونا بہتر مضمون ہے دوسرے مصرع میں بھی اصلاح نے ایک خاص روانی پیدا کردی۔

ہوئے جاں باز جب مرنے پہ راضی — تو اُن کے ہاتھ میں خنجر نہیں ہے

اصلاح — ہمیں شوقِ شہادت کھینچ لایا — تمھارے ہاتھ میں خنجر نہیں ہے

اصلاح نے شعر کو کہاں سے کہاں پہنچادیا عشّاق کو شایقِ شہادت ہونا چاہیئے نہ کہ مرنے پر محض راضی تخاطب سے مضمون موکد ہوگیا۔

عبدالحفیظ صاحب حفیظ الہ آبادی

نہیں مونس کوئی غربت میں میرا — دلِ درد آشنا ہے اور میں ہوں

اصلاح — کوئی مونس نہیں غربت میں میرا — دلِ درد آشنا ہے اور میں ہوں

مصرع اولے میں ترتیب الفاظ اچھی نہ تھی اس لئے بدل گئی۔

گھٹا ہے شیشہ ہے ساغر ہے مے ہے — کوئی نازک ادا ہے اور میں ہوں

اصلاح — گھٹا بھی باغ بھی ساغر بھی مے بھی — کوئی نازک ادا ہے اور میں ہوں

مصرع ثانی میں لفظ (ہے) تھا اور پہلے مصرع میں بھی کئی جگہ تھا لہٰذا (گھٹا) کے لطف دوبالا کرنے کے لئے (باغ) کا اضافہ فرمادیا اور (ہے) کی تکرار بھی مٹادی۔

حسینوں کی محبت میں شبِ غم ۔۔۔ حفیظ آہِ رسا ہے اور میں ہوں

اصلاح ۔۔۔ فرشتے آسماں کی خیر مانگیں ۔۔۔ حفیظ آہِ رسا ہے اور میں ہوں

محبت اور شبِ غم کی قیدوں کے دور ہو جانے سے مضمون جامع ہو گیا نئے مصرع کا اندازِ بیان تعریف سے مستغنی ہے اب آہِ رسا کی تاثیر ظاہر ہو گئی اور شعر میں غضب کا بانکپن پیدا ہو گیا۔

مرزا عثمان غنی صاحب غنیؔ الہ آبادی

وہی رودادِ رنج و غم وہی طرزِ فغاں میری ۔۔۔ سُنی ہے کس کے مُنھ سے آپ نے یہ داستاں میری

اصلاح ۔۔۔ وہی رودادِ رنج و غم وہی طرزِ فغاں میری ۔۔۔ سُنی ہے میرے مُنھ سے تم نے اکثر داستاں میری

مطلع پہلی صورت میں خاندانی رنگ سے ہٹا ہوا تھا صاف ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ مصرع اولےٰ اور مصرع ثانی میں کیا تعلق ہے اصلاح سے وہ ربط پیدا ہو گیا جو خاندانِ حضرت داغ کے کلام کا ایک خاص جوہر ہے۔

پریشاں کیوں ابھی سے ہو گئے سُن کر فغاں میری ۔۔۔ ذرا سنئے ادھوری رہ نہ جائے داستاں میری

اصلاح ۔۔۔ پریشاں وہ ابھی سے ہو گئے سُن کر فغاں میری ۔۔۔ مجھے ڈر ہے ادھوری رہ نہ جائے داستاں میری

کسی کی داستان سن کر کسی کا پریشان ہو جانا اختیاری فعل نہیں بلکہ اضطراری فعل ہوتا ہے اس لئے مصرع اولےٰ میں لفظ (کیوں) بلاغت کے خلاف تھا (مجھے ڈر ہے) اس ٹکڑے سے قلبی کیفیت بھی ظاہر ہو گئی اور ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ داستان کا اثر اس حد تک ہوا کہ اب سننے والے سے کہنے والا کچھ دیر تک خطاب نہیں کر سکتا کیوں کہ اب سُننے کی تاب سُننے والے میں باقی نہیں۔

رقیب روسیہ بھیجا گیا میرے بلانے کو ۔۔۔ جو بیٹھے بیٹھے اُن کو یاد آئی ناگہاں میری

اصلاح ۔۔۔ اُسی کے ساتھ ہی قصدِ ستم بھی کر لیا دل میں ۔۔۔ جو بیٹھے بیٹھے اُن کو یاد آئی ناگہاں میری

رقیب وغیرہ کے مضامین اب مبتذل سمجھے جاتے ہیں علاوہ اس کے یہ پتہ نہیں چلتا کہ بُلانے کے لئے بالخصوص (رقیب) ہی کیوں بھیجا گیا پھر دونوں جانب (کو) برا معلوم ہوتا ہے اصلاح سے یہ عیوب بھی نکل گئے اور معشوق کا سنگ دل ہونا واضح ہو گیا۔

تمنا تھی مجھے اظہارِ دردِ غم کی مدت سے ۔۔۔ مگر اب کیوں نہیں کُھلتی نہیں کُھلتی زباں میری

اصلاح ۔۔۔ تمنا تھی مجھے اظہارِ دردِ غم کی مدت سے ۔۔۔ مگر اب کیوں نہیں کُھلتی ترے آگے زباں میری

نہیں کُھلتی نہیں کُھلتی ایک (نہیں کُھلتی) بے کار تھی اس کی جگہ (ترے آگے) رکھ دینے سے اندازِ بیان میں انداز پیدا ہو گیا یعنی زبان کے نہ کُھلنے کی ایک وجہ ظاہر ہو گئی۔

عبدالجلیل صاحب مائل بنگلوری

ظالم ستم شعار دغا باز بے وفا ۔۔۔ جتنا سمجھ رہا ہوں میں اُس سے سوا ہیں آپ

اصلاح ۔۔۔ ظالم ستم شعار دغا باز بے وفا ۔۔۔ جتنا سمجھ رہے ہیں ہم اُس سے سوا ہیں آپ

مصرعِ ثانی میں لفظ (میں) کی (ی) دبتی تھی اصلاح سے ایک ضمنی فائدہ یہ بھی ہوا کہ مظلومیت کے حکم میں زیادہ لوگوں کے آجانے سے (ظالم) کی ستم شعاری اظہر ہو گئی۔

حافظ امداد حسن خاں صاحب حسنؔ الہ آبادی

تیرے سودائی کی صورت قابلِ تصویر ہے — طوق گردن میں پڑا ہے پانوں میں زنجیر ہے

اصلاح — دید کے قابل اسیرِ عشق کی تصویر ہے — طوق گردن میں پڑا ہے پانوں میں زنجیر ہے

قابلِ تصویر کے معنی تصویر اتار لینے کے قابل نہیں ہو سکتے اس لئے ترمیم کی گئی۔

بولتی ہوتی تو کیا جانے ستم ڈھاتی یہ کیا — اس کی خاموشی قیامت ہے غضب تصویر ہے

اصلاح — بولتی ہوتی تو کیا جانے ستم ڈھاتی یہ کیا — اس خموشی میں قیامت آپ کی تصویر ہے

پہلی صورت میں دوسرا مصرع الجھا ہوا تھا اب صاف ہو گیا اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ وہ تصویر آپ کی ہے۔

دشنو شنکر صاحب وشنو لکھنوی

آرزوؤں کا اثر ہر عاشقِ کامل میں ہے — عشق میں کامل وہی ہے جذب جس کے دل میں ہے

اصلاح — یوں تو خوبی کچھ نہ کچھ ہر عاشقِ کامل میں ہے — عشق میں کامل وہی ہے جذب جس کے دل میں ہے

مصرع اولے معنی کے اعتبار سے نامکمل تھا مصرع ثانی میں لفظ (لیکن یا مگر) مقدر ہے اس لئے پہلے مصرع میں ایسے لفظ کی ضرورت ہے جو معنی کی طرف ہدایت کر سکے اصلاح سے یہ خرابیاں دور ہو گئیں (یوں تو) سے مصرع ثانی کے مضمون کی طرف اشارہ ہو گیا۔

مصطفٰے خاں صاحب ناظر

زوال سے یہ کامل کے ہو گیا ظاہر — رہے ہمیشہ کسی کا شباب مشکل ہے

اصلاح — زوال سے یہ کامل کے ہو گیا روشن — رہے ہمیشہ کسی کا شباب مشکل ہے

شعر پہلے بھی صحیح تھا لیکن (ظاہر) کی جگہ (روشن) رکھ دینے سے خاص بات پیدا ہو گئی۔

کیا بتائیں دل لگا کر آپ سے کیا کیا کیا — آہ کی نالہ کیا شیون کیا فریاد کی

اصلاح — کیا بتائیں دل لگانے پر رہا کیا مشغلہ — آہ کی نالہ کیا شیون کیا فریاد کی

مصرع اولے میں ژولیدگی ہے (آپ سے) درمیان رہ کر معنی کو بگاڑ رہا ہے ایک تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ (آپ سے دل لگانے) سے مختلف نتائج پیدا ہوئے دوسرے یہ معنی بھی لئے جا سکتے ہیں کہ (دل لگانے کے بعد ہم نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ناقابلِ بیان ہے موخر الذکر معنی رکیک یعنی ذم کا پہلو لئے ہوئے ہیں علاوہ اس کے مصرع اولے کا لفظ (کیا) مصرع ثانی کے الفاظ (کی کیا کیا کی) سے پہلے بُرا معلوم ہوتا ہے اصلاح سے یہ سب عیوب رفع ہو گئے اور انداز بیان میں یہ خوبی پیدا ہو گئی کہ مصرع اولے میں فعل لازم اور مصرع ثانی میں فعل متعدی آ گیا۔

سید سرور علی صاحب سرور الہ آبادی

ازل سے یاد مے خانے کی تھی مے خانہ یاد آیا — نکلتے وقت میری روح کو پیمانہ یاد آیا

اصلاح — ازل سے یاد مے خانے کی تھی مے خانہ یاد آیا — دمِ آخر بھی میری روح کو پیمانہ یاد آیا

(نکلتے وقت) کی جگہ (دمِ آخر) کہنے سے معنی میں وضاحت آ گئی لفظ (بھی) کے اضافے سے معنی موکد ہو گئے۔

فضائے لالہ و گل میں اگر مے خانہ یاد آیا — ہوئی توبہ کو گردش دور میں پیمانہ یاد آیا

اصلاح — فضائے لالہ و گل میں مجھے مے خانہ یاد آیا — ہوئی توبہ کو گردش خود بخود پیمانہ یاد آیا

اصل مطلع میں کئی خرابیاں تھیں (۱) دونوں جانب لفظ (میں) تھا (۲) یاد اُسے کرتے ہیں جو سامنے موجود نہ ہو لیکن کہا گیا تھا (کہ دور میں پیمانہ یاد آیا) جب شراب کا دور جاری تھا تو پیمانہ بھی موجود تھا پھر اُس کا یاد آنا کیوں کر کہا جا سکتا تھا (۳) جب فعل ماضی کے ساتھ حرف شرط (اگر) آتا ہے تو فعل مذکور دراصل فعل ماضی نہیں ہوتا بلکہ فعل مضارع کے معنی دیتا ہے ماضی سے مراد ماضی مطلق ہے ایک لفظ (خود بخود) نے سارے عیوب کو مٹا دیا۔

راہِ الفت میں ہماری عمر گو آخر ہوئی — دور ہیں لیکن ابھی تک منزلوں منزل سے ہم

اصلاح — وادیِ الفت میں اپنی عمر آخر ہو گئی — دور ہیں لیکن ابھی تک منزلوں منزل سے ہم

(راہِ الفت) کی جگہ (وادیِ الفت) اور مصرع ثانی میں لفظ (ہم) کے ہوتے مصرع اولیٰ میں (ہماری) کی جگہ (اپنی) بہتر ہے از روئے محاورہ (ہو گئی) کہنا چاہیئے تھا۔

جان محمد صاحب انور گوالیاری

اُن کو وفا کی دنیا میں یاد بہت ہم آئیں گے — اب تو ستاتے ہیں ہم کو بعد کو پھر پچھتائیں گے

اصلاح — عشق و وفا کی دنیا میں یاد بہت کچھ آئیں گے — ہم کو ستاتے ہیں وہ ابھی بعد کو پھر پچھتائیں گے

مطلع میں لفظ (ہم) اور (کو) دوبارہ سہ بارہ آئے ہیں اور یہ تکرار لفظی مفید معنی نہیں اصلاح کے بعد جو الفاظ کی ترتیب ہو گئی ہے اِس سے بہتر ممکن نہیں مصرع اولیٰ میں (آئیں گے) فعل کا فاعل مقدر ہے لیکن اِس میں عیب نہیں کیوں کہ اِس کے بعد فوراً یعنی مصرع ثانی کے بالکل شروع میں اُس ذات کا ذکر ہو گیا ہے جو فعل (آئیں گے) کا فاعل ہے اِسی طرح مصرع ثانی میں لفظ (وہ) (ستاتے ہیں) اور (پچھتائیں گے) کے درمیان میں آ کر دونوں طرف کام دے رہا ہے۔

طفیل احمد صاحب ارمان شاہ جہاں پوری

الاماں مانگوں نہ کیوں اُس شوخ کی تحریر سے — خط بھی لکھتا ہے جو وہ مجھ کو تو نوکِ تیر سے

اصلاح — الاماں مانگوں نہ کیوں بے درد کی تحریر سے — خط بھی لکھتا ہے جو وہ مجھ کو تو نوکِ تیر سے

مصرع ثانی میں لفظ (وہ) کے ہوتے ہوئے مصرع اولیٰ میں (اُس) کی ضرورت نہ تھی از روئے بلاغت نوکِ تیر سے خط لکھنے والے کو شوخ نہیں بلکہ بے درد کہنا چاہیئے تھا۔

کیمیا میرے لئے خاکِ درِ محبوب ہے — اور کیا اکسیر ہو گی بڑھ کے اِس اکسیر سے

اصلاح — کیمیا میرے لئے خاکِ درِ محبوب ہے — خاک اب اکسیر ہو گی بڑھ کے اِس اکسیر سے

شعر پہلے بھی صحیح تھا اصلاح کے بعد معنی میں زور آ گیا اور لفظ (خاک) کے استعمال کے بعد خاک کے محاورے نے اکسیر کے لئے ایک بات پیدا کر دی۔

وفا صاحب جیوری

نکلنے کو نہیں کہتی جو حسرت ہے مرے دل میں — محبت کر کے یا رب پڑ گیا ہوں سخت مشکل میں

اصلاح — نکلنے کو نہیں کہتی جو حسرت ہے مرے دل میں — محبت کر کے یا رب پھنس گیا میں سخت مشکل میں

اصلاح سے معنی میں ترقی ہو گئی کیوں کہ مشکل میں پڑ جانے سے آدمی اتنا پریشان نہیں ہوتا جتنا پھنس جانے سے ہوتا ہے پھنس جانے کا مفہوم یہ ہے کہ اب رہائی دشوار ہے مصرع ثانی سے لفظ (ہوں) کم

کم دیا گیا اور (میں) رکھ دیا گیا اس کی وجہ سے ترکیب چست ہو گئی۔

نہ کوئی آرزو نکلی نہ کوئی مدعا نکلا — ہے دل کا مدعا دل میں ہے دل کی آرزو دل میں

اصلاح — نہ کوئی آرزو نکلی نہ کوئی مدعا نکلا — کہ دل کا مدعا دل میں ہے دل کی آرزو دل میں

مصرع ثانی میں (ہے) کی تکرار بے کار تھی اور جس شانِ تلفظ کے ساتھ مذکور نظم ہوا ہے وہ ابتدا میں بُری معلوم ہوتی تھی کیوں کہ (ہے) دب جاتی تھی اس ترمیم سے یہ عیب رفع ہو گیا۔

دل کا گیا ہے رہا رہا نہ رہا — ایسے کا اعتبار کون کرے

اصلاح — دل ہمارا رہا رہا نہ رہا — ایسے کا اعتبار کون کرے

(کا کیا) پڑھنے میں (کگیا) ہو جاتا تھا اب ترمیم سے صاف ہو گیا۔

دشمنوں سے دوستی ہے دوستوں سے اجتناب — اپنی عادت اپنا ڈھنگ اپنا قرینہ دیکھئے

دشمنوں سے دوستی ہے دوستوں سے دشمنی — اپنی عادت اپنا ڈھنگ اپنا قرینہ دیکھئے

(اجتناب) کی جگہ (دشمنی) رکھ دینے سے مصرع اولےٰ میں خوب صورت تقابل پیدا ہو گیا۔

الہ یار خاں صاحب برّیاں الہ آبادی

مژدۂ جاں فزا یہ بادِ صبا لائی ہے — باغِ عالم میں نئے سر سے بہار آئی ہے

اصلاح — مژدۂ روح فزا بادِ صبا لائی ہے — باغِ عالم میں نئے سر سے بہار آئی ہے

مصرع اولےٰ میں (فزا) کا الف دبتا تھا (جاں) کی جگہ (روح) بنانے اور لفظ (یہ) کم کر دینے سے عیب رفع ہو گیا (یہ) کی ضرورت بھی نہ تھی۔

کون کہتا ہے کہ میں قبر میں تنہا آیا — میری حسرت بھی مرے ساتھ ہی ساتھ آئی ہے

اصلاح — یہ تو کہتا نہیں مرقد میں اکیلا ہوں میں — میری حسرت بھی مرے ساتھ ہی ساتھ آئی ہے

استفہام انکاری کا استعمال جہاں تک ممکن ہو نہ کرنا چاہئے کیوں کہ اس طرز ادا سے اکثر اوقات وضاحت میں کمی آجاتی ہے پہلے مصرع میں یہ معنی بھی نکلتے ہیں کہ کوئی نہیں کہتا کہ میں قبر میں تنہا آیا یہ ایک عام بات ہو گئی اپنی ذات کی خصوصیت باقی نہ رہ گئی علاوہ اِس کے (تنہا آیا) سے ایک وقت مخصوص کی کیفیت ظاہر ہوتی تھی (اکیلا ہوں) کہنے سے وقت کی وہ قید نہ رہی اِس لئے کہ مرقد میں آدمی قیامت تک رہے گا مصرع ثانی میں جو تاکید پائی جاتی ہے اُس کی رعایت سے مصرع اولےٰ میں لفظ (تو) بہت خوب بڑھایا گیا ہے۔

ضبط سے کام لے تو نالہ نہ کر اے برّیاں — اس میں تیری بھی ہے اور اُس کی بھی رسوائی ہے

اصلاح — ضبط سے کام لے فریاد نہ کر اے برّیاں — اس میں تیری بھی ہے اور اُس کی بھی رسوائی ہے

(نالہ نہ کر) اس میں ضمیر مستتر تھی اس لئے تو رکھنے کی ضرورت نہ تھی اور یہ وجہ بھی تھی کہ مصرع ثانی میں لفظ (تیری) موجود ہے۔

انوار الحسن صاحب نوؔر آروی

ساقی پلا دے جام مے خوش گوار کا — آتا ہوا زمانہ ہے فصلِ بہار کا

اصلاح — ساقی پلا دے جام مے خوش گوار کا — آیا ہے سال بھر میں زمانہ بہار کا

فصل کی ضرورت نہ تھی (سال بھر میں) بڑھا دینے سے درخواست کی مقبولیت ظاہر ہوگئی اور مے طلب کرنے کا سبب معلوم ہوگیا

پوچھو نہ حال اُس کے دلِ بے قرار کا — مارا ہوا جو ہو نگہِ شرم سار کا

اصلاح — کیا کہئے حال اُس کے دلِ بے قرار کا — مارا ہوا جو ہو نگہِ شرم سار کا

یہ نہیں ظاہر ہوتا تھا کہ (نہ پوچھو) کس سے بطور خطاب کہا گیا یہ طرز پسندیدہ نہیں اس لئے اس کی جگہ (کیا کہئے) رکھا گیا علاوہ نقص رفع ہونے کے دلِ بے قرار کی اہمیت بڑھ گئی۔

حبیب احمد صاحب عیشؔ باشندۂ کوٹھا ضلع الہ آباد

لٹ گیا دل ہمارا محفل میں — اُن کے حسن و جمال نے مارا

اصلاح — زندہ رہنا مجھے ہوا مشکل — اُن کے حسن و جمال نے مارا

(حسن و جمال نے مارا) اس کا تعلق لٹ جانے سے کچھ نہ تھا محفل کی بھی ضرورت نہ تھی انھیں وجوہ سے ترمیم کی گئی یعنی مصرع اولیٰ بدل دیا گیا۔

چھایا سیاہ ابر کہ پیدا ہوئی اُمنگ — بوندیں پڑیں کہ کھل گئی بوتل شراب کی

اصلاح — بدلی اُٹھی فلک پہ کہ پیدا ہوئی اُمنگ — بوندیں پڑیں کہ کھل گئی بوتل شراب کی

پہلے مصرع میں کسی قدر کمزوری تھی ترمیم سے وہ دور ہوگئی اب دونوں مصرعے برابر کے ہوگئے۔

عزیز خاں صاحب یوسف زئی عزیزؔ مرزاپوری

آگ سینے میں لگی دل بھی مرا خاک ہوا — بجلیاں ایسی گرائیں تری انگڑائی نے

اصلاح — آگ سینے میں لگی خاک ہوا دل جل کر — بجلیاں ایسی گرائیں تری انگڑائی نے

(بھی) کہنا اُس وقت درست ہوتا جب دوسرا واقعہ بطور اضافہ بیان کیا جاتا دل سینے میں ہوتا ہے اس لئے جب سینے میں آگ لگے گی تو دل ضرور جل جائے گا یعنی پہلا واقعہ سبب ہے اور دوسرا مسبب لفظ (بھی) کے استعمال کا یہ موقع نہیں ہے۔

یہ کیا کہا اب ترے پہلو سے جائیں گے — اک تیر اور دل پہ مرے تم لگا چلے

اصلاح — یہ کیا کہا کہ جائیں گے اب دشمنوں کے گھر — اک تیر اور تم مرے دل پر لگا چلے

(اور) سے پہلی صورت میں کوئی معنوی فائدہ نہ تھا اصلاح سے ظاہر ہوگیا کہ عاشق کے دل پر دو صدمے تھے اول معشوق کی جدائی دوم اُس کا رقیب کے گھر جانا مصرع ثانی میں ترتیب الفاظ کے بدل جانے سے (پہ) کی جگہ پورا لفظ (پر) لانے کی گنجائش ہوگئی۔

اب رکھ دیا ہے در پہ تو اٹھنا محال ہے — میری جبیں نہیں کہ ترا آستاں نہیں

اصلاح — جُھک کر سرِ نیاز کا اٹھنا محال ہے — میری جبیں نہیں کہ ترا آستاں نہیں

مصرع اولیٰ میں تانیث (جبیں) کی رعایت نہیں رکھی تھی اس باعث سے مصرع مذکور میں اعتراض کا پہلو تھا اصلاح میں سرِ نیاز کا لفظ خاص ہے اور قابلِ غور ہے مصرع کی شان اس ترمیم سے دونی ہوگئی۔

لازم یہ ہے مرے جگر و دل فغاں کریں — وہ پوچھتے ہیں درد کہاں ہے کہاں نہیں

اصلاح — اس کے جواب میں جگر و دل فغاں کریں
وہ پوچھتے ہیں درد کہاں ہے کہاں نہیں

(لازم یہ ہے) یہ ٹکڑا بے کار تھا الفاظ (اس کے جواب میں) رکھ دینے سے شعر بالکل نیا ہوگیا کیا خوب اصلاح ہے۔

اعمال الدین صاحب اعمالؔ ساکن اجھوہ

عار کیوں آئے نہ مجنوں کو دم جوشِ جنوں
پردہ پوشی ہے مرے جامے کی عریانی میں

اصلاح — رازِ الفت کا دمِ جوشِ جنوں بھی نہ کھلا
پردہ پوشی تھی مرے جامے کی عریانی میں

(لفظ عار) خدا جانے کس مصلحت سے تھا جس کے سبب سے پورا مصرع مضمون کے لحاظ سے اُلجھ کر رہ گیا اصلاح سے باوجود (عریانی) پردہ پوشی کا ثبوت کس حسن و خوبی سے بہم پہنچ گیا۔

کوئی گُل رو پئے گل گشتِ چمن آئے گا
باغ باں آج ہے پھولوں کی نگہ بانی میں

اصلاح — بالیقیں وہ پئے گل گشت چمن آئیں گے
باغ باں آج ہے پھولوں کی نگہ بانی میں

اصل شعر کے لفظ (کوئی) سے معلوم ہوتا ہے کہ قائل ایک غیر متعلق شخص ہے اصلاح سے ظاہر ہوگیا کہ عاشق نے اپنے تعلق خاطر کی وجہ سے ایک عام واقعہ کو اہمیت دے دی ہے اب مضمون میں لطافت پیدا ہوگئی۔

ہوا ہوش کب ہم کو بے ہوش ہو کر
جدھر دیکھتے تھے اُدھر دیکھتے ہیں

اصلاح — رہا اس قدر ہوش بے ہوش ہو کر
جدھر دیکھتے تھے اُدھر دیکھتے ہیں

شعر میں معمولی مضمون تھا یعنی سکتے کے عالم میں جس طرف نظر اُٹھ گئی وہ اسی طرف رہی اصلاح سے حسن پیدا ہوگیا اب معنی یہ ہوئے کہ ہمارے سکتے کو معمولی سکتہ نہ سمجھنا ہم عقل سے کام لے کر ایک ہی جانب دیکھ رہے ہیں یعنی دیدارِ محبوب کا لطف ہم کو آرہا ہے۔

یہی دل وہ ہے جس کی تم تاک میں ہو
اسی پر تمہاری نظر دیکھتے ہیں

اصلاح — ہمارا بھی دل ایک ہے سیکڑوں میں
اسی پر تمہاری نظر دیکھتے ہیں

اب مصرع اولے میں متانت آگئی (ایک ہے سیکڑوں میں) کہنے سے (دل) کی تعریف بھی زوردار ہوگئی اور نظر پڑنے کا سبب بھی ظاہر ہوگیا۔

مرے دل کی الٰہی خیر ہو مجھ کو یہی ڈر ہے
وفورِ غم سے گھُل کر بجھ نہ جائے چشمِ گریاں سے

اصلاح — مرے دل کی الٰہی خیر ہو مجھ کو یہی ڈر ہے
وفورِ غم میں گھُل کر بجھ نہ جائے چشمِ گریاں سے

مصرع ثانی میں دو (سے) آگئے تھے پہلا کم کر کے (سے) کی جگہ (میں) بنا دیا گیا اب سماعت پر گراں نہیں۔

ہمیں ہے اب یہیں رہنا یہیں جینا یہیں مرنا
نکلنے کو تو ہم سو بار نکلے بزمِ جاناں سے

اصلاح — ہمیں پھر بھی یہیں رہنا یہیں جینا یہیں مرنا
نکلنے کو تو لاکھوں بار نکلے بزمِ جاناں سے

مصرع اولے میں (ہمیں) موجود تھا اس لئے مصرع ثانی میں ہم کہنے کی ضرورت نہ تھی لفظ مذکور کو خارج کرنے سے (سو) کی جگہ (لاکھوں) رکھنے کی گنجائش ضمناً نکل آئی اور اس سے معنی میں اضافہ ہوگیا مصرع اولے سے لفظ (ہے) کم کر دینے پر عبارت میں زور پیدا ہوگیا یعنی مصرع ثانی کے لفظ (تو) کی رعایت سے مصرع اولے

میں (ہے اب) کی جگہ (پھر بھی) بہت خوب بنایا گیا۔

نظر رکھتے ہیں کیوں ہم وادیٔ غربت میں پہلو پر — نکل کر دل رفو چکر نہ ہو چاکِ گریباں سے

اصلاح — نظر رکھتے ہیں کیوں ہم وادیٔ وحشت میں پہلو پر — نکل کر دل کہیں چلتا نہ ہو چاکِ گریباں سے

متانت زبان کے خیال سے (رفو چکر) کم کر دیا گیا لفظ (کہیں) کے اضافے سے معنی میں وضاحت بڑھ گئی۔

خلیل الرحمٰن صاحب شعلہ دہلوی

جب پریشاں یار کی زلفِ دوتا ہو جائے گی — جان لیوا عشق میں کالی بلا ہو جائے گی

اصلاح — جب پریشاں رخ پہ وہ زلف دوتا ہو جائے گی — جان لیوا عشق میں کالی بلا ہو جائے گی

لفظ (یار) بغیر ترکیب فارسی کے اچھا نہیں معلوم ہوتا علاوہ اس کے زلفِ دوتا کے پریشان ہونے کے لئے رخ کی بھی ضرورت تھی۔

دل لگی دل کے لئے پیکِ قضا ہو جائے گی — جان کی خواہاں حسینوں کی ادا ہو جائے گی

اصلاح — دل لگی دل کے لئے وجہِ قضا ہو جائے گی — جان کی گاہک حسینوں کی ادا ہو جائے گی۔

پیکِ قضا ایک عام ترکیب تھی خواہاں اور گاہک میں جو لطیف فرق ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔

نگاہِ ناز میں وہ ہلکی ہلکی جنبشِ شوخی — ہے گویا معنیٔ بے لفظ و شرح مختصر دیکھو

نگاہِ ناز میں ہیں ہلکی ہلکی گردشیں کیا کیا — ذرا تم معنیٔ بے لفظ و شرح مختصر دیکھو

(جنبشِ شوخی) کا ٹکڑا بے جوڑ تھا علاوہ اس کے دوسرے مصرع میں (ہے گویا) کی (ی) دبتی تھی (ہے) پہلے خواہ دوسرے مصرع کے شروع میں آئے تو (ی) کا اعلان بخوبی ہونا چاہئے اصلاح سے یہ دونوں عیوب مٹ گئے اور چستی پیدا ہو گئی۔

حکیم سید ضمیر حسین عرف محمد اطہر صاحب زیبا ناروی

حسیں دوسرا کوئی ایسا نہیں ہے کسی اور پر کیا اٹھیں اب نگاہیں
زمانے میں جب ایک تم منتخب ہو تمھیں ہم نہ چاہیں تو پھر کس کو چاہیں

اصلاح — حسیں دوسرا کوئی ایسا نہیں ہے کسی اور پر کیا اٹھیں اب نگاہیں
زمانے میں بس ایک تم منتخب ہو تمھیں ہم نہ چاہیں تو پھر کس کو چاہیں

صرف ایک لفظ کی اصلاح ہے یعنی (جب) کی جگہ (بس) بنا دیا گیا لیکن کس قدر روانی آگئی۔

وہ شیشہ کہ پڑا جس پہ ترے حسن کا سایہ — دنیائے محبت میں خدا میرے لئے ہے

اصلاح — وہ دل کہ پڑا جس پہ ترے حسن کا سایہ — دنیائے محبت میں خدا میرے لئے ہے

(شیشے) کی جگہ لفظ (دل) رکھ دینے سے کیا بلاغت پیدا ہو گئی دل کا تعلق جو محبت اور حسن سے ہے وہ فطری ہے۔

یہ بدلی ہوئی رُت یہ ہوائیں یہ گھٹائیں — پینے کا زمانہ ہے کہ توبہ کا زمانہ

اصلاح — یہ نکھری ہوئی رُت یہ طرب خیز گھٹائیں — پینے کا زمانہ ہے کہ توبہ کا زمانہ

(بدلی ہوئی رُت) میں وہ بات نہ تھی جو (نکھری ہوئی رُت) میں پیدا ہو گئی (یہ ہوائیں یہ گھٹائیں) یہ ٹکڑا بہ نسبت پہلے ٹکڑے کے بہت کم زور تھا رُت میں بھی صفت مقدم تھی اور اب گھٹائیں کے لئے بھی

صفت مقدم (طرب خیز) کا لفظ آگیا۔

بند بابِ مے کدہ ہرگز نہ ہوگا حشر تک — محتسب یہ بھی کوئی توبہ کا دروازہ ہوا

اصلاح — بند بابِ مے کدہ ساقی کرے کیوں حشر تک — محتسب یہ بھی کوئی توبہ کا دروازہ ہوا

ہوگا اور ہوا یہ دونوں لفظ قریب قریب ایک تھے لفظ ساقی کے رکھ دینے سے ترکیب اور معنی میں زور پیدا ہوگیا

وہ حسیں کہتے ہیں کب یہ رائے قائم ہوسکی — حسنِ روز افزوں کا اب تک کس کو اندازہ ہوا

اصلاح — وہ حسیں کہتے ہیں میں یہ رائے قائم کیا کروں — حسنِ روز افزوں کا اب تک کس کو اندازہ ہوا

پہلے مصرع میں (کب) اور دوسرے مصرع میں (اب تک) اچھا نہ معلوم ہوتا تھا اصلاح نے ایک خاص بانکپن پیدا کردیا

حافظ ریاض احمد صاحب ریاض ناروی

فخرِ رسالت فخرِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم — کل نبیوں سے افضل اعظم صلے اللہ علیہ وسلم

اصلاح — فخرِ رسالت فخرِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم — بہتر برتر افضل اعظم صلے اللہ علیہ وسلم

پہلی صورت میں ذرا اور نبیوں کی توہین کا پہلو نکلتا تھا اب برابر کے الفاظ رکھنے سے وہ بات بھی جاتی رہی اور تناسب بھی آگیا۔

جب ہوئے پیدا شاہِ دوعالم آنے لگی آواز پیہم — صلے اللہ علیہ وسلم صلے اللہ علیہ وسلم

اصلاح — سارا عالم ہوگیا شیدا ہوگئے جب عالم میں پیدا — صلے اللہ علیہ وسلم صلے اللہ علیہ وسلم

اصلی صورت میں مطلع ہونے کا بھی دھوکا ہوتا تھا کیوں کہ بے ردیف کی اکثر زمینوں میں بھی شعر کہے جاتے ہیں تقابل ردیف تو اسے نہیں کہہ سکتے مگر یہ شکل کچھ اچھی نہیں علاوہ اس کے (آنے لگی آواز پیہم) اس کا نتیجہ کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا اب مطلب صاف ہوگیا اور وہ خرابی بھی رفع ہوگئی۔

اسی طرح کچھ اصلاحیں حافظ صاحب کے اور شعروں پر بھی ہیں جن کی تشریح کی چنداں ضرورت نہیں مبصر نگاہیں آسانی سے اندازہ کریں گی صرف شعر اور اصلاح لکھے دیتا ہوں۔

حبیب و محبوب کبریا ہو درود تم پر سلام تم پر — شرف میں ہر ایک سے سوا ہو درود تم پر سلام تم پر

اصلاح — حبیب و محبوب کبریا ہو درود تم پر سلام تم پر — شرف میں سب سے تمھیں سوا ہو درود تم پر سلام تم پر

تمھارے رتبے ہیں سب سے اعلیٰ تمھارے درجے ہیں سب سے اعلیٰ — خدا کے نزدیک جانے کیا ہو درود تم پر سلام تم پر

اصلاح — تمھارے رتبے ہیں سب سے اعلیٰ تمھارے درجے ہیں سب سے بالا — خدا نہیں جلوۂ خدا ہو درود تم پر سلام تم پر

وہ کہتے ہیں سناؤ داستانیں پھر مصیبت کی — کہانی غم کی قصہ درد کا روداد الفت کی

اصلاح — وہ کہتے ہیں سناؤ سرگذشت اپنی مصیبت کی — فسانے غم کے قصے درد کا روداد الفت کی

وہ آئے تھے پہلو میں گیا جان کر — ذرا میں نے چھیڑا خفا ہوگئے

اصلاح — ہمیشہ یہ عادت تمھاری رہی — ذرا میں نے چھیڑا خفا ہوگئے

یہ عالم رہا مدتوں عشق میں — حسیں جس کو دیکھا فدا ہوگئے

اصلاح — یہ عالم ہیں عالم ہمارا رہا — حسیں جس کو دیکھا فدا ہوگئے

دو روزہ زیست کا ہم فلسفہ نہ سمجھے تھے — جو مر گئے تو ہمیں مر کے یہ ہوا معلوم

اصلاح — مآل عمر دو روزہ کا اپنی کچھ بھی نہ تھا — جو مر گئے تو ہمیں مر کے یہ ہوا معلوم

اُسی کا عشق ہے دنیائے اہل الفت میں — جسے خدائی بھی ہونے لگے خدا معلوم

اصلاح — اُسی کا عشق ہے قدر و لحاظ کے قابل — جسے خدائی بھی ہونے لگے خدا معلوم

یہی تو رازِ حقیقت کا ایک پردہ ہے — خودی جو مٹ گئی ہونے لگا خدا معلوم

اصلاح — یہی تو رازِ حقیقت کا ایک پردہ تھی — خودی جو مٹ گئی ہونے لگا خدا معلوم

فدائے یار ہوئے جو فدائے یار رہے — وہی تو عشق کی دنیا میں باوقار رہے

اصلاح — فدائے یار ہوئے جو فدائے یار رہے — وہی وفائے محبت میں ذی وقار رہے

کس لئے آپ علاجِ دلِ شیدا نہ کریں — پہلے بیمار کیا ہے تو اب اچھا نہ کریں

اصلاح — کس لئے آپ علاجِ دلِ شیدا نہ کریں — پہلے بیمار کیا اب اسے اچھا نہ کریں

آئی تو یاد کب مری اُس گل عذار کو — دیکھا جو رہ گذر میں کسی کے مزار کو

اصلاح — آئی ہماری یاد تغافل شعار کو — دیکھا جو رہ گذر میں کسی کے مزار کو

کہنے لگی کہ آج یہ اکسیر ہو گیا — جب وہ اُڑا چکے مرے مشتِ غبار کو

اصلاح — کہنے لگے یہ خاک سے اکسیر ہو گیا — جب وہ اُڑا چکے مرے مشتِ غبار کو

ہم کھڑے ہیں کب سے کوہِ طور پر — اُن کا جلوہ کیوں نظر آتا نہیں

اصلاح — ہم کھڑے ہیں کب سے کوہِ طور پر — اُس کا جلوہ اب نظر آتا نہیں

جی بجا ہے جفا نہیں کرتے — شکوۂ غم پہ کیا نہیں کرتے

اصلاح — جی بجا ہے جفا نہیں کرتے — وہ مرے دل پہ کیا نہیں کرتے

عشق تیرا ذکر تیرا صرف میرے دل میں ہے — اور کیا ہے الفتِ اغیار تیرے دل میں ہے

اصلاح — صرف تیرا درد تیری یاد میرے دل میں ہے — اور جو اس کے علاوہ ہے وہ تیرے دل میں ہے

یہ اپنی عمر میں ہم نے عجیب کام کیا — کہ جان و دل کو ترے عشق میں تمام کیا

اصلاح — یہ ہم نے جوشِ محبت میں خوب کام کیا — تمام خود بھی ہوئے دل کو بھی تمام کیا

نئی صورت نیا نقشہ نیا انداز ہوتا ہے — شروعِ عشق سے اُس کا ستم آغاز ہوتا ہے

اصلاح — نیا عالم نیا نقشہ نیا انداز ہوتا ہے — کہ انجامِ وفا سے ظلم کا آغاز ہوتا ہے

جناب ڈاکٹر موتی لال صاحب گکڑ الہ آبادی

مرے غم کو کوئی پوچھے مرے ٹوٹے ہوئے دل سے — کہ ان آنکھوں میں دو آنسو بھی آتے ہیں مشکل سے

اصلاح — مرے غم کو کوئی پوچھے مرے ٹوٹے ہوئے دل سے — کہ دو آنکھوں میں دو آنسو بھی آتے ہیں مشکل سے

حیات و موت کا اب فلسفہ سمجھا کرے دنیا — جسے بڑھنا تھا آگے بڑھ گیا دنیا کی منزل سے

اصلاح — حیات و موت کا اب فلسفہ سمجھا کرے کوئی — جسے بڑھنا تھا آگے بڑھ گیا دنیا کی منزل سے

آج رہنے دیجئے یوں ہی نظامِ کائنات — کل جو ممکن ہو بدل لیئے گا خدا ہونے کے بعد

اصلاح — آج رہنے دیجئے یوں ہی نظامِ کائنات — کل خدائی کو بدل لیئے گا خدا ہونے کے بعد

فرطِ وحشت میں کسی کا کوئی پرساں نہ ملا — ہاتھ کو ہاتھ گریباں کو گریباں نہ ملا

اصلاح جوشِ وحشت میں کسی کا کوئی پرساں نہ ملا — ہاتھ کو ہاتھ گریباں کو گریباں نہ ملا

طوافِ خانۂ صیاد کو آنے لگے تنکے — نشیمن آگ دے دینے کے قابل ہوتا جاتا ہے

اصلاح طوافِ خانۂ صیاد کو اڑنے لگے تنکے — نشیمن آگ دے دینے کے قابل ہوتا جاتا ہے

اُدھر وہ شان جلووں کی فراوانی نہیں جاتی — اِدھر یہ حال کوئی شکل پہچانی نہیں جاتی

اصلاح اُدھر وہ شان جلووں کی فراوانی نہیں جاتی — اِدھر یہ شکل کوئی شکل پہچانی نہیں جاتی

راز ہو جائے نہ افشا کہیں مے خانے کا — دل دھڑکتا ہے چھلکتے ہوئے پیمانے کا

اصلاح راز ہو جائے نہ ظاہر کہیں مے خانے کا — دل دھڑکتا ہے چھلکتے ہوئے پیمانے کا

جہاں سب رونے والے ہوں وہاں رونے کا کیا حاصل — ذرا ہنستے ہوئے گورِ غریباں سے گذر جانا

جہاں سو رونے والے ہوں وہاں رونے سے کیا حاصل — ذرا ہنستے ہوئے گورِ غریباں سے گذر جانا

آئی ہوئی بہار چلی بھی گئی مگر — دامن کو تار تار کئے جا رہا ہوں میں

اصلاح آئی بہار اور چلی بھی گئی مگر — دامن کو تار تار کئے جا رہا ہوں میں

دیکھا بھی تم کو دل بھی دیا آرزو بھی کی — اپنی خطا شمار کئے جا رہا ہوں میں

اصلاح دیکھا بھی تم کو دل بھی دیا آرزو بھی کی — اِک اِک خطا شمار کئے جا رہا ہوں میں

وہ کیا کیا مسکراتے ہیں مری عرضِ تمنا پر — مگر جو بات ہونی چاہتی تھی وہ نہیں ہوتی

اصلاح وہ کیا کیا مسکراتے ہیں مری عرضِ تمنا پر — مگر جو بات ہونی چاہئے پھر بھی نہیں ہوتی

آشیاں کی لے قفس میں چھیڑ کر کیا شاد ہوں — سب کہیں گے میں حدودِ قید سے آزاد ہوں

اصلاح آشیاں کی لے قفس میں چھیڑ کر کیا شاد ہوں — سب یہ سمجھیں گے حدودِ قید سے آزاد ہوں

لہو کا ایک قطرہ ہی سہی پھر بھی مرا دل ہے — جو بہ نکلے تو دریا ہے ٹھہر جائے تو ساحل ہے

اصلاح لہو کا ایک قطرہ ہی سہی پھر بھی مرا دل ہے — جو بہ نکلے تو دریا ہے جو رک جائے تو ساحل ہے

برابر کی چوٹوں کا سہنا تھا مشکل — مگر عشق میں آئینہ ہو گئے ہم

اصلاح نگاہوں کی چوٹوں کا سہنا تھا مشکل — مگر عشق میں آئینہ ہو گئے ہم

وہ سن کے مسکرائے مجھے لطف آگیا — جیسے بھی کمی تو مری داستاں میں تھی

اصلاح وہ سن کے مسکرائے مجھے لطف آگیا — جیسے کمی اسی کی مری داستاں میں تھی

یہ دعا کرتے ہیں سب جی سے گذرنے والے — وہ سلامت رہیں مرتے رہیں مرنے والے

اصلاح یہ دعا مانگتے ہیں جی سے گذرنے والے — تم سلامت رہو مرتے رہیں مرنے والے

عابد مسیح صاحب کا لکھا ہوا دلچسپ اور مفید مضمون ختم ہو گیا اس میں کوئی شک نہیں کہ اصلاحی خوبیاں اُنھوں نے بہت اچھی طرح دکھائیں ہر اصلاح کی وجہ اصلی اور اشعار کے عیوب نہایت شرح وبست کے ساتھ لکھ دئے اب اس پر نہ کسی مزید شرح کی ضرورت نہ کسی تفصیل کی حاجت ہے۔

اصلاح کے متعلق سب سے پہلے ایک کتاب (مشاطۂ سخن) صفدر رضا صاحب مرزا پوری نے لکھنؤ سے شایع کی جس میں بہت سے قدیم اساتذہ کی اصلاحوں کے نمونے مع اصلاح اور وجوہ اصلاح موجود ہیں اِس میں کوئی کلام نہیں کہ صفدر رضا صاحب نے ایک بڑا کام انجام دے کر ادبی خدمات میں نمایاں اور ضروری اضافہ فرمایا۔ پھر اس صورت میں کہ اصلاحوں کو ایک مدت ہو گئی تھی نہ وہ استاد زندہ تھے نہ وہ شاگرد موجود تھے اِس جاں کاہی اور تلاش کی جس قدر بھی اُنھیں داد دی جائے وہ کم ہے۔ اُنھیں کی دیکھا دیکھی عبدالعلی صاحب شوق سندیلوی نے بھی ایک نئی بات سوچی وہ اِس صورت میں کہ سولہ غزلوں پر اُنھوں نے بیالیس ۴۲ اساتذہ اور مشاہیر ہند یعنی سید علی احسن صاحب احسن مارہروی۔ سید انور حسین صاحب آرزو لکھنوی۔ سید فضل حق صاحب آزاد عظیم آبادی۔ سید معشوق حسین صاحب اطہر ہاپوڑی۔ سید افضل علی خاں عرف چھوٹے بھیا صاحب افضل لکھنوی۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ لاہوری لسان العصر خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی۔ مولوی فضل الرحمن صاحب باقی غازی پوری۔ مرزا عاشق حسین صاحب بزم۔ اکبر الہ آبادی۔ سید حسین احمد میاں صاحب بے باک شاہ جہاں پوری۔ سید وحید الدین احمد صاحب بے خود دہلوی۔ سید محمد احمد صاحب بے خود موہانی۔ مرزا ذاکر حسین صاحب ثاقب لکھنوی۔ حکیم افتخار حسین صاحب جگر بسوانی جلیل القدر فصاحت جنگ حافظ جلیل حسن صاحب جلیل مانک پوری۔ منشی محمد ضمیر حسن خاں صاحب دل شاہ جہاں پوری۔ سید امیر حسن صاحب دلگیر مارہروی۔ شمس العلما سید محمد یوسف صاحب رنجور عظیم آبادی سید ریاض احمد صاحب ریاض خیر آبادی۔ حافظ محمد جعفر زہری خیر آبادی۔ ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی۔ خان بہادر میر محمد صاحب شاد عظیم آبادی۔ حافظ اعجاز علی صاحب شہرت امیٹھوی۔ حکیم سید حسن مرتضےٰ صاحب شفق عماد پوری۔ منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی۔ مولانا سید احمد حسن صاحب شوکت میرٹھی۔ مولانا سید علی نقی صاحب صفی لکھنوی۔ حکیم سید نور الدین صاحب عتیق حیدر آبادی۔ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی۔ مولانا شوکت علی خاں صاحب فانی بدایونی۔ سید عابد علی صاحب کوثر خیر آبادی۔ مرزا محمد تقی بیگ صاحب مائل دہلوی۔ مرزا کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی۔ اعتبار الملک سید افتخار حسین صاحب مضطر خیر آبادی۔ مولوی سید محمد شرف الدین صاحب مومن ٹونکی۔ ابو العلا حکیم سید سعید احمد صاحب ناطق کان پوری نواب حیدر یار جنگ مولانا سید علی حیدر صاحب طبا طبائی نظم لکھنوی۔ سید نواب علی صاحب نواب بڑودوی۔ محمد نوح صاحب نوح ناروی۔ مولانا نیاز محمد خاں صاحب نیاز فتح پوری۔ مولانا سید رضا علی صاحب وحشت کلکتوی۔ مولانا عبد الطیف صاحب یکتا جاوروی سے اصلاحیں لیں اور یہ کسی پر بھی ظاہر نہ ہونے پایا کہ اِن غزلوں کی اصلاحیں کسی وقت میں خاص صورت سے کتابی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کی جائیں گی ہر استاذہ نے یہی سمجھا کہ شوق صاحب میرے ہی شاگرد ہیں اور مجھی سے اصلاح لیتے ہیں اگر یہ راز لوگوں پر کھل جاتا تو سب اساتذہ نہایت غور و فکر سے اصلاح دیتے اور اس صورت میں اصلی شانِ اصلاح چھپ جاتی اس کتاب کا نام اصلاح سخن لکھائی چھپائی کے لحاظ سے بھی بُری نہیں طالبانِ فن کو استفادہ کے لئے اِس کو دیکھنا چاہئے جہاں اور بہت سے حضرات کی اصلاحیں ہیں وہاں نوح صاحب کی بھی اصلاحیں اِس موقع پر کچھ اشعار کی اصلاحوں کا لکھ دینا میرے خیال میں نامناسب نہ ہوگا۔

اصلی شعر	ٹکڑے دل کرتا ہوا جھونکا نسیمِ صبح کا	بلبلِ نالاں کے حق میں تیز خنجر ہوگیا
آرزو	جس نے گل بکھرا دیئے موجہ وہ بادِ تند کا	بلبلِ شیدا کے حق میں تیز خنجر ہوگیا
اطہر	قید میں صیاد کی جھونکا نسیمِ صبح کا	بلبلِ نالاں کے حق میں تیز خنجر ہوگیا
باقی	دل کو ٹکڑے کر گیا جھونکا نسیمِ صبح کا	یعنی وہ میرے قفس میں آ کے خنجر ہوگیا
بزم	کیا دیا چیں بر جبیں ہونے نے وقتِ ذبح کام	اُن کو غصے میں جو دیکھا تیز خنجر ہوگیا
بیباک	جو گرا پتہ وہ تاثیرِ خزاں سے باغ میں	
بیخود موہانی	یہ بھی قسمت جاں فزا جھونکا نسیمِ صبح کا	بلبلِ حسرت زدہ کے حق میں خنجر ہوگیا
جلیس	دل کو ٹکڑے کر گیا جھونکا نسیمِ صبح کا	
دل	گردشِ قسمت سے ہر جھونکا نسیمِ صبح کا	
ریاض	باڑہ دے سکتا نہیں خنجر کو کوئی اس طرح	جب نگہ قاتل نے کی تیز اور خنجر ہوگیا
شاد	اے خزاں جھونکا کہاں تیرا کہاں بلبل کا دل	اُس زبوں قسمت کے حق میں تیز خنجر ہوگیا
شفق	چل گیا صرصر کا اک جھونکا چمن میں جس گھڑی	ذبح بلبل کے لئے اک تیز خنجر ہوگیا
شوق	قلم زد	
عزیز	قلم زد	
مضطر	جب چلا گلزار میں جھونکا نسیمِ صبح کا	
نوح	جو گرا پتہ خزاں میں شاخِ گل سے ٹوٹ کر	

سائل، جگر، بیخود دہلوی، صفی، فانی، وحشت نے کوئی تصرف نہیں کیا شعر کو بدستور رہنے دیا۔

اصلی شعر	ساتھ پروانے کے جل جل کے دلِ شمع نصیب	داخلِ ملتِ اربابِ وفا ہو جانا
آرزو	جل کے پروانوں کے ساتھ اے دلِ ہم قسمتِ شمع	
اطہر	مثلِ پروانہ کسی بزم میں جل کر اے دل	تو بھی اب شاملِ اربابِ وفا ہو جانا
افضل	ساتھ پروانوں کے جل جل کے دلِ شمع صفت	
باقی	ساتھ پروانوں کے جل جل کے دلِ سوز نصیب	
جگر	شمع پروانوں سے کہتی ہے کہ جل کر دمِ صبح	
دل		شاملِ صحبتِ اربابِ وفا ہو جانا
سائل	بوالہوس کو کسی تعلیم سے ہوگا نہ نصیب	
شاد	ساتھ پروانوں کے جل جل کے سرِ بزم اے دل	
شہرت	وہ مٹا کر مجھے کہتے ہیں مبارک یہ شرف	
شوق	جل کے پروانوں نے چاہا ترے عاشق کی طرح	
مائل	منہ سے کہنا تو ہے آسان بہت مشکل ہے	
محشر	ساتھ پروانوں کے جل جل کے سحر تک اے شمع	

مصحفی	شمع پروانے کے ارمان میں تو بھی جل کر	
مومن	قلم زد	
ناطق	مثل پروانوں کے جل جل کے دلِ شمع نصیب	
نوح	ساتھ پروانوں کے جل بجھ کے ترا شمع سحر	
نیاز	مثل پروانوں کے جلتا ہی نہیں اے دلِ زار	
وحشت	ساتھ پروانوں کے جل جل کے دلِ شمع صفت	

بے باک، عزیز، احسن، آرزو، بزم، بے خود دہلوی، جلیل، ریاض، صفی، یکتا نے بدستور رہنے دیا۔

اصل شعر	دل سے ہوتی ہے تو خالی بھی کہیں جاتی ہے	تم یہ چاہو کہ مرے قلب پہ تاثیر نہ ہو
احسن	دل سے ہوتی ہے تو جاتی نہیں خالی فریاد	غیر ممکن ہے کہ تم پر کوئی تاثیر نہ ہو
آرزو	قلم زد	
اطہر	دل سے ہوتی ہے تو خالی نہیں جاتی ہرگز	غیر ممکن ہے دعا میں مرے تاثیر نہ ہو
بزم		لاکھ چاہو کہ مرے قلب پہ تاثیر نہ ہو
بے خود دہلوی		یہ تو ہونی ہی نہیں آہ میں تاثیر نہ ہو
بے خود موہانی	آہ نکلی جو مرے دل سے تو پھر خبر نہیں	تم یہ چاہا کرو دل پر مرے تاثیر نہ ہو
جلیل	دل سے ہو آہ تو خالی بھی کہیں جاتی ہے	
دل	دل سے ہو آہ تو خالی بھی کہیں جاتی ہے	
ریاض		آپ پر اور مری آہ کی تاثیر نہ ہو
سائل	نالۂ دل تو بری دل پہ بنا دیتا ہے	لاکھ تم چاہو کہ دل پر مرے تاثیر نہ ہو
شاد	دل سے نکلا ہے اثر چاہیے گا نالہ دل پر	تم کو یہ ضد کہ مرے قلب پہ تاثیر نہ ہو
شہرت		نہیں ممکن کہ ترے قلب پہ تاثیر نہ ہو
شفق	قلم زد	
شوق	اُس پہ امید اثر آہ کی نادانی ہے	جس کے گھر زہر بھی کھاؤں میں تو تاثیر نہ ہو
صفی	دل سے نکلی ہے مری آہ یہ ناممکن ہے	تم جو چاہو کہ مرے قلب پہ تاثیر نہ ہو
عزیز		غیر ممکن ہے ترے قلب پہ تاثیر نہ ہو
ناطق	قلم زد	
نوح	میں یہ چاہوں کہ فغاں نکلے تو دل ہی میں رہے	
وحشت	قلم زد	
اصل شعر	بالآخر بے زبانی پر دہانِ زخم بسمل کی	زبانِ تیر قاتل سے صدائے آفریں نکلی
اطہر	دہانِ زخم سے بسمل نے دی جب داد قاتل کو	زبانِ تیغ قاتل سے صدائے آفریں نکلی
بے باک		زبانِ تیغ قاتل سے صدائے آفریں نکلی

بے خود موہانی	خموشی پر دہانِ زخم کو پیار آگیا آخر	
دل	دلِ درد آشنا کو وقفِ ایذا پاکے مقتل میں	
ریاض	لیا کام اس طرح قاتل نے اپنے دستِ نازک سے	دہانِ زخم بسمل سے صدائے آفریں نکلی
سائل	سکوت و بے زبانی پر دہانِ زخم بسمل کی	
شفق	دہانِ زخم بسمل بے زباں تھا واہ کیا کہتا	زبانِ تیغ قاتل سے صدائے آفریں نکلی
شوق	ترے عاشق نے تیرا تیر کھا کر آہ کی ناحق	نہ کیوں کم بخت کے منھ سے صدائے آفریں نکلی
فانی	ادائے بے زبانی پر دہانِ زخم بسمل کی	
نوح	صلہ میں نے یہ پایا قتل گہ میں جان دینے کا	زبانِ تیغ قاتل سے صدائے آفریں نکلی
نیاز	قلم زد	
وحشت		زبانِ تیغ قاتل سے صدائے آفریں نکلی

عزیز۔ بزم۔ بے خود دہلوی۔ جلیل۔ صفی نے بدستور قائم رکھا۔

اصلی شعر	دل میرا مجھی کو پھیرتا جا	ظالم ترے کام کا نہیں ہے
آرزو		جب یہ ترے کام کا نہیں ہے
اطہر	دل پھیر کے میرا مجھ کو بولے	یہ تو مرے کام کا نہیں ہے
باقی	یہ دل تو ہے داغ دارِ الفت	
جگر	مظلوم یہ دل ہے پھیر دے تو	
دلگیر	آشفتہ ہے بے قرار ہے دل	
ریاض	مجھ کو تو پھیر دے مرا دل	
شوق	دل مانگ رہے ہیں یوں وہ مجھ سے	گویا مرے کام کا نہیں ہے
فانی	قلم زد	
نوح	ناکام ازل ہے دل ہمارا	
یکتا	دل میرا مجھی کو پھیر دیجے	

احسن۔ آزاد۔ بزم۔ بے باک۔ بے خود دہلوی۔ ثاقب۔ جلیل۔ دل۔ سائل۔ شاد۔ شفق۔ صفی۔
عزیز۔ مضطر۔ نواب۔ وحشت نے بدستور قائم رکھا

اصلی شعر	ایسی کیا خوش خبری لائے ہوا کے جھونکے	دل مسرت سے اُچھلنے لگے دیوانوں کے
آرزو		دل جو غنچوں کی طرح کھل گئے دیوانوں کے
اطہر	مژدۂ موسمِ گل لائی نسیمِ سحری	
افضل	لاکھ صحرا میں جنوں کو ہو ترقی حاصل	حوصلے پست نہ ہوں گے ترے دیوانوں کے
بے باک	کون سی خوش خبری لائے ہوا کے جھونکے	دل خوشی سے جو اُچھلنے لگے دیوانوں کے
بے خود موہانی	کچھ نہ کچھ خوش خبری لائے ہوا کے جھونکے	دل مسرت سے اُچھلتے ہیں جو دیوانوں کے

جگر — دل مسرت سے پھڑکنے لگے دیوانوں کے

دل — دفعتاً ولولہ انگیز ہوا پھر سنگی

ریاض — آج کیا ایسی خبر لائے ہوا کے جھونکے

سائل — ایسی کیا خوش خبری لائی نسیم سحری

شاد — کیا خبر دی کسی جھونکے نے کہ صحرا کی طرف — خود بخود پاؤں کھنچے جاتے ہیں دیوانوں کے

شوکت — فصلِ گل آتے ہی وحشت کی ہوا پر ہیں سوار

شوق — دل شگفتہ جو ہوئے جاتے ہیں دیوانوں کے

مائل — میں وہ دیوانہ ہوں مجنوں بھی مجھے کہتا ہے — قبلہ و کعبہ مگر آپ ہیں دیوانوں کے

محشر — اور کچھ ہو گئے تیور ترے دیوانوں کے

نوح — ایسی کیا خوش خبری لائی بیاباں کی ہوا

بزم۔ مضطر۔ وحشت۔ احسن۔ شفق۔ صفی۔ فانی۔ ناطق نے اسی طرح رہنے دیا۔ خود اپنے اشعار پر اصلاح۔

پہلے تھا

یہ بھی اچھا ہے کہ وہ دل کو مرے چور کریں — ایک آئینے سے بن جائیں کئی آئینے

ترمیم

یہ بھی اچھا ہے کہ وہ دل کو مرے چور کریں — ایک آئینے سے بن جائیں ہزار آئینے

پہلے تھا

شمع کے سر پہ بھی آفت آئی پروانے کے ساتھ — کردیا دونوں کو اُس نے اپنی محفل سے الگ

ترمیم

شمع کے سر پہ بھی آفت آئی پروانے کے ساتھ — کردیا دونوں کو جل کر اُس نے محفل سے الگ

اصلاح کے متعلق بہت کچھ طوالت ہو گئی لیکن یہی ایک ایسی چیز ہے جس سے استاد کی معلومات وسیع النظری قوتِ مشق، فکرِ سخن کا اندازہ ہوتا ہے میرے خیال میں اپنی غزل کہہ لینی تو آسان ہے لیکن اصلاح دینی آسان نہیں اپنی غزل میں تو اپنے خیالات ہوتے ہیں جس طرح چاہئے نظم کر دیجئے۔ مضمون کے لئے مناسب الفاظ فوراً ہی ذہن میں آجاتے ہیں مگر دوسرے شخص کے خیالوں کا سمیٹنا اپنی طرف سے لفظوں کا انتخاب کرنا بڑی دشوار بات ہے اصلاح کے لئے ہمیشہ یہ خیال رکھنا چاہئے کہ مضمون وہی ہو لیکن لفظوں کی اُلٹ پھیر تغیر و تبدل سے نقائص رفع ہو جائیں اور شعر میں ایک خاص خوبی پیدا ہو جائے مندرجہ بالا اصلاحوں کے دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ نوح صاحب کو اصلاح دینے میں بھی کہاں تک قدرت ہے پہلے انھیں کے شاگردوں پر انھیں کی اصلاحوں کے نمونے ہیں مگر آخر میں جو اصلاح سخن مولفہ عبد العلی صاحب شوق سندیلوی سے چھ اشعار مع اصلاح کے پیش کئے گئے اُن کے دیکھنے سے کچھ تو مختلف استادوں کی اصلاح کا اندازہ ہوتا ہے کہ کن صاحب کا خیال اصلاح دیتے وقت کہاں تک پہنچا یعنی کن صاحب نے شعر میں کیا تصرف فرمایا اور اسی کے ساتھ کچھ ہستی ایسی بھی آتی ہے کہ ایک جگہ وہی شعر قابل اصلاح نہیں سمجھا جاتا اور دوسری جگہ

اُسی پر اصلاح ہوتی ہے پھر تیسری جگہ وہ قلم زد کیا جاتا ہے اِس موقع پر جی تو یہی چاہتا تھا کہ ہر اصلاح کے متعلق کچھ اپنی ناقص رائے ظاہر کروں لیکن ادب مانع ہے کیوں کہ اصلاح دینے والوں کی فہرست میں جتنے اسمائے گرامی ہیں میں اُنھیں اپنا قابلِ احترام بزرگ جانتا ہوں اور لائقِ احترام سمجھتا ہوں لہٰذا اِس صورت میں بڑی گستاخی ہوگی اگر میں اپنے خیالات کا اظہار کسی کے موافق کسی کے خلاف کروں گا اِس میں کوئی شک نہیں ہر اصلاح اپنی جگہ خوب ہے تاہم کسی میں بڑی حد تک لطف ہے اور کسی میں اُس حد تک نہیں میں اِس معاملے کو ناظرین کے مذاق پر چھوڑتا ہوں اور اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھتا۔

مصنف کی مجموعی زندگی اور تغزل کمال کی تصنیف پر اجمالی نظر

شاعر کے ہر سوانح نگار کا یہ عام قاعدہ ہے کہ وہ واقعاتِ حیات لکھنے کے بعد سب سے آخر میں شاعر کی مجموعی زندگی پر نظر ڈالتے ہوئے کثیر التعداد اشعار میں سے مختلف مذاق کے کچھ اشعار انتخاب کر کے پیش کرتا ہے اِس صورت میں اُسے ہر شعر کی خوبیاں شرح و بسط کے ساتھ ظاہر کرنی پڑتی ہیں چوں کہ بسیط عالم میں طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں اِس لحاظ سے ہر مذاق کا خیال رکھنا اور سب کے مذاق کے موافق شعروں انتخاب کرنا پھر اُن پر تنقیدی نگاہ ڈالنی کوئی آسان کام نہیں بعض موقع پر دیکھا گیا ہے کہ وہی ایک شعر کہیں وجدانی کیفیت پیدا کر دیتا ہے اور وہی شعر کہیں کچھ بھی اثر نہیں پیدا کرتا یہ شعر کی خطا نہیں بلکہ اِس کو سامعین کے مذاق کی مخالفت اور مطابقت کا اثر سمجھنا چاہیئے اتفاقِ وقت سے اگر کوئی شعر کسی کے حسب حال ہوتا ہے تو بہ نسبت اُس شخص کے جس پر کوئی ایسا واقعہ نہیں گذرا یہ زیادہ متاثر ہوتا ہے یہ میں اکثر دیکھتا ہوں کہ مشاعروں میں اچھے اچھے اشعار پر بعض وقت داد نہیں ملتی اور بعض وقت کمزور سے کمزور بڑی حد تک داد پا جاتے ہیں کچھ تو شاعر کا ذاتی وقار کچھ پڑھنے کا طریقہ یہ دونوں قوتیں مل کر اپنا کام کر جاتی ہیں لیکن کاغذ پر پہنچ کر وہی شعر نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں رکھتا کاغذ پر نہ مصنف کی حضوری ہوتی ہے نہ نغمہ سرائی کا اثر ہوتا ہے صرف شعر کی اصلی تصویر نگاہوں میں رہتی ہے اِس صورت میں بھی اگر شعر اچھا ثابت ہو تو میرے خیال میں وہ کامیاب کہا جا سکتا ہے کچھ دنوں سے مشاعروں میں شعرا ترنم یا نغمہ سرائی کی لے میں اپنی غزلیں پڑھتے ہیں سامعین کی ذہنیت خوش گلوی اور نغمہ سرائی پر فوراً منتقل ہو جاتی ہے اِس سبب سے بیش تر بُرائیاں اور اکثر خوبیاں بھی نگاہوں سے پوشیدہ رہ جاتی ہیں جب سننے والے کا خیال شعر سمجھنے کے لئے حاضر نہیں تو اُس وقت کی داد بھی حقیقتاً داد کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی یہ تعریف شعر کی نہیں ہوئی بلکہ خوش آوازی کی معجز نمائی ہے اور تال سم آواز کا اُتار چڑھاؤ دل کشی وغیرہ کا ایک خاص کرشمہ ہے۔

نوح صاحب ایک بہت معمولی گانو بھوانی پور ضلع رائے بریلی اپنے ننہال میں پیدا ہوئے کم سنی ہی میں باپ کا سایہ ہمیشہ کے لئے سر سے اُٹھ گیا جملہ پرورش و پرداخت نانا رے میں ہوئی نانہ پہلے کا نانہ نہ تھا جہاں کسی زمانے میں ہر طرف علم و فضل و کمال و فن کی ضیا باری ہو رہی تھی بلکہ زمانے کے انقلاب نے اب اِس کو کسی قابل نہ رکھا تھا نہ وہ لوگ باقی تھے نہ علم و فن کی گرم بازاری تھی چند چراغ جھلملا رہے تھے جن کا عدم وجود دونوں برابر تھا باپ کے انتقال کرتے ہی جائداد کے متعلق طرح طرح کے دعوے ہوئے خانگی جھگڑوں میں گھر کا سرمایہ برباد ہوتا رہا گھر ہی پر والدہ کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی نہ کوئی نگراں نہ کوئی تاکید کرنے والا جو کچھ پڑھا لکھا محض اپنے ذاتی شوق سے پڑھا لکھا عنانِ حکومت ہاتھ میں لی تو مہاجنوں کے تقاضے تھے اپنے

حسنِ انتظام سے بغیر کسی گانو کے الگ کئے ہوئے نہایت جواں مردی اور مستقل مزاجی سے قرض کے بار کو اپنے سر سے اُتارا اور بینک میں بھی بہت کچھ جمع کیا اور جو وقتی اور ناگہانی زحمتیں پیش آتی رہیں اُن کے رفع کرنے کی بھی تدابیر فرماتے رہے جن میں فضلِ خداوندی کا بھی زبردست ہاتھ شامل رہتا تھا جو شخص اِتنے مصائب اور ہزاروں قسم کے افکار میں مبتلا ہو وہ شاعری کے لئے کسی طرح موزوں نہیں لیکن اللہ کی دین تھی کہ گھر بیٹھے یہ دولتِ بے زوال انھیں ملی یہ دنیا بھر کے کام بھی کرتے تھے اور فرصت کے وقت شعر بھی کہتے تھے جس نے اِن کا ابتدائی حال دیکھا ہے اُس کو یہ کبھی یقین نہیں ہو سکتا تھا کہ کسی وقت میں یہ ایک ایسے مکمل شاعر ہوں گے جن کو دنیا مانے گی اور جن کا شاعرانہ اعزاز تمام ہندوستان میں ایسا بڑھے گا کہ بڑے بڑے نامی گرامی مشاعروں میں صدارت کی کرسیاں خالی کی جائیں گی۔

پہلے پہلے شاعری میں انھوں نے میر نجف علی صاحب نجفؔ سے اصلاح لی پھر انھیں کے حکم پر متعدد اساتذہ سے خط و کتابت کی آخر میں دبیر الدولہ ناظم یار جنگ فصیح الملک نواب مرزا خاں صاحب داغؔ دہلوی کے شاگرد ہوئے اور ایسے شاگرد ہوئے کہ اپنے استاد کے نام کو بھی اپنے نام کے ساتھ روشن کر دیا آج وہ زندہ ہوتے تو ان کا کمال دیکھ کر اظہارِ مسرت فرماتے اور فرطِ مسرت سے اپنے جامے میں پھولے نہ سماتے تاہم اُن کی روح فخر کرتی ہوگی بغیر کہے سُنے گھر سے چل کر پہلی بار اُن کی خدمت میں حیدرآباد پہنچے پھر گھر کا انتظام کر کے اطمینان سے دوبارہ بھی حاضر ہوئے حضرت داغ کی شفقت بزرگانہ جیسی کچھ اُن پر رہی اُس کو دیکھنے والوں نے دیکھا ہے اور اِس سند سے بھی پتہ چلتا ہے جو خوش ہو کر اور اچھی طرح جانچ پرکھ کر ان کو انھوں نے مرحمت فرمائی انھیں عنایات بزرگانہ کو اِس قدر زمانہ گذر جانے پر جب یہ یاد کرتے ہیں تو رو دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج استاد زندہ ہوتے تو زیادہ فیض حاصل کرنے کا موقع ملتا اِس زمانے میں جو کچھ وہ اصلاح دیتے وہ کچھ اور ہی اصلاح ہوتی۔

انھوں نے مختلف مقامات کے بڑے بڑے مشاعروں میں شرکت کی اپنے اشعار سے سامعین کو بے خود کیا صدارت کو زینت دی جہاں گئے وہاں سے کامیاب پھرے اِس وقت کسی اور کے شاگردوں کی تعداد اِتنی نہ ہوگی جس قدر اِن کے شاگردوں کی ہے کوئی شہر ہندوستان میں ایسا نہ ہوگا جہاں کوئی نہ کوئی اِن کا نام لیوا موجود نہ ہو لوگ صعوبت سفر اٹھا اٹھا کر ان سے ملنے کے لئے اِن کے دولت خانے پر آتے ہیں اِن کا فیض کسی خاص جماعت پر منحصر نہیں ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی ہر مذہب و ملت کا آدمی شاگردوں کی فہرست میں نظر آتا ہے۔

لوگوں کا یہ خیال خدا جانے کہاں تک درست ہو کہ شاعری بغیر صحبتِ شعرا کے نہیں آتی اِس کے لئے ایسی محفل کی ضرورت ہے جہاں دو چار شاعر ہر وقت نغمہ سنجی کرتے ہوئے پائے جائیں مگر ان کو اپنے وطن میں ایسا موقع کہاں پیش آیا انھوں نے ایسے وقت میں آنکھیں کھولیں جب زمانے کی دست بُرد نے اُن ہستیوں کو مٹا دیا تھا جو باعثِ فخر و مباہات تھیں دن رات رعایا سے انھیں کے لب و لہجہ میں ہم کلام ہونا اور پھر ایسے اشعار کہنے جو اہلِ زبان کی کسوٹی پر زبان کے لحاظ سے پورے پورے اتریں اِنھیں کا کام ہے۔

ایک ایک بار حضرت سائل دہلوی ناروے تشریف لائے اور کئی روز تک ٹھہرے ان کو اپنے اسامیوں سے گفتگو سن کر فرمانے لگے کہ بھائی نوح تم کمال کرتے ہو کہ مقامی گفتگو ایسی اور شاعری کی زبان ایسی سخت تعجب ہے کہ جب تم باہر قدم رکھتے ہو تو یہاں کے الفاظ یہیں چھوڑ جاتے ہو کیا مجال ہم لوگوں میں یہاں کا کوئی لفظ تمھاری زبان سے نکل جائے شعر گوئی کا مداح تو میں پہلے ہی سے تھا لیکن اب اس کی مدح سرائی بھی کروں گا چنانچہ دہلی پہنچ کر اس کا ذکر انھوں نے خاص خاص لوگوں کے علاوہ اپنے گھر میں بھی کیا حضرت داغ کی صاحب زادی مسکرا کر خاموش ہو گئیں کچھ دنوں کے بعد جب دہلی جاکر یہ اُن کے مہمان ہوئے تو ایک دن انھوں نے ان سے دریافت کیا اور تفریحاً کچھ ایسے فقرے، جو رعایا سے یہاں بولتے تھے ان کی زبان سے سنے اور بہت دیر تک ہنستی رہیں اُس دن سے کئی روز تک یہ مشغلہ رہا کہ ان سے یہاں کے الفاظ سنتیں اور اپنی جگہ محو حیرت ہو جاتیں الغرض ان سب خوبیوں کے دیکھتے ہوئے اخباری تحریک پر حضرت سائل نے انھیں حضرت داغ کا صحیح جانشین مان کر اپنی مہری دستخطی سند جانشینی مرحمت فرمادی ابتدا میں تو اس کی بابت بہت کچھ مخالفت اور مطابقت کا اظہار ہوا بہت سے مضامین اخبار اور رسالوں میں مہینوں تک نکلتے رہے لیکن آخر آخر جتنے مخالف تھے اُن سب کو اس تحریر کے آگے سر جھکا دینا پڑا کیوں کہ یہ تحریر معمولی تھی نہ لکھنے والا معمولی شخصیت کا آدمی تھا سائل صاحب یا خود جانشین بنتے یا اور کسی کو بناتے چنانچہ حق بحق دار رسید کے خیال سے خوش ہو کر یہ سہرا اپنے دست مبارک سے انھوں نے ان کے سر باندھا میرے خیال میں اس کے لئے دہلوی یا لکھنوی ہونا ضروری نہیں کمال ایک ایسی چیز ہے جس میں مقامی قیود کی ضرورت نہیں ہے دہلی اور لکھنؤ کے علاوہ مختلف مقامات پر ایسی ہستیاں اس وقت بھی موجود ہیں جو مقامی خصوصیت والوں سے کسی طرح کم نہیں پھر کیا وجہ تھی کہ یہ شرف دہلی ہی تک محدود ہوتا اور ناروہ محروم رہ جاتا جو کچھ بھی جناب سائل نے جانشینی کا فیصلہ کیا وہ نہایت انصاف سے کیا اب اس اٹل فیصلے پر کسی وقت تجویز ثانی کی ضرورت ہی باقی نہ رہ گئی۔

پہلے بھی رسالے نکلتے تھے اور اب بھی نکلتے ہیں قدیم زمانے میں ان کا کلام قریب ہر زمانے اور ہر رسالے میں چھپتا رہا لیکن زمانہ حال میں خاص خاص رسالے اور بالخصوص سالنا موں میں نظر آتا ہے مدیر رسالہ کی تحریک پر یہ اپنا کچھ نہ کچھ کلام بھیج دیتے ہیں مشاعروں میں ہر مہتمم مشاعرہ ان کے بلانے کی کوشش کرتا ہے یہ شرکت کا وعدہ کریں یا نہ کریں اعزاز مشاعرہ بڑھانے کے خیال سے پوسٹل اور اشتہار میں نام ضرور درج ہو جائے گا علاوہ اس کے وہ ان کے معاصرین کے خطوط بھی جو ان کے نام وقتاً فوقتاً آتے ہیں ظاہر کر رہے ہیں کہ جملہ حضرات کے دل میں ایک حد تک وقار ہے متعدد کتابوں میں ان کا ذکر خاص طور سے کیا گیا اور زمانے نے ان کے متعلق اچھی رائے قائم کی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ خود حضرت داغ نے ناخدائے سخن، انجمن مین پوری نے تاج الشعرا اور لسان العصر، حضرت اکبر الہ آبادی نے فصیح العصر کا خطاب عطا کیا۔

اصلاح زبان کی دُھن ان کو ہمیشہ رہی اس باعث سے اپنی ذات خاص کے لئے انھوں نے بہت سی قیدیں عاید کر لیں بہت سے الفاظ وقتاً فوقتاً ترک کر دئے لیکن اس کے ساتھ ہی شاگردوں

کو اختیار بھی دے دیا کہ وہ ترک کریں یا نہ کریں پھر بھی اکثر تلامذہ متروکات کا خیال رکھتے ہیں اور بہت سے
پابند نہیں اِس میں کوئی شک نہیں کہ متروکات سے اظہارِ خیال کے لئے لفظوں کی کمی ہو جاتی ہے تاہم
کلام میں خاص خوبیاں پیدا ہوتی ہیں پھر یہ کسی کو مجبور بھی نہیں کرتے اپنی ذات خاص کے لئے انھیں ہر طرح
کا اختیار ہے علاوہ اِس کے اِن متروکات کا نباہنا ہر کسی کا کام نہیں اس کے لئے بڑی مشاقی کی ضرورت ہے،
حضرت داغؔ کی صحبت میں جہاں اور بہت سی باتیں انھیں معلوم ہوئیں وہاں اصلاح دینے کا ملکہ بھی حاصل
ہوا چونکہ اصلاح لکھنے کی خدمت اِن کے سپرد تھی اِس سبب سے بہت سی غزلوں کی اصلاحیں یہ وہاں
دیکھتے رہے اور انھیں باتوں سے اب کام لیتے ہیں اِن کی اصلاح میں یہ خاص خوبی ہے کہ مضمون وہی رہتا
ہے لیکن دو ایک الفاظ کے اُلٹ پھیر اور مقدم موخر کے تغیر و تبدل سے شعر کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے بعض
لوگوں کو میں دیکھتا ہوں کہ شاگرد کے شعر کا مضمون کچھ ہے اور اصلاح کچھ دیتے ہیں مضمون کی نوعیت
ہی قائم نہیں رہتی یعنی استاد کا شعر ہو جاتا ہے اور شاگرد سے کوئی تعلق باقی نہیں رکھتا پچھلے صفحوں میں
بہت سے اصلاح کے نمونے درج ہو چکے ہیں اس کے متعلق زیادہ لکھنے کی اب ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

سفینۂ نوح دیوان اوّل میں ۲۲۵ صفحے ۴۶۴ غزلیں اور ۷۶۱ ۴ اشعار ہیں اگرچہ ابتدائے زمانہ کا یہ کلام
ہے مگر اِس سے اُس وقت کا اندازہ ہوتا ہے کہ پچھلے دنوں میں بھی انھوں نے کیسے اچھے اچھے شعر کہے
ہیں دیوان کے آخر میں بڑے بڑے لوگوں کی تقریظیں اور تاریخیں ہیں اِن میں بہت سے حضرات ایسے ہیں
کہ بغیر ذاتی معلومات اور بغیر سوچے سمجھے ہوئے کسی کے تغواثر سے متاثر ہو کر فضول ان کی تعریف لکھنے والے
نہ تھے دیوان اوّل کے بعد دوسرا دیوان طوفان نوح بہت دنوں کے بعد شایع ہوا اُس وقت اِن کی مشق
تکمیل ہو چکی تھی اور یہ ہر طرح شاعر کہے جانے کے مستحق تھے پہلے دیوان میں استاد کا تصرف تھا دوسرے
میں خاص انھیں کے قوتِ کمال کی جلوہ ریزی تھی ذہانت اور مشاقی کے لئے اِتنا موقع بہت تھا جو اِن کو سفینہ
اور طوفان کی اشاعت کے درمیان میں ملا۔

دوسرے دیوان میں برخلاف پہلے دیوان کے حمد، نعت، منقبت، سلام، قصیدے، مرثیے، غزلیں قومی
اخلاقی، ملکی تاریخیں، ظرافت وغیرہ الغرض ہر طرح کا سامان موجود ہے اِس کی قدر بہت زیادہ ہوئی لوگوں کی زبانوں
پر اِس کے اشعار ہیں کثیر التعداد غزلیں گراموفون کے ریکارڈوں میں بھری گئیں اربابِ نشاط نے محفلوں
میں گا کر قدر دانوں سے خراجِ تحسین لیا بہت سے حضرات نے علاوہ قطعات، تاریخ و تقاریظ کے تبصرہ
لکھا بیش تر رسالوں اور اخباروں میں تقریظیں چھپیں جناب جوشؔ ملسیانی نے اپنی گراں قدر رائے
کا رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور کے جوبلی نمبر میں ۳۰ صفحوں پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ اظہار فرمایا یہ
مانی ہوئی بات ہے کہ جیسے جیسے شاعر کی مشق بڑھتی ہے ویسے ویسے اُس کے کلام میں طرح طرح
کی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں اِس موقع پر جو بات زبان سے نکلتی ہے وہ پتھر کی لکیر ہوتی ہے سیدھی ترکیب پر بھی
سامعین کلیجا تھام لیتے ہیں سادگی سے بناوٹ شرما جاتی ہے کیوں کہ مشاق شاعر جو کچھ کہے گا
اُس کہنے کا انداز ہی جدا ہوگا شان ہی نرالی ہوگی بات وہی ہے جسے سب کہتے ہیں لیکن کہنے کا طریقہ
بھی کوئی چیز ہے لوگ اِس طریقے کے لئے کوشش کرتے ہیں سر پھوڑتے ہیں مگر نہیں آتا

وہی اور کیسی شاعری میں بڑا فرق ہے بے ساختہ منھ سے جو شعر نکل جائے گا وہ شعر ہوگا جس میں قوتِ فکر صرف کی جائے گی اُس میں وہ بات قیامت تک پیدا نہیں ہو سکتی۔

تیسرے دیوان میں شاعری کے جملہ محاسن موجود ہیں اگر ایک جگہ میر کی سادگی تو دوسری جگہ مرزا کی بلند پروازی ہے محاسنِ شعری میں سب سے زیادہ قابلِ تعریف سہل ممتنع ہے اس کی نظیریں کثرت سے دیکھنے والوں کو ملیں گی فی الحقیقت شعر کی بڑی خوبی یہی ہے کہ اس کی نثر نہ ہو سکے بیشتر ان کے قلم سے ایسے شعر نکلتے ہیں جن کے لئے دوسرے الفاظ نہیں مل سکتے اگر کوئی کم نظم کرنا چاہے تو وہی الفاظ سامنے آئیں گے جو استعمال ہو چکے ہیں طوفانِ نوح کی طرح اِس دیوان میں بھی حمد، نعت، منقبت سلام۔ غزلیں۔ سہرے۔ مختلف موقعوں کے قطعات رباعیاں۔ مخمس۔ مسدس۔ تاریخیں۔ سرکاری اخلاقی اصلاحی۔ وقتی۔ ملکی۔ قومی۔ اعزازی۔ ظرافت وغیرہ وغیرہ سب کچھ ہے ان سرخیوں کو دیکھ کر ہر شخص بخوبی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ کیا کچھ نہ ہوگا لیکن فی الحال غزلیں ہی شایع کی جاتی ہیں بقیہ چیزیں پھر شایع ہوں گی جس صنف پر قلم اٹھایا ہے بغیر گل کاری کئے ہوئے نہیں رہا بعض دیوانوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ہر غزل میں دو چار ہی شعر حقیقتاً شعر کہے جانے کے قابل ہوتے ہیں بقیہ معمولی اشعار کہہ کر غزل پوری کر لی جاتی ہے مگر اس دیوان میں یہ بات ہرگز نہیں۔ خاص طور سے انتظام کیا گیا ہے کہ جس شعر میں کوئی لطف نہ ہو وہ رکھا ہی نہ جائے یہی وجہ ہے کہ ہر شعر میں ایک حسن نظر آتا ہے کوئی مصرع کوئی لفظ ایسا نہیں جس میں دل آویزی اور شاعرانہ خوبی موجود نہ ہو بہت سی غزلیں اس میں ایسی ملیں گی جن کی زمینیں بالکل نئی اور طبع زاد ہیں اب تک اُن طرحوں پر کسی نے اشعار نہیں کہے کل جدید لذیذ کا مسئلہ ہر وقت پیشِ نظر رکھا گیا ہے اِس میں کوئی شک نہیں کہ پامال زمینوں میں مزا نہیں اول تو اساتذہ اور کہنے والوں نے حتے الوسع کوئی پہلو نہیں چھوڑا پھر انھیں زمینوں میں بار بار اشعار سُن سُن کر دلچسپی باقی نہیں رہتی مشاعروں سے تو مجبور ہو جانا پڑتا ہے ورنہ اپنی جگہ کہنے کے لئے نئے قوافی نئی ردیفوں پر طبیعت کی جولانیاں دکھائی گئی ہیں لوگوں کا عام طور سے یہ خیال ہے کہ غزل میں زور پیدا کرنے کے لئے صرف قافیے سے کام نہیں چلتا ردیف کا ہونا بھی ضروری ہے مگر اس خیال کی تردید میں بہت سی اور بالخصوص بڑی بحروں میں ایسی غزلیں لکھی گئیں ہیں جن کی نظیر ملنی آسان نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والے کے لئے کسی خصوصیت کی پابندی عاید نہیں کی جا سکتی اگر قوتِ فکر بخوبی ہے تو ہر رنگ ہر صنف میں وہ اپنا جوہر دکھا ہی جائے گی ان بے شمار اور بہترین اشعار میں سے کچھ اشعار انتخاب کر کے اُن پر تبصرہ لکھنا نہایت دشوار ہے دس پانچ یا سو پچاس شعر ہوتے تو یہ بھی ممکن تھا لیکن جب از ابتدا تا انتہا یہ دیوان تمام و کمال محاسن شعری سے مالا مال ہے تو کوئی کہاں تک اس مجموعے سے شعر انتخاب کرے اور اُن پر تنقیدی نگاہیں ڈالے انشاء اللہ تعالیٰ شایع ہونے پر اس کے متعلق بہت اچھے اچھے مضامین نکلیں گے اور دنیائے شاعری میں اس سرے سے اس سرے تک یہ ایک عظیم تہلکہ ڈال دے گا یہ دیکھا گیا ہے کہ زمانے میں مذاق اور مذاق کے ساتھ ساتھ طبیعتیں مختلف واقع ہوئی ہیں لہٰذا صاحبِ ذوق اپنی اپنی طبیعت کے موافق اس سے لطف اٹھائیں گے

اور خوش ہو ہو کر سچے دل سے داد دینے پر مجبور رہوں گے فقط

مجید احمد مجیدؔ و سہیل احمد سہیلؔ

ناروی

عطیہ عالی جناب نواب ابو المعظم مرزا سراج الدین احمد خاں صاحب طوطی ہند سائلؔ دہلوی
داماد و استادی نواب فصیح الملک حضرت داغؔ دہلوی

نوح استاد کو پیارا تھا مجھے پیارا ہے
بولتا دلّی کی بولی ہے وطن نارا ہے
میں سمجھتا ہوں اُسے قوتِ بازو سائلؔ
جانشیں داغؔ کا آنکھوں کا مری تارا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جن غزلوں پر (ق) یعنی قدیم ہے اُن میں الفاظ متروک شدہ ملیں گے جن پر (ج) یعنی جدید ہے اُن میں نہ ملیں گے

حمد

اس زمین میں کسی اور کی بھی غزل دیکھی ہے

۳۰ اپریل سنہ ۱۹۲۴ء

ج

میں نمازوں کو سمجھ کر انتظام اللہ کا
ذہن میں رکھتا ہوں پانچوں وقت نام اللہ کا

شانِ قہّاری سے بڑھ کر لطفِ عام اللہ کا
بخش دینا اپنے بندوں کو ہے کام اللہ کا

غیر ممکن ہے کہ اُلٹے ممکن نہیں پورا نہ ہو
مصلحت اللہ کی یا انتظام اللہ کا

ہم کو غم ہو یا خوشی ہر حال میں ہم خوش رہیں
یہ بھی کام اللہ کا ہے وہ بھی کام اللہ کا

سالکانِ جادۂ وحدت کو بڑھنا چاہیئے
پوچھ کر اللہ والوں سے مقام اللہ کا

ہم نہ سمجھیں تو نہ سمجھیں خیر یہ ہے اور بات
مصلحت کے ساتھ ہے ایک ایک کام اللہ کا

باریابی منحصر ہے خوبیِ تقدیر پر
پاس جتنا، دور بھی اُتنا مقام اللہ کا

شام کو مہتاب نکلے ہر سحر کو آفتاب
اللہ اللہ ہے یہ حسنِ انتظام اللہ کا

بات ہے اللہ کی اللہ ہی کے واسطے
ہو نہیں سکتا کوئی قائم مقام اللہ کا

کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کوئی کچھ کوئی کچھ
سو طرح سُنتے ہیں آیا ایک نام اللہ کا

دیدہ و دل میں مرے فرقِ مراتب کچھ نہیں
اِس جگہ بھی اُس جگہ بھی ہے قیام اللہ کا

ہے عجب تفسیر رازِ پاک کی قرآن پاک
کاشفِ سرِّ حقیقت ہے کلام اللہ کا

عقل ہو معذور حس سے قدرت اُس کا نام ہے
جو سمجھ ہی میں نہ آئے وہ ہے کام اللہ کا

نوح اپنے دل کو دیکھو ہے یہی دیر و حرم
ڈھونڈھتے پھرتے ہو کیوں ہر سو مقام اللہ کا

طبع زاد ۶ جون ۱۹۲۵ء

ج

کیا خدا ہر جگہ نہیں ملتا
ہم جہاں ڈھونڈھتے وہیں ملتا

وہ ہمیں کس لئے نہیں ملتا
ہر کہیں تھا تو ہر کہیں ملتا

سب سے ملتا ہے سب کو ملتا ہے
کون کہتا ہے وہ نہیں ملتا

دل ہی میں اُس کی جستجو ہوتی
لطف جب تھا ہمیں یہیں ملتا

بھی غرض ہم کو اُس کے ملنے کی
اِس سے کیا بحث وہ کہیں ملتا

کس قدر دیر آشنا وہ ہے
بے ملائے کبھی نہیں ملتا

کیا ہمیں سعی کی ضرورت تھی
وہ اگر چاہتا یونہیں ملتا

ہے قیام اُس کا خانۂ دل میں
مگر اِس پر بھی وہ نہیں ملتا

ڈھونڈھتے ہم جہاں جہاں اُس کو
لطف ہوتا وہیں وہیں ملتا

ہم بھی کچھ دردِ دل سنا دیتے
کاش موقع سے وہ کہیں ملتا

وہ بھی ملتا ہے میں جو ملتا ہوں
نہیں ملتا ہوں تو نہیں ملتا

دیر و مسجد میں ڈھونڈھنا تھا ہمیں
وہ یہیں یا وہیں کہیں ملتا

حضرتِ نوحؔ آپ تو ملئے
دیکھئے پھر وہ کیوں نہیں ملتا

طبع زاد ۱۰ جون ۱۹۲۷ء

ج

دیر و حرم میں آتے جاتے جلوہ دیکھا اکثر تیرا
اِس کی اُس کی تجھ سے رونق یہ گھر تیرا وہ گھر تیرا

تو آقا ہے تو مولا ہے تو مالک ہے تو خالق ہے
دیکھا بھالا جانچا پرکھا کس نے پایا ہمسر تیرا

وہم ہزاروں راہیں لاکھوں عقل بھی ناقص فہم بھی عاجز
ڈھونڈھیں گے ہم تجھ کو کیوں کر کھوج ملے گا کیوں کر تیرا

دل کو سنبھالے دل کو ابھارے دل کو سنوارے دل کو نکھارے
طفل و جواں پیر کے حق میں ذکر ہے سب سے بہتر تیرا

اعلیٰ ادنیٰ افضل اسفل جن و انساں حور و ملائک
فضل و کرم احسان و ترحم اِس پر اُس پر سب پر تیرا

مجھ کو تجھ سے خاص تعلق تجھ کو مجھ سے خاص تعلق
جلوہ تیرا جلوہ میرا منظر میرا منظر تیرا

لطف اُٹھایا آنکھوں نے بھی جلوہ دیکھا نظروں نے بھی
چھُپ کر کھل کر لڑ کر مل کر جم کر چل کر پھر کر تیرا

سجدوں پر ہو خاص توجہ اِس کی پروا ہی نہیں مجھ کو
میرے لئے کیا کم یہ شرف ہے سر میرا سنگِ در تیرا

دیدہ و دل کا رتبہ اتنا دیر و حرم کی عظمت ایسی
گھر کے مالک یہ تو بتا دے سمجھوں کس گھر کو گھر تیرا

دونی لذّت پاتا ہوں میں دُہرا لطف اُٹھاتا ہوں میں
قندِ مکرر سے بڑھ کر ہے مجھ کو ذکرِ مکرر تیرا

بحرِ مصیبت میں تھی ہمیشہ نوحؔ توجہ فضلِ خدا پر
بیڑا طوفانی موجوں سے پار نہ ہوتا کیوں کر تیرا

طبع زاد ۱۲؍ اگست ۱۹۲۸ء

ج

ہم سمجھے ہیں اِس کو راز ترا
بے حقیقت نہیں مجاز ترا

لاکھ پردے ہیں لاکھ جلوے ہیں
کر سکے کون امتیاز ترا

جلوۂ حسن ہو کہ پرتوِ عشق
بٹ گیا اِن میں سوز و ساز ترا

سر بزانو کسی خیال میں ہوں
یہ بھی ہے سجدۂ نماز ترا

ہم نہ اِن کا ادب کریں کیوں کر
کعبہ و دیر میں ہے راز ترا

عقل میری پہنچ نہیں سکتی
لے اُڑا تجھ کو امتیاز ترا

کارِ عالم سے بیش تر مجھ کو
دھیان آتا ہے کارساز ترا

کچھ ہے اغماض کچھ توجہ بھی
مجھ سے یہ ناز بے نیاز ترا

کیوں نہ وجد آئے سارے عالم کو
لَے بشر کی ہے اور ساز ترا

ناز والے کبھی دکھا مجھ کو
میں نے دیکھا نہیں نیاز ترا

ہر کہیں تو ہے پھر کہیں بھی نہیں
کھُلتے کھُلتے کھُلا یہ راز ترا

جس نے محمود پر خدائی کی
ایک بندہ تھا وہ ایاز ترا

دیکھ سکتا نہیں کوئی تجھ کو
اِس سبب سے ہے احتراز ترا

ہر جگہ اہلِ ذوق پاتے ہیں
کچھ نہ کچھ لطفِ امتیاز ترا

بن گیا کوہِ طور پر تجلی
جلوۂ حسنِ دل نواز ترا

جرمِ عصیاں سے کر مجھے بھی پاک
نام ہے پاک بے نیاز ترا

تابعِ حکم ہر دو عالم ہیں
سلسلہ ہے بہت دراز ترا

تو ہی معبود اور تو ہی عبد
سخت مشکل ہے امتیاز ترا

نوحؔ طوفان اگر اُٹھاتے ہیں
تو ہے اِس میں بھی کوئی راز ترا

نعت

طبع زاد ۲۸ اپریل ۱۹۲۳ء

اسے سودا اُسے سودا محمدؐ کا محمدؐ کا
خدا بھی شیفتہ کس کا محمدؐ کا محمدؐ کا

وہ محبوبِ الٰہی ہیں وہ مطلوبِ الٰہی ہیں
کہاں ہم سر کہاں ہمتا محمدؐ کا محمدؐ کا
زمانہ مجھ کو چاہے گا خدائی مجھ کو چاہے گی
کہ میں ہوں چاہنے والا محمدؐ کا محمدؐ کا
ہمارے دل میں ہے الفت محمدؐ کی محمدؐ کی
ہمارے سر کو ہے سودا محمدؐ کا محمدؐ کا
شبِ معراج بلوایا فلک پر اپنے پاس اُن کو
خدا کو پاس تھا ایسا محمدؐ کا محمدؐ کا
مزا جب ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے ہر دم سُنے جاؤں
کئے جائے کوئی چرچا محمدؐ کا محمدؐ کا
بُرے ہم ہیں مگر قسمت ہماری سب سے اچھی ہے
وسیلہ مل گیا اچھا محمدؐ کا محمدؐ کا
مری دیوانگی پر عقل والے وجد کرتے ہیں
ہوا کس کا مجھے سودا محمدؐ کا محمدؐ کا
ملک پوچھیں گے تو کہہ دوں گا ادنا ایک خادم ہوں
محمدؐ کا محمد کا محمدؐ کا محمدؐ کا
یہ وجہِ سربلندی ہے یہ وجہ سرفرازی ہے
اگر سر ہو تو ہو سودا محمدؐ کا محمدؐ کا
زمیں پر بھی فلک پر بھی ادب ملحوظ رکھتے ہیں
بشر کیا کیا ملک کیا کیا محمدؐ کا محمدؐ کا
اِسی باعث سے آنکھوں میں نظر کو دی جگہ ہم نے
نظر میں ہے رُخِ زیبا محمدؐ کا محمدؐ کا
کوئی غافل ہو لیکن ہم کبھی غافل نہیں ہوتے
تصور ہے تصور تھا محمدؐ کا محمدؐ کا
اگر سمجھو تو اِس سے بھی خبر وحدت کی ملتی ہے
خدا کو عشق تھا تنہا محمدؐ کا محمدؐ کا
محمدؐ تو محمدؐ ہیں خدا رکھے خدا رکھے
مریضِ عشق بھی اچھا محمدؐ کا محمدؐ کا

عنایت اور کچھ ہو یا نہ ہو یارب عنایت ہو
محمد نوحؔ کو سودا محمدؐ کا محمدؐ کا

منقبت

حمد، نعت، منقبت اور سلام وغیرہ چاہے وہ جس ردیف وقوافی میں ہوں ہمیشہ ادب کے خیال سے میں غزلوں کے پہلے درج کرتا ہوں

طبع زاد ۱۲ر ستمبر ۱۹۳۴ء

ج

بلا ردیف

محمدؐ کے علاوہ سب سے بہتر
ابوبکر و عمر عثمان و حیدر
مددگار و معیں ہمدرد و یاور
ابوبکر و عمر عثمان و حیدر
فضیلت میں مراتب میں برابر
ابوبکر و عمر عثمان و حیدر
بنے محبوبِ محبوبِ خدا کے
ابوبکر و عمر عثمان و حیدر
حدیثوں کے رہے حافظ محافظ
ابوبکر و عمر عثمان و حیدر
مصیبت میں مدد فرمانے والے
ابوبکر و عمر عثمان و حیدر

نظر آئے نظر جس سمت اُٹھی
عناصر جسمِ پاکِ مصطفٰے کے
ہوئے چاروں طرف مقبول چاروں
کہے جاؤں سنے جاؤں ہمیشہ

ابوبکر و عمر عثمان و حیدر
ابوبکر و عمر عثمان و حیدر
ابوبکر و عمر عثمان و حیدر
ابوبکر و عمر عثمان و حیدر

مری کشتی کریں گے پار اے نوحؑ
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

قصیدہ بطور مخمس ولادت حضرت امام حسین علیہ السلام ۲۶ نومبر سنہ ۱۹۳۳ء

تیسری شعباں کو آیا تیسرا سلطان دیں

جناب گدا حسین صاحب تپش دریا آبادی نے الہ آباد میں اپنی عقیدت سے یہ طرح دے کر مشاعرہ کیا وہ حضرت علیؑ کو پہلا اور امام حسن کو دوسرا اور امام حسین کو تیسرا سلطان دیں مانتے ہیں لیکن میں اپنی عقیدت میں حضور صلعم کو پہلا چار یار کو دوسرا تیسرا چوتھا پانچواں امام حسن کو چھٹا اور امام حسین کو سلطان دیں ساتواں سمجھتا ہوں اس لحاظ سے تیسرے سلطان دیں کی جگہ ساتواں سلطان دیں لکھ دیا ہے

مرحبا صد مرحبا عز و وقار و شان دیں
اور بھی گذرے گذرنے کے لئے شاہانِ دیں
تاج دارِ دیں سے خالی کب رہا ایوانِ دیں
لے کر اپنے ساتھ احکامِ خدا فرمانِ دیں
تیسری شعباں کو آیا ساتواں سلطانِ دیں

آج ہے مغرور اپنی کامیابی پر زمیں
آج ہے ایک ایک ذرہ روکشِ مہرِ مبیں
آج ہے اوجِ زمیں سے شرمگیں عرشِ بریں
آج ہے انوار گسترِ مالکِ تخت و نگیں
تیسری شعباں کو آیا ساتواں سلطانِ دیں

مائلِ جشنِ ولادت امتِ خیر الانام
دم بدم تازہ بتازہ نو بنو دل کش نظام
ہر طرف مصروفِ اظہارِ مسرت خاص و عام
ہے اسی باعث سے یہ تاریخ وجہِ احترام
تیسری شعباں کو آیا ساتواں سلطان دیں

کھل گئے گل ہائے مقصد ہنس پڑی دل کی کلی
ہو گئی رخصت خزاں جاتی رہی سب کھلبلی
یوں نسیمِ جاں فزا آہستہ آہستہ چلی
روضۂ رضواں بنی ملکِ عرب کی ہر گلی
تیسری شعباں کو آیا ساتواں سلطانِ دیں

باغِ عالم میں نزولِ رحمتِ پروردگار
حسنِ گل حسنِ چمن حسنِ فضا حسنِ بہار
ڈالی ڈالی رنگ افشاں پتی پتی عطر بار
کیوں ہوا ایسا سریر آرا ہوا اک تاج دار

تیسری شعباں کو آیا ساتواں سلطانِ دیں

ایک ہیں معراج اک ہیں صوم کا ہے اہتمام
یہ مبارک وہ مقدس دونوں ہی فرخندہ فام
پیشِ تر اس کے رجب ہے بعد اس کے ہے صیام
بیچ میں شعبان جس پر صد درود و صد سلام

تیسری شعباں کو آیا ساتواں سلطانِ دیں

اللہ اللہ عالمِ حسنِ فروزانِ حسین
اس سرے سے اُس سرے تک سب ثنا خوانِ حسین
شش جہت میں کر دیا جلووں نے اعلانِ حسین
کہہ رہے ہیں شاد ہو ہو کر محبانِ حسین

تیسری شعباں کو آیا ساتواں سلطانِ دیں

غیرتِ خورشید صبحِ اوّلیں روئے حسین
صنعتِ صنّاعِ قدرت قدِّ دل جوئے حسین
نکہتِ گلزارِ جنت بوئے گیسوئے حسین
قوتِ بازوئے حیدر زورِ بازوئے حسین

تیسری شعباں کو آیا ساتواں سلطانِ دیں

وسعتِ عالم میں کیا کیا کام قدرت نے کئے
سیکڑوں اعزاز بے مانگے ہوئے بھی دے دیئے
کر سکے تشریح کوئی کس طرح لب ہیں سئے
یہ شرف مخصوص تھا بس اس مہینے کے لئے

تیسری شعباں کو آیا ساتواں سلطانِ دیں

اس لئے اُس نے میں نے تو نے سب نے اپنی عید کی
حبذا صلِّ علےٰ کیا بات ایسی عید کی
عید آنے بھی نہ پائی اور سوجھی عید کی
تیسری شعبان کی گویا ہے پہلی عید کی

تیسری شعباں کو آیا ساتواں سلطانِ دیں

ان کو کہئے فاطمہ کا لاڈلا پیارا پسر
ان کو کہئے احمدِ بے میم کا نورِ نظر
ان کو کہئے مرتضےٰ کا لختِ دل لختِ جگر
ان کو کہئے اکبر و سجاد و اصغر کا پدر

تیسری شعباں کو آیا ساتواں سلطانِ دیں

ولولوں کا جوش اُٹھا خاطرِ ناشاد میں
ہے اثر کیا جانے کیا اہلِ سخن کی داد میں
خوش نہیں دیکھا تھا اتنا اب تک اپنی یاد میں
نوحؔ بھیجے بزمِ یارانِ الہ آباد میں

تیسری شعباں کو آیا ساتواں سلطانِ دیں

سلام

سلام وغیرہ کسی ردیف و قافیہ میں ہوں لیکن غزلوں سے پہلے ان کا لکھنا مناسب ہے

طبع زاد ۲ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۹ء

اے اہلِ غم یہ قول تھا اکثر حسین کا ق
اُجڑے گا کربلا میں بھرا گھر حسین کا

کرتا مقابلہ کوئی کیوں کر حسین کا
اللہ کا عتاب تھا خنجر حسین کا

یہ زہر سے ہوئے وہ ہوئے تیغ سے شہید
قسمت حسن کی اور مقدر حسین کا

سر دے دیا تو خاص تھی اس میں یہ مصلحت
یعنی نہ ہو سکے کوئی ہمسر حسین کا

عباس رزم گہ میں یہ کہتے ہوئے بڑھے
میں ہوں پسر علی کا برادر حسین کا

قاسم اسی خیال سے پہلے ہوئے شہید
وہ حالِ زار دیکھتے کیوں کر حسین کا

ہمت جو تھی کسی کی تو ہمت حسین کی
خنجر جو تھا کسی کا تو خنجر حسین کا

وہ تشنگی تھی کر نہیں سکتے تھے گفتگو
منہ دیکھتے تھے اکبر و اصغر حسین کا

نیزے پہ کیا چڑھا کہ چڑھا آسمان پر
یوں بھی بہت بلند رہا سر حسین کا

راہِ خدا میں گھر جو لٹایا تو اور بھی
دل میں خدائی بھر کے ہوا گھر حسین کا

جاکر وہی بنا ہے شفق آسمان پر
جتنا گرا تھا خون زمیں پر حسین کا

پانی سے خشک لب نہ ہوئے پھر بھی آشنا
سارا بدن لہو میں ہوا تر حسین کا

وہ پھر رہی تھیں دھوپ میں بے تاب بی بیاں
سایہ کبھی تھا جن کے سروں پر حسین کا

قہرِ خدا سے کیا نہ خبر ظالموں کو تھی
بہتے پھریں گے خون بہا کر حسین کا

اُف یہ غضب یہ قہر یہ آزار یہ ستم
بے جسم سر تھا جسم تھا بے سر حسین کا

کس کو سنائے نوحؔ کوئی قدرداں نہیں
وہ رو رہا ہے مرثیہ لکھ کر حسین کا

طبع زاد ۱۸ ستمبر سنہ ۱۹۲۰ء

مطلب تھا صرف اسی سے حسن کو حسین کو
خالق کی بندگی سے حسن کو حسین کو

معلوم ہو گیا تھا کہ ہوں گے شہید ہم
بچپن میں پہلے ہی سے حسن کو حسین کو

یہ لختِ دل وہ لختِ جگر مصطفےٰ کے ہیں
پوچھو ہمارے جی سے حسن کو حسین کو

پایا رسولِ پاک سے جو کچھ علی نے فیض
وہ مل گیا علی سے حسن کو حسین کو

دل میں بھری ہوئی تھی شہادت کی آرزو
نفرت تھی زندگی سے حسن کو حسین کو

راہِ خدا میں فاطمہ زہرا نے دے دیا
کس شوق کس خوشی سے حسن کو حسین کو

کینہ تھا ظالموں کو حسن سے حسین سے
کاوش نہ تھی کسی سے حسن کو حسین کو

اپنی خوشی سے کام نہ تھا کام تھا فقط
اللہ کی خوشی سے حسن کو حسین کو

حکمِ خدا جو تھا تو پہنچتا نہ کیوں گزند
دشمن کی دشمنی سے حسن کو حسین کو

اے نوحؔ ساری عمر اسی میں گذر گئی

روتا ہوں کیا ابھی سے حسن کو حسین کو

طبع زاد یکم ستمبر ۱۹۲۰ء

اے سلامی رن میں آتے ہیں حسین / ہاشمی جوہر دکھاتے ہیں حسین
خاک میں ملتا ہے وہ مثلِ سرشک / جس کو آنکھوں سے گراتے ہیں حسین
ایک دل پر ایک جانِ زار پر / رنج و غم لاکھوں اُٹھاتے ہیں حسین
کل فدا کرتے تھے گھر کا مال و زر / آج اپنا گھر لٹاتے ہیں حسین
اُس طرف موجود ہے فوجِ یزید / جس طرف نظریں اُٹھاتے ہیں حسین

ق

اقربا کی لاش اُٹھائے اور کون / چلتے پھرتے آتے جاتے ہیں حسین
جو شقی اُٹھتا ہے مثلِ گرد باد / خاک میں اُس کو دباتے ہیں حسین
غم اُٹھاتے ہیں مگر کچھ غم نہیں / پانو اپنے کب اُٹھاتے ہیں حسین
ہائے پانی کے لئے اصغر کی ضد / روٹھتے ہیں وہ مناتے ہیں حسین
اشکِ خوں آلودہ برساتے نہیں / رنگ یوں اپنا جماتے ہیں حسین
کوفیوں کو شہ نے دی بڑھ کر صدا / اب کہاں جاتے ہو آتے ہیں حسین
لوگ پانی سے نہاتے ہیں مگر / خون سے اپنے نہاتے ہیں حسین
کیوں نہ ہو بے رونقی عشرے کے بعد / دس دنوں تک رہ کے جاتے ہیں حسین
تعزیہ میں تعزیہ کے بھیس میں / ہر برس جلوہ دکھاتے ہیں حسین

ہر طرف اُٹھتا ہے طوفانِ سرشک
نوحؔ کو اتنا رُلاتے ہیں حسین

طبع زاد ۲۳ اگست ۱۹۲۳ء

ج

اے اہلِ عزا یہ رنج والم کیا کم ہیں خدائی بھر کے لئے / خنجر تھا علی اکبر کے لئے ناوک تھا علی اصغر کے لئے
سرور کے لئے تڑپا ہی کرے بجلی کو ملا یہ حکمِ خدا / بادل کو بھی یہ ارشاد ہوا روتا ہی رہے سرور کے لئے
ہر وقت ستم ہر آن ستم ہر لحظہ ستم ہر لمحہ ستم / صورت ہی کوئی باقی نہ رہی تسکینِ دلِ مضطر کے لئے
چاہیں تو اُٹھا دیں سب کے قدم چاہیں تو فنا کر دیں سب کو / کہنے کو بہتر ہیں لیکن کافی ہیں یہ لشکر بھر کے لئے
شکووں کا نکلنا بند ہوا مظلوم کہاں تک اب روئیں / دو چار لہو کی بوندیں بھی باقی نہیں چشمِ تر کے لئے
شبیر یہ سچ فرماتے تھے اُن کا یہ بجا فرمانا تھا / کیا خانہ خرابی خلق ہوئی دنیا میں مرے ہی گھر کے لئے
آزار و ستم کچھ اُٹھ نہ رہا بے داد و جفا کچھ اُٹھ نہ رہی / ایک ایک سرِ بے تن کے لئے ایک ایک تنِ بے سر کے لئے

اے نوحؔ یہ پہنچا زخم نیا یہ داغ انھیں ایک اور ملا

روتے تھے ابھی یثرب والے احمد کے لئے حیدر کے لئے

ہر سمت ہے جہاں میں دہائی حسین کی

ذیل کے سلام کو مع خمسہ کے میں نے بھوساول کے مسالمہ میں ۳ر اکتوبر ۱۹۲۵ء کو پڑھا تھا شعراء میں سے حضرات آغاز۔ اختر۔ تحمل۔ جوہر۔ حافظ۔ خیالی۔ راغب۔ شاد۔ شوق۔ صابر۔ عاشق۔ ماہر۔ مضطر۔ ایمان۔ امجد ریاضی۔ ناطق۔ قمر۔ قادر۔ مسلم وغیرہ وغیرہ موجود تھے دیوان میں جہاں یہ خمسہ لکھا ہوا ہے وہاں مفصل حالات درج ہیں۔

ج

نمبر ورق اردو

اہلِ عزا کو یاد پھر آئی حسین کی ۔۔۔ فریاد ہے حسن کی دہائی حسین کی
یہ بات ہے درست بنا گھر بگڑ گیا ۔۔۔ لیکن خدا نے بات بنائی حسین کی
اہلِ ستم جلیں گے جہنم میں بالیقیں ۔۔۔ کیوں کر بجھے گی آگ لگائی حسین کی
ہونے کے واسطے تو ہوئے سیکڑوں امام ۔۔۔ صبر و رضا نے قدر بڑھائی حسین کی
عباس نے دعا بھی مانگی دمِ اخیر ۔۔۔ اللہ خیر ہو مرے بھائی حسین کی
وہ دوپہر وہ دھوپ وہ جلتی ہوئی زمیں ۔۔۔ وہ تشنگی وہ رن وہ لڑائی حسین کی
اعدا کو بھوک تھی کہ یہ ہوں پیاسے ہی شہید ۔۔۔ ہر شخص چاہتا تھا برائی حسین کی
اِس پر بھی خوب کام لیا ذوالفقار سے ۔۔۔ نازک تھی شاخِ گل سے کلائی حسین کی
دیکھا نہ اُن کو تو یہ نظر کا قصور تھا ۔۔۔ بڑھ کر علی نے لاش اٹھائی حسین کی
خیمے کے گرد پھیلے ہوئے تھے سب اہلِ شام ۔۔۔ لٹتی تھی دن دہاڑے کمائی حسین کی
آنسو پیئے تو نام شہیدوں کا لے لیا ۔۔۔ کھائی اگر قسم بھی تو کھائی حسین کی
پھر کر وطن جو آئے محبوں کے روبرو ۔۔۔ عابد نے سرگذشت سنائی حسین کی
کرتا ہوں تعزیوں پر ادا رسم تعزیت ۔۔۔ دیتی ہے مجھ کو شکل دکھائی حسین کی
اِس غم سے خاک اُڑاتا ہے ساحل فرات کا ۔۔۔ بڑھ کر نہ میں نے پیاس بجھائی حسین کی

اے نوح کیوں اٹھاتے ہو طوفان تو قدم
دیکھو سواری آئی وہ آئی حسین کی

خاک و خوں میں جب سرِ شبیر غلطاں ہو گیا
کر دیا خاموش مجھ کو آپ کی تصویر نے

یہ دونوں طرحیں بھوساول کے مسالمہ و مشاعرہ کے لئے مقرر کی گئی تھیں چنانچہ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۲۶ء کو مسالمے میں سلام پڑھے گئے اِس تاریخ کے واقعات جو "البرہان" برہان پور کے ایڈیٹر نے لکھے ہیں انھیں یہاں درج کرتا ہوں اور ۱۶ر اکتوبر ۱۹۲۶ء کے حالات (یے) کی ردیف میں غزل عاشقانہ کے ساتھ ناظرین کو ملیں گے۔ مطبوعہ البرہان ۲۲ر اکتوبر ۱۹۲۶ء

اراکین انجمن اور صاحبان بھوساول نے جس گرم جوشی حسن انتظام اور اخلاص سے مشاعرے کو کامیاب بنانے کی فکر تھی بفضلہ تعالیٰ اُن کی سعی کارآمد و شاندار ثابت ہوئی بالخصوص مشاعرے کے دوران میں مدرسۂ فلاح دارین کی کارروائی نے مشاعرہ اور قومی ضروریات میں چار چاند لگا دئیے تھے اس بنیاد پر یہ توقعات کسی طرح بے جا نہیں کہ خدا نے چاہا تو انجمن مجلس حسینی اور مدرسۂ فلاح دارین کا مستقبل اور بھی شاندار ہوگا ساتھ ہی یہ ایک بڑی فروگذاشت ہوگی اگر معزز صدر مشاعرہ کی خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے لائق صدر نے جس قابلیت سے صدارت کے فرائض کو ادا کیا ہے اور حاضرین و سامعین و شعرا کے ساتھ جس حسن اخلاق کا برتاؤ برتا وہ ادبی دنیا کی ایک بے مثال نظیر تھی جس نے قلوب کو مسخر کر لیا ہے اس کے بعد اراکین انجمن و حضرات بھوساول کی مہمان نوازی بھی قابل ذکر ہے کہ انھوں نے اپنے جلسے کے معزز صدر کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا اور بعد اختتام جلسہ شاندار طریقے پر الوداع کیا ہے جس سے یقیناً اُن کے معزز مہمان کا دل و دماغ بہترین خیالات لے کر رخصت ہوا ہے

مشاعرہ

۱۵ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو تاج الشعرا فصیح العصر ناخدائے سخن حضرت مولانا محمد نوح صاحب نوحؔ ناروی مدظلہ انجمن مجلس حسینی بھوساول کی دعوت پر دس بجے دن کی ٹرین سے بھوساول تشریف لائے کارپردازانِ انجمن اور روسائے شہر نے اسٹیشن پر آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور قیام گاہ پر یعنی انجمن فلاح دارین کی خاص عالی شان بلڈنگ میں جو مسلمانان بھوساول کی بیداری اور مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے بعدِ طعام آرام فرمایا شب کو قریب سات بجے چہلم شریف کے سلسلے میں ٹٹی کا جلوس نکالا گیا. جو چہلم حضرت امامؑ کے مراسم میں یہاں ایک رواج چلا آرہا ہے جلوس نہایت شاندار تھا بعد فاتحہ خوانی قریب دس بجے شب سے طرحی سلام پر ایک وسیع منڈوے میں. جو کاغذی گل بوٹوں سے آراستہ کیا گیا تھا مشاعرہ شروع ہوا قابل صدر نے صدارت کو رونق بخشی اور شعرائے بھوساول، بیاول، دھولیہ، مالی گانو، مئو، ملکہ پور، کھام گانو، برہان پور، کھنڈوہ وغیرہ نے حسب اجازت اپنے اپنے پاکیزہ کلام سُنانے شروع کئے ایک سے ایک بہتر کلام سنے گئے سب سے آخر میں معزز صدر نے اپنا کلام فصاحت نظام سنایا معنی کے اس قدر دریا بہائے کہ سننے والوں کو طوفان کا گمان ہوتا تھا موج ہائے مضامین نے وہ تلاطم برپا کیا کہ سارا پنڈال صدائے مرحبا و آفریں سے گونج اٹھا آخر کار قریب چار بجے صبح کو یہ متبرک جلسہ اپنے نکات و جذبات شاعری کو لئے ہوئے پوری کامیابی کے ساتھ ختم ہوا

اے سلامی اور سے کیا اور ساماں ہوگیا
جس کو بخشا تھا شرف خونِ سر شبیر نے
اپنے مہمانوں پر اعدا نے کیا پانی بھی بند
کر دیا بادِ حوادث نے الگ اک اک ورق
شاہ کہتے تھے دکھا کر اکبر و اصغر کی لاش

کائناتِ غم کا ہر ذرہ پریشاں ہوگیا
کربلا کا اُس قدر ٹکڑا گلستاں ہوگیا
تین دن پہلے ہی مر جانے کا ساماں ہوگیا
یوں کتابِ دیں کا مجموعہ پریشاں ہوگیا
نذرِ خنجر وہ ہوا یہ نذرِ پیکاں ہوگیا

بے گناہوں کا لہو اتنا کیا گردوں نے جذب
تھا جو تارا قطرۂ خونِ شہیداں ہوگیا

رہ گئے قاسم وہیں اپنا کلیجا تھام کر
پار جب اِس پار سے اُس پار پیکاں ہوگیا

شاہ نے یوں جسم پر پہنا شہادت کا لباس
گرد دامن بن گئی خنجر گریباں ہوگیا

مشتعل تھے زایروں کے دل میں لاکھوں داغِ غم
قبرِ اطہر پر جو یہ پہنچے چراغاں ہوگیا

جانتے ہیں ماتمِ شہ کو ہم اپنا فرضِ خاص
کی ترقی اِس قدر غم نے کہ ایماں ہوگیا

بن گیا کون و مکاں میں رنگِ گُل رنگِ شفق
خونِ ناحق یوں شہیدوں کا نمایاں ہوگیا

جان دینے پر تُلے تھے عابدِ بیمار بھی
یہ کہو اللہ ہی اُن کا نگہ باں ہوگیا

تیغ جو اُٹھی وہ پلٹی کام کر چکنے کے بعد
تیر جو آیا وہ پیوستِ رگِ جاں ہوگیا

ابر و شبنم پر نہیں موقوف کچھ غم کا اثر
روضۂ اقدس سے جو گذرا وہ گریاں ہوگیا

قطرۂ خوں سے تو واضع تیر کی ہوتی رہی
دل میں آیا دل میں بیٹھا دل میں مہماں ہوگیا

شاہ کہتے تھے ہمیں مرنے کا اپنے غم نہیں
غم تو اِس کا ہے کہ مجموعہ پریشاں ہوگیا

جس کو زانوئے محمدؐ پر جگہ ملتی رہی
خاک و خوں میں وہ سرِ شبیر غلطاں ہوگیا

نوحؔ اپنے بس میں کچھ ایسا تھا جوشِ اشکِ غم
ہم جہاں روئے وہیں موجود طوفاں ہوگیا

۲۵ ستمبر ۱۹۲۸ء

ج

مجریٔ جنگ میں تھا بند فقط کیا پانی
تین دن تک نہ ملا شاہ کو دانا پانی

وقتِ آخر بھی ہوا تھا نہ مہیا پانی
اب ہے پانی کا اِسی غم سے کلیجا پانی

پیاس بجھوا نہ سکے شہ کی جو پانی دے کر
حشر کے روز بھریں گے وہی اعدا پانی

صبر سے کام لیا حکم اگر دے دیتے
نہ گرجتا کبھی بادل نہ برستا پانی

تشنگی بڑھ گئی اِتنی ہوئے یوں مضطر
نام پانی کا سُنا منھ میں بھر آیا پانی

ہائے وہ دشتِ بلا گرم ہوا قہر و جفا
اور پانی کے نہ پانے کی وہ ایذا پانی

آنسوؤں میں نظر آتے تھے لہو کے قطرے
غم سے دل خون ہوا اور کلیجا پانی

بی بیاں تشنہ لبی سے جو دعائیں کرتیں
پردۂ خیمۂ اطہر سے نکلتا پانی

امتحاں گاہِ شہادت کا عجب رنگ رہا
خون برسا جو نہ برسا تو نہ برسا پانی

تشنہ کاموں کے گلے اُس سے بھی تر ہو نہ سکے
خنجر و تیغ و سناں میں تھا ذرا سا پانی

محوِ نظارۂ سفاکی و بیداد رہیں
شمر کم بخت کی آنکھوں میں نہ اُترا پانی

پانی پانی وہ پکارا کئے پانی نہ ملا
آج تک ہے عرقِ شرم سے دریا پانی

یہ بھی تھی شرطِ شہادت کہ رہے دور فرات
ورنہ شبیر سے کرتا نہ کنارا پانی

صورتِ شمع جو ہم روئے تو حاصل کیا ہے
یوں بہیں اشک کہ ہو سر سے بھی اونچا پانی

مشک بھر کر یہی کہتے ہوئے عباس چلے
سب پئیں تو پئیں ہم کیا پئیں تنہا پانی

لکھ گیا تھا یہی تقدیر میں کیا روزِ ازل
ٹھنڈے ہو جائیں مگر پائیں نہ ٹھنڈا پانی

ہم نے مانا کہ انھیں پیاس بھی ہے بھوک بھی ہے
کیا مگر کھائیں پئیں اُٹھ گیا دانا پانی

کثرتِ ظلم وستم سے ہوئے عابد نہ ملول
وہ سمجھتے تھے اُتر جائے گا چڑھتا پانی

رزم گہ میں تو نہ بھولے سے بھی سیراب کیا
اب شہیدوں کو دکھایا کرے جلوا پانی

حضرتِ نوح نے اچھا یہ اُٹھایا طوفاں
بحر ہے ایک مگر بیس طرح کا پانی

حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ

حسب فرمائش جناب عبدالغفار صاحب رئیس رنگون ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۲۸ء

ج

ہمیں بھی کوئی پیمانہ جنابِ غوث الاعظم کا
رہے آباد مے خانہ جنابِ غوث الاعظم کا

کبھی چھوڑا نہ کاشانہ جنابِ غوث الاعظم کا
بڑا عاقل ہے دیوانہ جنابِ غوث الاعظم کا

شرابِ معرفت بدمست کر دے سارے عالم کو
چھلکتا جائے پیمانہ جنابِ غوث الاعظم کا

حسابِ حشر سے پہلے وہ داخل ہوگا جنت میں
ملے گا جس کو پروانہ جنابِ غوث الاعظم کا

وہ پائے احمدِ بے میم کی توقیر فرمائی
شبِ معراج وہ شانہ جنابِ غوث الاعظم کا

جگر کو اپنے سمجھاؤں کہ اپنے دل کو بہلاؤں
یہ دیوانہ وہ دیوانہ جنابِ غوث الاعظم کا

تمنا ہے کہ میں بغداد پہنچوں اُن کے روضے پر
مرے آگے ہو کاشانہ جنابِ غوث الاعظم کا

ضیائے شمع عرفاں نے جہاں کو گھیر رکھا ہے
جسے دیکھو وہ پروانہ جنابِ غوث الاعظم کا

یہ سنتا ہوں سوا ہے دل کا رتبہ عرشِ اعظم سے
دلِ اعظم ہے کاشانہ جنابِ غوث الاعظم کا

اُنھیں عالم سے نسبت اہلِ عالم کس طرح دیتے
کہ عالم تھا جداگانہ جنابِ غوث الاعظم کا

ہمارے خانۂ دل میں خیالِ غیر کیا آئے
یہ کاشانہ ہے کاشانہ جنابِ غوث الاعظم کا

چراغِ طورِ سینا سے نہیں کچھ واسطہ اِس کو
ہمارا دل ہے پروانہ جنابِ غوث الاعظم کا

چلو اے پینے والو گیارہویں تاریخ آ پہنچی
کھلا پُر کیف مے خانہ جنابِ غوث الاعظم کا

تمھیں اے نوح دیوانے ہو گیا سارے زمانے میں
زمانہ بھی ہے دیوانہ جنابِ غوث الاعظم کا

غزلیں

۱

اب جنوں مالک ہوا ہے خانۂ زنجیر کا

اس طرح پر ۲۰ اپریل ۱۹۱۸ء کو بین پوری میں ایک بہت بڑا مشاعرہ ہوا مقامی شعرا میں سے جناب اصغر۔ صادق۔ مائل۔ فدا صاحبان مختلف مقاموں سے حضرات مومن ٹونکی۔ بےدم اٹاوی۔ عطا۔ ہمزہ۔ خلیل۔ زلالی۔ سرمد۔ وامق فانی۔ جامی بدایونی۔ ادیب فتح پوری وغیرہ شریک تھے بعد ختم مشاعرہ انجمن معیار الشعرا کی طرف سے اکثر حضرات کو خطاب دئے گئے چنانچہ مجھے بھی تاج الشعرا کا خطاب ملا غزل پر جو کچھ داد دی گئی وہ اُن صاحبوں سے پوشیدہ نہیں. جو مشاعرے میں رونق افروز تھے

نقشِ الفت میں جو ہوتا رنگ کچھ تاثیر کا
دیکھتے منھ ہم کسی منھ بولتی تصویر کا

ہو خیال اُن کو تو کیوں ہو آہِ بے تاثیر کا
کیا بھروسہ کیا ٹھکانہ اِس ہوائی تیر کا

چال ہی تو ہے کہ تم سے چالئے پر چل گئی
پڑ گیا تقدیر سے پانسہ مری تدبیر کا

کس لئے کرتے ہو شکوہ کس لئے کرتے ہو آہ
مجھ سے یہ کہتا ہے چپ رہنا تری تصویر کا

اُس نظر نے اِس نظر سے دل کے دو ٹکڑے کئے
ایک حصّہ تیغ کا تھا ایک حصّہ تیر کا

اپنی اپنی سعی میں جن کو ہوئیں ناکامیاں
سیکھ لیں تدبیر سے وہ فلسفہ تقدیر کا

جس کو دنیا کی دو رنگی میں ہو کچھ بھی احتمال
دوسرا رخ دیکھ لے وہ اپنی ہی تصویر کا

نامہ بر کہنا زبانی دے کے میرا خط انھیں
مرثیہ ہے یہ تمھارے عاشقِ دل گیر کا

یہ ہے سچّا عشق سچّا جذب سچّا اتحاد
دل میں آیا تو نہ نکلا دل سے پیکاں تیر کا

خوب رویانِ جہاں بھی مطمئن رہتے نہیں
گل کو ہے گل چیں کا کھٹکا شمع کو گل گیر کا

تاب لائے گا کوئی کیا جلوۂ دیدار کی
آئینہ بھی ہو گیا اندھا تری تصویر کا

جوڑ دے گا رشتۂ جوشِ جنوں کو اور بھی
ایک اک حلقہ مری ٹوٹی ہوئی زنجیر کا

دل کے مٹ جانے کی صورت یوں مصور کھینچ دے
کچھ دبا پہلو رہے بایاں مری تصویر کا

کچھ تو گذرے ہیں مرے دل پر بھی ایسے واقعات
منحرف تدبیر سے ہوں معترف تقدیر کا

اِس نظر سے دیکھ ہر ذرّے کو اے ذوقِ نظر
گو نہیں اکسیر لیکن جزو ہے اکسیر کا

پیچھے پیچھے جا رہے ہیں اقربا روتے ہوئے
اُن کو حیرت مجھ کو سکتہ وہ بھی چپ میں بھی خموش

آ گئے آگے سہے جنازہ عاشقِ دل گیر کا
ہو رہا ہے سامنا تصویر سے تصویر کا

وہ نہ پہلو میں رہے تو کیوں یہ قبضے میں رہے
لے کے دل ٹھیکہ بھی لے لو نوح کی جاگیر کا

نہ کہنا غیر اس محفل میں شامل ہو نہیں سکتا

اس طرح پر ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو میرٹھ میں جنرل مشاعرہ ہونے والا تھا۔ بڑے بڑے شعرا مدعو کئے گئے صوفی صاحب۔ اثر صاحب شمس صاحب میرے بلانے کو نارے آئے لیکن میں عزیزی ریاض احمد صاحب سلمہٗ کی علالت سے نہ جا سکا غزلیں بھیج دی تھیں بعد کو معلوم ہوا کہ انفلوئنزا پھیل جانے سے مشاعرہ نہیں ہوا ملتوی ہو گیا۔

ق — یکساں قافیہ

مزہ الفت میں کیا دونوں کو حاصل ہو نہیں سکتا
مگر مشکل ہے ایک اُن کا مرا دل ہو نہیں سکتا

جفا و رشک و غم سہنے کے قابل ہو نہیں سکتا
مرا دل ہو بھی، ہو سکتا ہے ترا دل ہو نہیں سکتا

کسی کے رنج و غم میں کوئی شامل ہو نہیں سکتا
مرا ساتھی مرا حامی مرا دل ہو نہیں سکتا

عزیزِ خلق بننے کو وفا کی بھی ضرورت ہے
فقط پہلو میں ہونے سے کوئی دل ہو نہیں سکتا

الٰہی اُڑ گئی دنیا سے کیا تاثیر الفت کی
وہ کہتے ہیں ہمارا دل ترا دل ہو نہیں سکتا

وہ فرماتے ہیں لاؤ مجھ کو دے دو کس طرح دے دوں
مرے پہلو میں پیدا دوسرا دل ہو نہیں سکتا

وفا سے آدمی تسخیر کر لیتا ہے عالم کو
وہ دل میں رہتے رہتے کیا مرا دل ہو نہیں سکتا

ہم آہیں کیا کریں انجام آہوں کا سمجھتے ہیں
ہوا میں بھی شگفتہ غنچۂ دل ہو نہیں سکتا

وہ موسیٰ ہی تھے غش کھا کر گرے جو طور سینا پر
ہمیں جلوے سے سکتہ بھی تو اے دل ہو نہیں سکتا

جگہ دوں کیا سمجھ کر میں ترے پیکاں کو پہلو میں
مرا دل بن نہیں سکتا مرا دل ہو نہیں سکتا

پرائی چیز مل جائے تو پھر بھی وہ پرائی ہے
کوئی لے کر مرا دل مالکِ دل ہو نہیں سکتا

نگاہوں سے نگاہیں لڑ کر اکثر چھپ بھی سکتی ہیں
مگر مل کر کبھی دل سے جدا دل ہو نہیں سکتا

وفا و عشق میں بھی کوئی شے ذاتی فضیلت ہے
تڑپنے کو جگر تڑپے مگر دل ہو نہیں سکتا

لگاوٹ اور پھر اُس پر لگاوٹ خوب رویوں کی
انھیں تو دل بھی دے کر کوئی بے دل ہو نہیں سکتا

ہوائے گل اُڑا لے جائے لیکن کیا تماشا ہے
عنادل کے تلفظ سے جدا دل ہو نہیں سکتا

وفا سے اُس کو مطلب ہے جفا سے واسطہ اس کو
جنابِ نوح کا دل آپ کا دل ہو نہیں سکتا

مختلف قوافی

یہ بسمل ہو نہیں سکتا وہ بسمل ہو نہیں سکتا
ق
کوئی قاتل بننے سے قاتل ہو نہیں سکتا

جو پھنچیں گے تو ہم پہنچیں گے مرکر اُس کے کوچے تک
کبھی ذرّے اُبھر کر مہرِ تاباں بن نہیں سکتے
یہ کہہ کر کیا مجبور اُسے آنکھیں لڑانے پر
کبھی دنیا کے جھگڑے ہیں کبھی عقبےٰ کے قصّے ہیں
عجب کیا ہے یہ کہہ کر آئینہ رکھ دیں وہ ہاتھوں سے
کبھی چلتی ہوائیں روکنے سے رُک نہیں سکتیں
بگولوں کی طرف کیوں دوڑتا پھرتا ہے اے مجنوں
جو پہلو میں دلِ دقت پسند اپنا سلامت ہے

کہ جیتے جی کوئی جنت میں داخل ہو نہیں سکتا
کوئی تارا چمک کر ماہِ کامل ہو نہیں سکتا
نظر ہو جس کی شرمیلی وہ قاتل ہو نہیں سکتا
ہمارے دل کو اطمینان حاصل ہو نہیں سکتا
کہ آپ اپنے سے میں ہرگز مقابل ہو نہیں سکتا
کوئی آزاد پابندِ سلاسل ہو نہیں سکتا
کہ ہر محمل تری لیلےٰ کا محمل ہو نہیں سکتا
تو ہر مشکل سے مشکل کام مشکل ہو نہیں سکتا

رہے گا ورطۂ بحرِ محبت ہی میں ہر پھر کر
سفینہ نوحؔ کا ممنونِ ساحل ہو نہیں سکتا

محبت کا اثر ہر ایک کے دل پر نہیں ہوتا

مجی سید تصدق حسین صاحب قرار مرحوم شاہ جہاں پوری نے لکھنؤ سے اس طرح پر مجھ سے پانچ شعروں کی بھی میں نے اسی وقت ذیل کے اشعار ۳۰ جون ۱۹۱۹ء کو کہہ کر اُن کے پاس بھیج دئے ممکن ہے کوئی مشاعرہ اس طرح پر لکھنؤ میں ہوا ہو

جو سرگرمِ فغاں میں جوشِ الفت میں کہیں ہوتا
مرا دل غرقِ دریائے محبت کیوں نہیں ہوتا
یہ لالچ بھی نہیں اب کیا مرے ارمان نکلیں گے
تری محفل میں دیکھی بے رخی ہم نے قیامت کی
یہ آنا ہی مرا دنیا میں تھا تمہید جانے کی
مٹی جاتی ہے ساری خلق اُن کی خوش خرامی پر
جو وہ مِل کر کبھی ملنے کا پھر اقرار کر لیتے
رہا ترکش میں تیر اتیر تو کیا فائدہ اِس سے

ق

فلک بھی خاک ہو کر داخلِ جزوِ زمیں ہوتا
دُرِ مقصود اسے ملتے اگر یہ تہ نشیں ہوتا
جو دل پہلو میں ہوتا تو کوئی پہلو نشیں ہوتا
تعجب ہے یہاں کوئی کسی کا کیوں نہیں ہوتا
نہ میں زیرِ فلک ہوتا نہ میں زیرِ زمیں ہوتا
مگر میں ہوں کہ اب بھی حشر کا قائل نہیں ہوتا
یقیں ہوتا نہ کیوں کر مجھ کو ہوتا بایقیں ہوتا
یہ مہرے دل میں ہوتا یا مرے دل کے قریں ہوتا

وہی تو ہے وہی اے نوحؔ تیری گریہ وزاری
مگر دنیا میں اب طوفان برپا کیوں نہیں ہوتا

اُن کے ہاتھوں میں گلِ بازی تھا میرا دل نہ تھا

اس طرح پر الہ آباد میں ۸ ستمبر ۱۹۱۹ء کو مجی سید محمد حسین صاحب جوہر و مکرمی سید ماجد علی صاحب ماجد و کیل کے اہتمام سے ایک مشاعرہ ہوا تھا مجھ سے بھی شرکت کے لئے زور دیا گیا لیکن میں بہ وجہ بارش نہ جا سکا یہ غزل صرف ایک قافیے میں ہے اور تمام غزل میں اضافت اور واوِ عطف نہیں ہے

کیا چھلاوا تھا ترا جلوہ وہ اے قاتل نہ تھا
میں نے دیکھا مڑ کے تو پہلو میں میرا دل نہ تھا

کیا کہا یہ کام اُس کے واسطے مشکل نہ تھا
دل تمھیں دیتا مرے دشمن کا اِتنا دل نہ تھا

لے گئی اُن کی نگاہِ ناز ہم سے چھین کر
جس کو اپنا دل سمجھتے تھے وہ اپنا دل نہ تھا

دل کسی کو دے کے دل والے تڑپتے ہی رہے
تھا وہی آرام سے پہلو میں جس کے دل نہ تھا

ق

کس طرح کہہ دوں اُسے تم لے کے چلتے ہو گئے
پہلے یہ تو جانچ لوں پہلو میں تھا یا دل نہ تھا

وہ مٹا تو ساتھ اُس کے ایک دنیا مٹ گئی
دل میں تھے ارمان بھی لاکھوں اکیلا دل نہ تھا

پھیر لیں کیا سوچ کر اپنی نگاہیں آپ نے
دل کے قابل وہ نہ تھیں یا اُن کے قابل دل نہ تھا

مل گئی مجھ کو بھی قیمت وہ بھی سستے چھٹ گئے
لکھ دیا دل لے کے میرا تھا تمھارا دل نہ تھا

چاہتے ہیں کب سے ہم یہ کچھ خبر ہے آپ کو
جان بھی دل میں نہ تھی پہلو میں بھی جب دل نہ تھا

ہاتھ رکھ دینے سے اُن کے اور زحمت بڑھ گئی
تھا مگر اے نوح یوں بے تاب اپنا دل نہ تھا

عمر بھر غم کو خوشی درد کو درماں سمجھا

۱۰ اپریل سنہ ۱۹۲ء کو پٹنہ عظیم آباد میں جناب سید شاہ حامد حسین صاحب حامد سجادہ نشین درگاہ حضرت ارزاں صاحب رح کے اہتمام سے اس طرح پر عظیم الشان مشاعرہ ہوا مقامی شعرا کے علاوہ جناب بدر صاحب آروی اور جناب فصاحت صاحب لکھنوی عشرت صاحب سندیلوی، توبہ صاحب سید سرانوانی، صفدر صاحب مرزاپوری، اور جناب یاس صاحب وغیرہ موجود تھے مجھے ذیل کی غزل پر بہت داد ملی مشاعرہ دس بجے رات کو شروع ہو کر بارہ بجے دن کو ختم ہوا

آہ و زاری سے وہ کیا اے دلِ نالاں سمجھا
بس یہ سمجھا کہ تجھے بے سر و ساماں سمجھا

دل میں کیا کیا نگہِ ناز نے شکلیں بدلیں
کوئی نشتر اسے سمجھا کوئی پیکاں سمجھا

کوچۂ یار کا رُتبہ کوئی ہم سے پوچھے
کچھ نہ سمجھا جو اسے روضۂ رضواں سمجھا

ق

چارہ گر کہتا ہے مٹ جائے گی تکلیف تری
کیا مرے درد کو یہ قابلِ درماں سمجھا

عشق کی لاگ نصیحت سے سوا ہوتی ہے
مجھ کو سمجھا کے یہ اب ناصحِ ناداں سمجھا

اور جو کچھ ہو حقیقت وہ فرشتے جانیں
گلشنِ خلد کو میں کوچۂ جاناں سمجھا

شام ہوتی ہے سحر ہوتی ہے پھر ہوتی ہے شام
اُس کی قدرت کو نہ سمجھے گا نہ انساں سمجھا

مشکلیں عشق و محبت کی ہنسی کھیل نہیں
قابلِ داد وہ ہے جو اِنھیں آساں سمجھا

زخمِ الفت کہیں دنیا میں سئے جاتے ہیں
چاکِ دل کو بھی وہ کیا چاکِ گریباں سمجھا

دل میں ارمان بھی ہے شوق بھی ہے ذوق بھی ہے
اس بھرے گھر کو وہ کیا خانۂ ویراں سمجھا

خوف سے دوسرے دیوان کی غزلیں نہ پڑھیں

نوحؔ طوفان کو وہ نوحؔ کا طوفاں سمجھا

طبع زاد ۲۱ اگست سنہ ۱۹۲۰ء

یہ خلاصہ ہے مرے حالات کا — پڑ گیا رونا مجھے دن رات کا
جانتا ہو جو محل ہر بات کا — کیا ٹھکانہ اُس کی معلومات کا
چھُپ کے جانا اُن کے گھر مشکل نہیں — منتظر ہوں میں اندھیری رات کا
کس طرح تھامے اثر کو دوڑ کر — نالہ ہے بے پانو کا بے ہات کا
بات بھی میری جو تم سنتے نہیں — خوف ہے آخر تمھیں کس بات کا
اچھی سوجھی یہ قیامت میں تمھیں — دن کو اب کرتے ہو وعدہ رات کا
دل جو دیتا ہوں تو کہتا ہے وہ شوخ — تم سے میں طالب نہیں سوغات کا
کیا ستم تو نے کیا اے ضبطِ اشک — ہائے وہ عالم بھری برسات کا
ق
لوگ کر لیتے ہیں کیوں کر اعتبار — میری تیری اِس کی اُس کی بات کا
دیکھئے جس وقت کوئے یار میں — حشر ہے دو چار کا چھ سات کا
انتہائے عشق میں پیش آ گئی — ابتدا میں خوف تھا جس بات کا
چل دئے اُٹھ اُٹھ کے میرے چارہ ساز — ہے بھروسہ اب خدا کی ذات کا
دل اُڑا لینا کوئی مشکل نہیں — ہے یہ کرتب اُن کے بائیں ہات کا

ہر گھڑی یادِ خدا سے کام ہے
پوچھنا کیا نوحؔ کی اوقات کا

طبع زاد ۳۰ اگست سنہ ۱۹۲۰ء

شکووں پہ ستم آہوں پہ جفا سو بار ہوئی سو بار ہوا — ہر بات مجھے ہر کام مجھے دشوار ہوئی دشوار ہوا
ساقی کی نشیلی آنکھوں سے ساری دنیا سارا عالم — بدمست ہوئی بدمست ہوا سرشار ہوئی سرشار ہوا
ہے نام دلِ مضطر جس کا کہتے ہیں جسے سب جانِ حزیں — مرنے کے لئے مٹنے کے لئے تیار ہوئی تیار ہوا
اظہارِ محبت بھی ہے غضب اظہارِ محبت کون کرے — حجت اُن سے جھگڑا مجھ سے ہر بار ہوئی ہر بار ہوا
دنیا میں بہار اب آپہنچی مے خانے کا در بھی کھُل جائے — ایک ایک گلی ایک ایک مکاں گلزار ہوئی گلزار ہوا
کیوں رحم وہ ظالم کرنے لگا کیوں موت یہاں تک آنے لگی — الفت سے مری صورت سے مری بیزار ہوئی بیزار ہوا
حسرت اپنی ارماں اپنا آزار اپنا تکلیف اپنی — ہم درد بنی ہم درد بنا غم خوار ہوئی غم خوار ہوا
ملنے سے تنفر تھا جس کو آغوش میں اب وہ سوتا ہے — تقدیر مری اقبال مرا بیدار ہوئی بیدار ہوا
ق
مقتل میں جفائیں ڈھانے پر مقتل میں جفائیں سہنے پر — قاتل کی نظر بسمل کا جگر تیار ہوئی تیار ہوا

اے نوح یہ کیا سوجھی تم کو طوفان اُٹھایا کیوں تم نے
ساری دنیا سارا عالم بیزار ہوئی بیزار ہوا

طبع زاد ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۱ء

ناکامِ نشاطِ عیش و خوشی ہر وقت کے رنج و غم نے کیا
جو تم نے کہا وہ دل نے کیا جو دل نے کہا وہ ہم نے کیا

یہ حال ہے میرے مرقد کا عالم ہے یہ میرے مدفن پر
صرصر نے کسی دن جھاڑو دی چھڑکاؤ کبھی شبنم نے کیا

فرقت میں ہزاروں ظلم سہے الفت میں ہزاروں رنج دئے
کیا ہم نے کیا کیا تم نے کیا یہ تم نے کیا وہ ہم نے کیا

آنکھوں سے بہے مٹی میں ملے احباب کو پروا کچھ نہ ہوئی
ماتم مرے ایک ایک آنسو کا مژگاں کی صفِ ماتم نے کیا

اب کوئی اِسے فریاد کہے یا کوئی اِسے شکوہ سمجھے
ہم کو جو ستایا بندوں نے تو شکر خدا کا ہم نے کیا

یوں آپ بگڑنے کو بگڑیں لیکن یہ ذرا سوچیں سمجھیں
کیا صرف ہمیں نے عشق کیا دنیا نے کیا عالم نے کیا

یہ تم نے کیا یہ تم نے سُنا یہ تم نے کہا یہ کون کہے
وہ پوچھتے ہیں کیا ہم نے کہا کیا ہم نے سنا کیا ہم نے کیا

حسرت کو بھی حسرت آتی ہے عبرت کو بھی عبرت آتی ہے
وہ شکل ہماری غم میں ہوئی یہ حال ہمارا غم نے کیا

دنیا کو ڈبویا اشکوں سے طوفان اُٹھایا رو رو کر
دریائے غمِ الفت میں بپا اے نوح تلاطم ہم نے کیا

اس زمیں میں اکثر احباب کی غزلیں سن کر ۳ نومبر ۱۹۲۱ء کو یہ غزل کہی

ج

کیوں کر ہو مرا دل نہ پریشانِ تمنا
یہ جوشِ غمِ عشق یہ ہیجانِ تمنا

لکھتا ہوں اُنھیں خط میں دل و جانِ تمنا
ہوتا ہے نئی شکل سے اعلانِ تمنا

اب رنج و غم و یاس ہیں مہمانِ تمنا
کس آفت و زحمت میں پھنسی جانِ تمنا

چلتے ہیں ہوائے ستم و جور کے جھونکے
اُڑ جائیں نہ اوراقِ پریشانِ تمنا

دیکھو تم اِنھیں چشمِ حقارت سے نہ دیکھو
آنسو بھی ہیں منجملۂ سامانِ تمنا

دیباچۂ الفت میں رگِ دل کے لہو سے
سُرخی کوئی لکھوں پئے عنوانِ تمنا

دل نذر کرو ظلم سہو ناز اُٹھاؤ
اے اہلِ تمنا یہ ہیں ارکانِ تمنا

ہر زخمِ جگر ایک گُلِ باغِ وفا ہے
ہر داغِ دل اک شمعِ شبستانِ تمنا

مجھ سے کوئی پوچھے مرے دل سے کوئی پوچھے
تم آن ہو تم شان ہو تم جانِ تمنا

مر جاتے ہیں گھُٹ گھُٹ کر اسیرانِ محبت
کھلتا نہیں پھر بھی درِ زندانِ تمنا

کرتا ہوں خیالاتِ دلِ زار کی دعوت
بچھتا ہے شب و روز یہاں خوانِ تمنا

محرومیِ تقدیر کا شاکی جو رہا ہو
وہ کون ہے وہ ہیں بے سروسامانِ تمنا

جو طالبِ الفت ہو وہ مضبوط کرے دل
اُٹھے گا اِسی نیو پر ایوانِ تمنا

آنکھیں ہوں کہ نظریں ہوں کلیجا ہو کہ دل ہو
سودا غ مرے دل میں ہیں سوز خم جگر میں

الفت میں ہیں سب تابع فرمانِ تمنا
اللہ ری بہارِ چمنستانِ تمنا

دیکھیں جو اسے آپ تو حسرت کی نظر سے
ہے نوح کا دیوان بھی طوفانِ تمنا

طبع زاد ۳۱/ جنوری ۱۹۲۲ء

گیا جو وقت تو پھر کر کے غور کیا ہوگا
نہ ہوگا کچھ بھی یہی ہوگا اور کیا ہوگا

نہ اور ہوں گے نہ ہم ہوں گے اور کیا ہوگا
وہ پوچھتا ہے کہ انجام جور کیا ہوگا

فنا کے بعد زمانے میں اور کیا ہوگا
نہ ہوگا دور کوئی وہ بھی دور کیا ہوگا

نہ پاس آئیں نہ بیٹھیں نہ وہ کلام کریں
حجاب اِس سے زیادہ اب اور کیا ہوگا

فلک کے ظلم تو ہم کو مٹائے دیتے ہیں
جو آپ جور کریں گے وہ جور کیا ہوگا

یہ جھڑکیاں بھی کعبث ہیں یہ دھمکیاں بھی فضول
جفائیں ہوں گی ستم ہوں گے اور کیا ہوگا

کرم کے بعد تو مجھ پر وہ جور ڈھائیں گے
مگر خبر نہیں پھر بعد جور کیا ہوگا

زمیں بھی درپئے ایذا فلک بھی دشمنِ عیش
یہ سوچتا ہوں کہ جینے کا طور کیا ہوگا

بشر کو خلد میں راحت ملے ملے نہ ملے
نئے مقام نئے گھر کا طور کیا ہوگا

نگاہِ لطف سے مجھ کو وہ قتل کرتے ہیں
کرم کا حال جو یہ ہے تو جور کیا ہوگا

کہا جب اُن سے جفاؤں پر آپ غور کریں
تو کر کے غور کہا کر کے غور کیا ہوگا

کبھی وہ کہتے ہیں دل اور چاہیئے ہم کو
کبھی وہ کہتے ہیں رہنے دو اور کیا ہوگا

بڑوں کی ذات سے چھوٹوں کی ہے جہاں میں نمود
سبو نہ ہوگا تو ساغر کا دور کیا ہوگا

اُٹھائیں خلق میں طوفان سب کو غرق کریں
جناب نوح کے اشکوں سے اور کیا ہوگا

جو کچھ ہوا وہ عشق کی امداد سے ہوا

اس طرح یہ ۲۱/ جولائی ۱۹۲۲ء کو جناب آغا علی خاں صاحب رئیس الہ آباد کی شادی میں ایک شاندار مشاعرہ ہوا چونکہ برات کانپور گئی تھی مقامی شعرا میں سے جناب ناطق دا بیر دعروج وغیرہ کانپوری اور مشاہیر شعرا میں سے جناب ثاقب۔ عزیز۔ محشر۔ بہار۔ مقبول۔ شفیق لکھنوی اور جناب نواب جعفر علی خاں صاحب اثر ڈپٹی کلکٹر اور جناب قمر۔ اعجاز۔ تحمل۔ ضامن۔ بسمل۔ غنی۔ اعظم۔ شیدا۔ واجد۔ یوسف۔ گدا۔ محسن۔ محمود الہ آبادی موجود تھے۔ بارش کے سبب سے مجمع زیادہ نہ تھا میں نے اپنی غزل پڑھی امید سے زیادہ داد ملی حاضرین مشاعرہ نہایت خوش ہوئے ابتک اگر کوئی صاحب حاضرین میں سے مل جاتے ہیں تو کوئی نہ کوئی شعر پڑھتے ہیں۔

ج

آگاہ وہ مرے دلِ ناشاد سے ہوا
اتنا تو کام نالہ و فریاد سے ہوا

یہ جھوٹ ہے کہ نالہ و فریاد سے ہوا
وہ روشناسِ غم مری روداد سے ہوا

تیور بدل گئے تری چتون بدل گئی
آخر قصور کیا دلِ ناشاد سے ہوا

وہ حشر میں جو آئے تو خورشید حشر بھی
شرمندہ اُن کے حسنِ خداداد سے ہوا

اُتریں نئی نئی جو زمانے میں آفتیں
پہلا مقابلہ دلِ ناشاد سے ہوا

آئی رہی تسلیِ خاطر کو بار بار
تجھ سے نہ وہ ہوا جو تری یاد سے ہوا

مارا اُنھیں کو بھی جنھیں مرنے کی آرزو
یہ کار خیر اُس ستم ایجاد سے ہوا

جس کی نظر میں ہیچ تھے دنیا کے انقلاب
پامال وہ بھی عشق کی افتاد سے ہوا

آنے لگا ستم میں بھی ہم کو کرم کا لطف
ظاہر ترا کمال اِس ایجاد سے ہوا

وہ بات کیا جو اور کی تحریک سے ہوئی
وہ کام کیا جو غیر کی امداد سے ہوا

سب کہہ رہے ہیں نوحؔ کی اِس میں خطا نہیں
طوفانِ غم بپا تری بے داد سے ہوا

طبع زاد ۱۸ر جولائی ۱۹۲۳ء

ج

عیش کے بدلے ہمیشہ غم ہمیں سہنا پڑا
جس طرح قسمت نے رکھا اُس طرح رہنا پڑا

سنئے سنئے ماجرائے شوق سنئے شوق سے
آپ نے چھیڑا تو مجبوراً مجھے کہنا پڑا

چند قطرے خون کے جن پر تھی دل کی زندگی
آنسوؤں کے ساتھ آنکھوں سے اُنھیں بہنا پڑا

چار دن کی زندگی میں یہ نہ پوچھ اے ہمنشیں
کیا مجھے کرنا پڑا سُننا پڑا کہنا پڑا

کیا ستم کیا رشک کیا آزار کیا غم کیا ملال
عشق میں سب کچھ دلِ بے تاب کو سہنا پڑا

دیکھ کر محشر میں اُن کو مٹ گئے سارے گلے
چپ نہ رہنے کی جگہ بھی چپ ہمیں رہنا پڑا

بحرِ الفت میں کیا موجوں نے عالم کو تباہ
جس طرف دریا کا رُخ تھا اُس طرف بہنا پڑا

شکر ہے تیری بدولت اے دلِ راحت پسند
ہم کو دنیا کے بکھیڑوں سے الگ رہنا پڑا

اس سے بڑھ اور اب کیا ہوگی رسوائی مری
رازِ دل محشر میں سب کے سامنے کہنا پڑا

اب طریقِ عشق میں ہے ناتوانی سے یہ حال
جس جگہ میں گر پڑا مجھ کو پڑا رہنا پڑا

چاہتے ہیں مجھ سے وہ اپنی خوش اطواری کی داد
خیر اب ذکر آگیا اِس کا تو کچھ کہنا پڑا

کشتیِ امید ساحل پر اٹک کر رہ گئی
نوحؔ کو طوفانِ بحرِ یاس میں بہنا پڑا

طبع زاد ۳۱ر جولائی ۱۹۲۳ء

رہ نوردِ عشق سب کو چھوڑ کر آگے بڑھا
ڈھونڈھنے والے نے اس صورت سے طے کی راہِ شوق
ہے ابھی تو دل ہی میں سوزِ محبت کا اثر
سیرگاہِ خلق میں سب کچھ تو ہے کیا کچھ نہیں
ہم نے یہ مانا کہ تھی راہِ محبت خوف ناک
اپنی جانب آپ کے ناوک کو آتے دیکھ کر
اور تو سب کوچۂ قاتل میں ڈر کر رہ گئے

ج

جان کا کھٹکا تھا بڑھنے میں مگر آگے بڑھا
پہلے پوچھا پھر کسی کو پوچھ کر آگے بڑھا
پھونک دے گا مجھ کو یہ شعلہ اگر آگے بڑھا
دیدۂ پر شوق کھول اپنی نظر آگے بڑھا
ہر مسافر کچھ سمجھ کر جلد تر آگے بڑھا
پیشوائی کے لئے میرا جگر آگے بڑھا
وہ فقط میں تھا جو بے خوف و خطر آگے بڑھا

نوحؔ جوشِ چشم دریا بار کو قابو میں رکھ
پھر کہاں کی خیر یہ طوفان اگر آگے بڑھا

خندہ زن گل ہو کے غنچہ مسکرا کر رہ گیا

اس زمین پر بہت دنوں پہلے ایک مشاعرہ سندیلہ ضلع ہردوئی میں ہو چکا تھا وہاں جو غزل میں نے جا کر پڑھی تھی وہ طوفان نوح میں درج ہو چکی ہے پھر دوسرا مشاعرہ اس طرح پر ۱۵ دسمبر ۱۹۲۳ء کو کرسچین کالج الہ آباد میں منعقد ہوا مقامی شعرا میں سے جناب ماجد۔ ضامن۔ بسمل۔ قمر۔ بے خود۔ سجاد۔ شوق۔ بیرونی شعرا میں سے جناب ثاقب۔ شفیق لکھنوی۔ بے خود موہانی موجود تھے مشاعرہ ۸ بجے رات سے شروع ہو کر ۳ بجے رات کو ختم ہوا سامعین کی تعداد قریب ۸ سو کے تھی مجھے اس غزل پر بہت کچھ داد ملی

آرزو مندِ شہادت آہ بھر کر رہ گیا
کیا بتاؤں کس طرح دل میں وہ خنجر رہ گیا
ماجرائے قتل کہنے کو زباں پر رہ گیا
دل فدا کرنے کو آمادہ تھے لاکھوں اہلِ عشق
اضطراب و ضعف کے حملے تھے کوئے یار میں
کشتگانِ عشق تو ملکِ عدم کو چل بسے
چار حرفِ آرزو کی شرح میں طول اس قدر
دل تہ و بالا ہوا لیکن نہ نکلا خارِ غم
گو وہی دل ہے مگر وہ جوششِ خونِ دل نہیں
زخمِ دل جتنے ہوئے تھے خشک پھر رسنے لگے
آپ آئے آپ بیٹھے آپ نے پوچھا مزاج
موت پھر وہ موت اُن کے ناتواں بیمار کی

ج

روح کھنچ کر رہ گئی کھینچ کر جو خنجر رہ گیا
آرزو ہو کر سمایا درد بن کر رہ گیا
کس کی گردن رہ گئی اب کس کا خنجر رہ گیا
سر فدا کرنے کا سہرا میرے ہی سر رہ گیا
میں اُٹھا اُٹھ کر چلا کچھ دور چل کر رہ گیا
اب تمھیں تم رہ گئے خنجر ہی خنجر رہ گیا
ایک دفتر لکھ گیا اور ایک دفتر رہ گیا
اس طرف سے اُس طرف کروٹ بدل کر رہ گیا
اُڑ گئی ساغر سے مے ساغر ہی ساغر رہ گیا
تم نے لیں انگڑائیاں میں آہ بھر کر رہ گیا
پھر بھی مضطر دل مرا مضطر کا مضطر رہ گیا
ایک ہچکی آ گئی چپکے سے مر کر رہ گیا

کھینچ کر لانا تھا تیرِ ناز کو اے جذبِ شوق
دل کے اندر رہنے والا دل کے باہر رہ گیا

غیر ممکن تھا مریضانِ محبت کا علاج
جس نے دیکھی نبض وہ خاموش ہو کر رہ گیا

مٹ گیا دل ہی تو شکرِ دل نوازی کیا کروں
سر گیا تو پھر کہاں احسان سر پر رہ گیا

ہے پشیمانی ستم اہلِ ستم کے واسطے
جب نہ گردن کٹ سکی کٹ کر وہ خنجر رہ گیا

کیوں نہ بہتے اشک بڑھ جاتا اگر ہیجانِ غم
خیر گذری نوحؔ یہ طوفان دب کر رہ گیا

ج

دنیائے محبت میں یوں فرض ہوا رہنا
راضی برضا رہنا شاکر بقضا رہنا

اُن کا وہ خفا آنا اُن کا وہ خفا رہنا
آئے ہیں یہ کیا آنا رہتے ہیں یہ کیا رہنا

یہ ناز ترا کیا ہے اغماض ترا کیا ہے
کیا مجھ کو جدا رکھنا کیوں مجھ سے جدا رہنا

ظالم ترے کوچے میں قاتل تری محفل میں
رہنے کو ہم آئے تھے دشوار ہوا رہنا

کیا شیوۂ الفت ہے یہ شیوۂ الفت ہے
پامالِ جفا رہ کر مصروفِ وفا رہنا

دل اپنا کہیں ٹھہرے تو ہم بھی کہیں ٹھہریں
اِس کوچے میں آ رہنا اُس کوچے میں جا رہنا

یہ بات اگر دیکھی تو آپ ہی میں دیکھی
اظہارِ وفا کرنا مشغولِ جفا رہنا

کہتے تھے رہیں گے ہم پہلو میں ترے آ کر
وہ آ گئے پہلو میں اب صرف رہا رہنا

عالم میں الم دیکھے دنیا میں ستم دیکھے
رہنے کی یہ صورت تھی تو ہم کو نہ تھا رہنا

اے نوحؔ وہ کہتے ہیں تم کھیل سمجھتے تھے
بے تابِ لقا ہونا مشتاقِ لقا رہنا

آنسو جو نہ تھم جاتے کیا جانئے کیا ہوتا

اس طرح پر یکم مارچ ۱۹۲۵ء کو راجہ پور الہ آباد میں جناب میر سجاد علی صاحب وکیل کے اہتمام سے ایک اچھا خاصا مشاعرہ ہوا مقامی شعرا میں سے قریب قریب سب موجود تھے لکھنؤ سے حضرات عزیز۔ محروت۔ ثاقب نے شرکت کی یہ جلسہ گیارہ بجے دن سے شروع ہو کر نو بجے رات کو ختم ہوا میں نے بھی یہ غزل پڑھی تھی

رج

وہ بت ہی رہا لیکن بت سے جو خدا ہوتا
کیا جانئے کیا کرتا کیا جانئے کیا ہوتا

بیداد کے شکووں پر یہ ظلم نیا ہوتا
وہ دل سے خفا ہوتے دم مجھ سے خفا ہوتا

اظہارِ محبت پر مجھ سے وہ خفا ہوتا
تقدیر مخالف تھی تدبیر سے کیا ہوتا

وہ دیکھتا آئینہ تو لطف نیا ہوتا
یا مجھ ادا کرتا یا مجھ ادا ہوتا

پھر تیری اداؤں پر دل اپنا فدا ہوتا
پہلو میں وہ ہوتا بھی تو ہونے سے کیا ہوتا

یہ سوچ سمجھ کر ہم چپ رہ گئے الفت میں
قسمت جو رسا ہوتی نالہ بھی رسا ہوتا

حالِ غمِ الفت پر رُکنا ہی نہ تھا مجھ کو
سُنتے کہ نہ وہ سُنتے میں نے تو کہا ہوتا

میں ہاتھ اُٹھانے سے ہاتھوں کو نہ کیوں کھینچوں
امید اثر ہوتی مصروفِ دعا ہوتا

کیا وجہ بگڑنے کی لڑنے کی جھگڑنے کی
کچھ میں نے کہا ہوتا کچھ تم نے سنا ہوتا

اگر وہ مرے گھر تک گھر سے نہ پلٹ جاتے
میں نے جو دعا کی تھی نالہ بھی کیا ہوتا

یہ راز تھا پوشیدہ الفت نہ بڑھانے میں
دل مجھ سے ملا کر وہ کس دل سے جدا ہوتا

ہے شکر کہ دل ہی میں نالے رہے گھٹ گھٹ کر
لب تک جو یہ آجاتے کیا جانئے کیا ہوتا

بے فکر ہمیں رکھتا آزارِ محبت نے
جتنی ہی دوا کرتے اُتنا ہی سوا ہوتا

اُس بتِ کافر کی تعریف مکمل ہے
اور اِس سے اگر بڑھ کر ہوتا تو خدا ہوتا

چار اشک بہا کر ہم مجبورِ وفا ٹھہرے
طاقت تھی نہ رونے کی تو ضبط کیا ہوتا

بیداد کی آندھی میں آزار کے جھونکوں میں
نالہ بھی جو ہم کرتے تو وہ بھی ہوا ہوتا

ناکام ازل ہم تھے مایوسِ ابد ہم ہیں
جینے ہی سے کیا ہوگا مرنے ہی سے کیا ہوتا

دریائے محبت سے لبریز تھا ہر آنسو
اے نوح جو ہم روتے طوفان بپا ہوتا

کہ نالہ منھ سے نکلا زمزمہ ہو کر عنادل کا

از اخبار البرہان. برہان پور

بتقریب چہلم شہدائے کربلا علیہم السلام والصلوٰۃ

ایک شاندار سالانہ مجلس حضرت نوح کی صدارت میں

جناب نوح کا نام نامی اور اسم گرامی کسی خاص تعارف کا محتاج نہیں دنیائے شاعری اور تعلیم یافتہ طبقے میں شاید ہی کوئی ایسا بدنصیب شخص ہوگا جو اس ناخدائے سخن تاج الشعرا فصیح العصر اور جانشین حضرتِ داغ مرحوم کی جدتِ طبع فکرِ رسا زبان دانی اور طوفان خیز شاعری سے واقف نہ ہو فی الحقیقت اردو علم ادب آپ کے بار احسان سے کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتا سفینۂ نوح اُس طوفانی زمانے میں جب کہ غریب اردو ناقدری کے بحر ذخار میں غرق ہونے والی تھی بچانے والا بیڑا ثابت ہوا جو آپ ہی کی جدت طرازی محاورہ بندی کا نتیجہ ہے اور جس کی سارے ہندوستان میں دھوم ہے زبان میں لوچ سلاست حسن بیان اور شاعری کے تمام نکات آپ کے ذاتی جوہر ہیں یہ ساری خوبیاں آپ امسال انجمن مجلس حسینی کی صدارت قبول فرما کر بھوساول میں ۳ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو دکھا گئے اور خراج تحسین سے جھولیاں بھرے گئے دکن کے موجودہ شعرا اور بالخصوص اہل خاندیس کو اراکین مجلس مذکور کا تہ دل سے شکر گذار ہونا چاہیئے جنھوں نے اپنی مساعی جمیلہ اور حسن خدمات سے ہزاروں روپیہ فراہم کر کے ایسے مستند اور کامل فن سے انھیں نیاز حاصل کرنے اور اُن کے بے نظیر کلام سننے کا موقع دیا یہ معرکۃ الآرا دونوں غزلیں جو ایک ہی قافیہ (دل) میں کہی گئی ہیں ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے سرورق درج اخبار کی جاتی ہیں کہ وہ بھی لطف سخن اٹھائیں اور دیکھیں کہ ایک قافیے کو اتنے شعروں میں کس خوبی سے باندھا ہے ہر شعر بجائے خود حضرتِ دل کی جداگانہ داستان ہے دل کے حروف کی طرح ہر شعر کا مضمون جدا ہے اور پھر لطف یہ کہ شاعری کے نکات اور خوبی زبان سے کوئی شعر خالی نہیں مجلس میں صدائے

تحسین و آفریں کا وہ طوفان اٹھا کہ جناب نوح کو سنبھالنا مشکل ہو گیا لیکن جناب نوح آخر نوح ہی ٹھہرے صدارت کے سفینے کو ساحل کام باقی تک بحسن و خوبی لے گئے دیگر شعرا نے بھی خوب خوب غزلیں پڑھیں اور خوب خوب اپنے کمال کے جوہر دکھائے اور حاضرینِ بزم سے دادِ سخن حاصل کی۔

ج — نفیس کی تیغ

کُھلے کیا محفلِ عالم میں عالم اہلِ محفل کا
چُھپا ایک ایک کے دل سے رازِ ایک ایک کے دل کا

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے یہ نکتہ ذوقِ کامل کا
جو الفت میں تمھاری لام ہے وہ لام ہے دل کا

ہوئی توسیع اہلِ ذوق میں شمشیرِ قاتل سے
بجائے خود ہے دل وہ بھی جو ٹکڑا ہے مرے دل کا

پریشانی میں جتنے اشک تھے وہ ہو گئے باہر
اُٹھایا درد نے اُٹھ کر جنازہ حسرتِ دل کا

قیامت آ گئی الفاظِ الفت آ گئے لب پر
نفافہ گفتگو ہی گفتگو میں کھل گیا دل کا

یہ مانا خلق میں ہیں سیکڑوں آئینہ گر لیکن
کوئی ٹکڑے سے ٹکڑا جوڑ دے ٹوٹے ہوئے دل کا

چلا ہے ناوکِ بیداد گھر اپنا بنانے کو
بنا دے اسے ہوائے شوق اُسے رستہ مرے دل کا

ہجومِ یاس میں جب سر جھکا کر غور کرتا ہوں
دکھا دیتا ہے اُس کی شکل مجھ کو آئینہ دل کا

دمِ جوشِ جنوں عقدہ کھلا یہ دم نکلنے پر
ملا تھا سلسلہ تارِ گریباں سے رگِ دل کا

کھلیں راہیں جنوں کی اور بھی برباد ہونے پر
بیاباں بن گیا وسعت میں ہر ذرہ مرے دل کا

ہوئی مسمارِ غم یوں چار دیواری عناصر کی
کھنڈر بھی اب نظر آتا نہیں کاشانۂ دل کا

خیالِ کعبہ و بت خانہ ہم کرتے تو کیا کرتے
عبادت کے لئے کافی تھا گوشہ اپنے ہی دل کا

خوشا تقدیر اُس کی جس کو ذوقِ سوزِ الفت ہو
مجھے پیارا ہے دل سے بھی زیادہ آبلہ دل کا

کوئی ڈھونڈھے بھی تو اجزا فراہم ہو نہیں سکتے
بکھیرا یوں ہوائے غم نے شیرازہ مرے دل کا

دکھایا شعبدہ کیا خوب یہ اُن کی محبت نے
جو پیکاں تھا مرے دل میں وہ ارماں بن گیا دل کا

سناؤ اب غزل اے نوح اپنے رنگ کی سب کو
مگر یہ شرط ہے چھٹنے نہ پائے قافیہ دل کا

ج — نفیس کی تیغ

جو کہتے تھے نہ اُٹھے گا کسی سے نازِ قاتل کا
وہ میرے دل کو دیکھیں کیا کلیجا ہے مرے دل کا

اسے خواہش اسے حسرت اسے ارمان ہے قاتل کا
خدا حافظ خدا ناصر خدا مالک مرے دل کا

ملا کر بھی وہ رکھتے ہیں تو میں پہچان لیتا ہوں
یہ ٹکڑا ہے جگر کا اور یہ ٹکڑا مرے دل کا

فضیلت کعبہ و بت خانہ پر ہے عرشِ اعظم کو
مگر ہے عرشِ اعظم سے زیادہ مرتبہ دل کا

وہ پیمانِ وفا توڑیں مگر یہ سوچ لیں پہلے
مآلِ کار کیا ہوگا کسی ٹوٹے ہوئے دل کا

تمنائیں تو جب ہوتیں کہ تم کچھ مہرباں ہوتے
تمھاری بے دلی نے خاتمہ ہی کر دیا دل کا

اُٹھیں تھیں غرق کرنے کے لئے لہریں محبت کی
نہیں معلوم ڈوبا یا بچا بیڑا مرے دل کا

دمِ آخر بھی کیا صورت کسی کی ہم نہ دیکھیں گے
رگیں کھنچنے لگیں اب ٹوٹتا ہے آسرا دل کا

شب غم اشکِ خوں آلودہ آنکھوں سے نکلتے ہیں
لہو پانی کیا ایک آرزو و یاس نے دل کا

بیانِ غم کی اب ہے کیا ضرورت دردمندوں کو
جو نالہ منھ سے نکلا وہ بھی تھا اک مرثیہ دل کا

وہ لکھ لکھ کر زمیں پر پاؤں سے اپنے مٹاتے ہیں
یہ مطلب ہے نہ رہ جائے جہاں میں نام بھی دل کا

فقط دو حرف تھے اور ایک لفظِ مختصر لیکن
بہت کچھ ہم نے سر مارا نہ عقدہ حل ہوا دل کا

تمھارے تیر سے نسبت نظر کو دے کوئی کیوں کر
یہ دشمن روح کی ہے اور وہ بدخواہ ہے دل کا

تمھارے سامنے شکوے تمھارے ہو نہیں سکتے
کہاں اتنی جسارت مجھ میں دل اتنا کہاں دل کا

شب فرقت نہیں اِس کے علاوہ مشغلہ کوئی
مرا ماتم کرے دل اور میں ماتم کروں دل کا

بندھا یہ قافیہ کن خوبیوں سے اتنی مشکلوں میں
جناب نوح نے پہلو نہ چھوڑا ایک بھی دل کا

مشاعرۂ جھانسی منعقدہ ۱۷ اپریل ۱۹۲۶ء کے لئے یہ غزل کہی تھی لیکن علالت سے نہ جاسکا

ہجر کی تاریک راتوں میں یہ ساماں ہو گیا
داغ ہائے دل چمک اُٹھے چراغاں ہو گیا

دل نے چاہا تھا رہے پوشیدہ اُن کا رازِ عشق
رنگ بن کر میرے چہرے سے نمایاں ہو گیا

فصلِ گل آتی نہ آتی کیا تھا اُس کا اعتبار
پہلے ہی سے تار تار اپنا گریباں ہو گیا

برق نے گر گر کر بنایا مجھ کو ممنونِ کرم
جل اُٹھے تنکے نشیمن میں چراغاں ہو گیا

مل گئی یوں مجھ کو اُس کافر کی الفت سے نجات
کچھ نہ بن آئی تو مجبوراً مسلماں ہو گیا

اشکِ پرخوں کا ٹپکنا تھا کہ آ پہنچی بہار
رو دئے جس گھر میں ہم وہ گھر گلستاں ہو گیا

جب یہ ٹھہرا حال تو جمعیتِ خاطر کہاں
تم نے کوئی بات کہہ دی میں پریشاں ہو گیا

اہلِ غم تاریکیِ غم کی شکایت کیا کریں
دل سے آہِ پر شرر نکلی چراغاں ہو گیا

قدردانی برطرف لطف و کرم بالائے طاق
میں نے جس کو دل دیا وہ دشمنِ جاں ہو گیا

مٹ گئیں سب حسرتیں جاتے رہے سب ولولے
خانۂ دل اِس قدر اُجڑا کہ ویراں ہو گیا

کیا بتائیں نوح اپنے واقعاتِ بحرِ غم
ناز جس پر تھا وہ بیڑا غرقِ طوفاں ہو گیا

ذیل کے قافیہ ردیف پر لکھنؤ میں مشاعرہ ہوا میں ماگھ میلہ الہ آباد کے سبب سے نہیں شریک ہو سکا مطلع کے لئے کام کا قافیہ اور مقطع کے لئے نام کا قافیہ مشروط تھا درمیانی اشعار کے لئے صرف آرام انجام، پیغام قوافی تھے حالاں کہ پیام کے ہوتے ہوئے میں پیغام سے احتراز کرتا ہوں لیکن اصول و ضوابط مشاعرہ سے مجبوری رہی جو لوگ شریک مشاعرہ ہوئے اُن کا بیان تھا کہ مشاعرہ بہت اچھا ہوا

کام

عذر یہ چلتا ہوا اُن کا دمِ الزام تھا
میں نے پوچھا کیوں نہ آئے کہہ دیا کچھ کام تھا

بعد مر جانے کے اطمینان تھا آرام تھا
عمر بھر انسان کو یہ فکر تھی وہ کام تھا

جو سلامت رہ گیا وہ موردِ الزام تھا
کوچۂ قاتل میں مرجانا ہی پہلا کام تھا

آرام
عمر آخر ہو گئی اب وقتِ آخر کیا کہیں
کس قدر تکلیف تھی کتنا ہمیں آرام تھا

مہربانی کی نگاہیں حشر برپا کر گئیں
خوگرِ آزار کو آزار ہی آرام تھا

لطفِ خوابِ مرگ کی تشریح اور اب کیا کریں
حشر تک چونکے نہ ہم اتنا ہمیں آرام تھا

انجام
سانس اُکھڑی موت آئی جینے والے مر گئے
چار دن کی زندگی کا اِس قدر انجام تھا

اب ہوا یہ تجربہ ہم کو بڑی مدت کے بعد
عشق کا آغاز اچھا تھا بُرا انجام تھا

پیغام
وہ جو پہلو سے اُٹھے تو اُٹھ گئے دنیا سے ہم
ہجر کا پیغام گویا موت کا پیغام تھا

اُن کے آگے میری تقریر اک معمہ بن گئی
گفتگو کی گفتگو پیغام کا پیغام تھا

کُھل گیا مجھ پر ترے برتاؤ سے تیرا فریب
کچھ نہ تھا پیغام میں پیغام ہی پیغام تھا

نام
کیوں نہ بسم اللہ پڑھ کر اس کو پڑھتے اہلِ درد
عشق کے دفتر میں سرنامے پر اپنا نام تھا

کُھل گیا دنیا پر اے قاصد تجھی سے رازِ دوست
دے دیا کس کو مرا خط اور کس کے نام تھا

اشک باری کی بدولت ہو گیا مشہورِ خلق
کیوں نہ میں طوفان اُٹھاتا نوحؔ میرا نام تھا

طبع زاد ۱۸؍ جولائی ۱۹۲۶ء

ج
چین ہو یا بے چینی ہو پہلے دل گھبرائے گا
جاتے جاتے جائے گی آتے آتے آئے گا

قاصد آنے جانے میں تھک تھک کر گھبرائے گا
جائے گا پھر آئے گا آئے گا پھر جائے گا

ڈھونڈھنے والی نظروں سے دیکھیں گے پہلو کی طرف
اُن کی اِس دل جوئی پر میرا دل اِترائے گا

دل میں امیدیں لاکھوں تھیں کچھ نکلیں کچھ باقی ہیں
خیر کبھی پھر آؤ گے پھر کبھی دیکھا جائے گا

دیر و حرم کے مالک سے ہم کچھ مانگیں بھی تو سہی
ہے وہ بڑا دینے والا دے گا یا دلوائے گا

دل کے خود آزار و الم دل کی قدر بڑھائیں گے
ہوگا یہ اکسیر مگر خاک میں جب مل جائے گا

ناصح آنے والا ہے دو ہی باتیں ہونی ہیں
یا اُسے ہم سمجھائیں گے یا وہ ہمیں سمجھائے گا

شکوۂ غم کی محشر میں ہم کو تو امید نہیں
سامنے وہ آجائیں گے ہوش کسے رہ جائے گا

دل دینے والا غم سے چھُٹ جائے گا دل دے کر
دل لینے والا دل میں دل لے کر پچھتائے گا

نوحؔ کے رونے پر ہنسنا بے دردوں کا خوب نہیں
بحرِ محبت میں اِس سے اور بھی طوفان آئے گا

حسبِ فرمائش جناب بھائی احسن صاحب مارہروی
۱۳؍ ستمبر ۱۹۲۶ء

ہے یہ مطلب کہ رہے موردِ احساں میرا
درد دے کر مجھے کرتے ہیں وہ درماں میرا

آپ کا دل جو پریشاں نظر آتا ہے مجھے
اس نے دیکھا تو نہیں حالِ پریشاں میرا

امتحاں گاہِ محبت میں نہ ٹھہرا کوئی
ہے ازل ہی سے یہ جیتا ہوا میداں میرا

تھا تمہارا یہ رہا پاس تمہارے جب تک
آگیا اب مرے دل میں تو ہے پیکاں میرا

اس سے بڑھ جاتی ہے کچھ اور پریشاں حالی
آپ پوچھا نہ کریں حالِ پریشاں میرا

اب سوا جوشِ جنوں ہو تو اڑاؤں کس کو
خاک بھی جس میں نہیں وہ ہے بیاباں میرا

ہو رہائی تو رہائی کو گوارا نہ کروں
جانتا ہوں کہ مرے دم سے ہے زنداں میرا

آگیا پنجۂ وحشت میں خدا خیر کرے
اب گریباں نہیں میرا یہ گریباں میرا

اب نہ وہ دل نہ جگر اب نہ وہ راحت نہ خوشی
آپ نے لوٹ لیا لُٹ گیا ساماں میرا

کیوں نہ میں دل سے غمِ عشق کی توقیر کروں
ہے یہ اک خاص بُلایا ہوا مہماں میرا

پھول کھلتے ہیں تو ہوتا ہے مجھے اور جنوں
صبح ہوتی ہے تو ہنستا ہے گریباں میرا

تم ابھی نوحؔ کے رونے سے خبردار نہیں
جو زمانے کو ڈبو دے وہ ہے طوفاں میرا

حشر میں فریاد کرتا کون کس کو ہوش تھا

اس طرح پر ۲۶ نومبر ۱۹۲۶ء کو الہ آباد یونیورسٹی کی طرف سے ایک خاص مشاعرہ میور کالج میں ہوا مقامی شعرا کے علاوہ حضرت سائلؔ دہلوی۔ صفیؔ صاحب۔ بہارؔ صاحب۔ تمنّےؔ آغا صاحب۔ ظریفؔ صاحب لکھنوی۔ جناب شہیرؔ صاحب مچھلی شہری وغیرہ موجود تھے چونکہ مجمع بہت تھا اس باعث سے بہت سی غزلیں اچھی طرح سننے میں نہ آئیں یہ مشاعرہ دس بجے شب کو شروع ہو کر چار بجے صبح کو ختم ہوا

ج

بے خودی میں کب مجھے اظہارِ غم کا ہوش تھا
حالِ دل وہ پوچھتے تھے اور میں خاموش تھا

موت آجاتی جو ایسے میں تو لطفِ جوش تھا
تم بھی تھے خنجر بکف میں بھی کفن بر دوش تھا

دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہوئے بے ہوش تھا
مل گئی جب سے نظر ساقی کی وہ مے نوش تھا

کیا کہوں اس کشمکش میں کیا مصیبت آگئی
ابتدا تھی عشق کی اور انتہا کا جوش تھا

آفتابِ حسن کے جلووں نے ہلچل ڈال دی
ذرّہ ذرّہ کائناتِ عشق کا خاموش تھا

کب رہی گل زار تک محدود تاثیرِ بہار
مے کدے میں بھی بقدرِ ظرف سب کو جوش تھا

طورِ سینا بھی جلا موسےٰ ابھی غش کھا کر گرے
اب ہوا معلوم اس باعث سے وہ روپوش تھا

دل کو بھڑکا کر ستم ڈھایا ہوائے شوق نے
ایک شعلہ تھا مگر اپنی جگہ خاموش تھا

کیا خبر نظروں نے کیا دیکھا کسی کو دیکھ کر
ہے مجھے بس ہوش اتنا ہی کہ میں بے ہوش تھا

ہر رگِ دل سو جگہ سے خود بخود رستی رہی
فصلِ گل جب تک تھی یہ اپنے لہو کا جوش تھا

جلوۂ صد رنگ نے دھوکے میں رکھا عمر بھر
تو ہمارے روبرو تھا اور پھر روپوش تھا

کیوں نہ کرتا حسن از خود رفتگی کا احترام
اصطلاحِ عشق میں بے ہوش ہی باہوش تھا

اللہ اللہ طے ہوئی کس لطف سے الفت کی راہ
پیچھے پیچھے دل تھا اپنا آگے آگے جوش تھا

دل نہیں پہلو میں تو اب خونِ دل کیوں کر پیوں
ساقیِ محفل کے دم سے لطفِ نوشا نوش تھا

واقعاتِ عشق پر کیا غور کرتے اہلِ عشق
عقل ہی حیران تھی خود ہوش ہی بے ہوش تھا

قبر میں میت مری اس شان سے رکھی گئی
ذرہ ذرہ خاک کا کھولے ہوئے آغوش تھا

کیا خبر کب کوچۂ قاتل میں آ جاتی اجل
یہ سمجھ کر جو وہاں تھا وہ کفن بر دوش تھا

ہم چمن سے کب چھٹے جس وقت اے اہلِ چمن
شاخِ گل کا ذکر کیا ہر خار بھی گل پوش تھا

اب وہ جوش اپنا کہاں اگلی جوانی اب کہاں
چار دن کی تھی جوانی چار دن کا جوش تھا

عمر تو گذری مگر کس طور سے اس طور سے
بندہ عصیاں کوش تھا اللہ عصیاں پوش تھا

آپ کیا آئے قیامت میں قیامت آ گئی
ورنہ شورِ حشر بھی اس وقت تک خاموش تھا

ہو گئی غرقاب دنیا آ گیا طوفانِ اشک
نوحؔ تیرے دیدۂ پرنم میں کتنا جوش تھا

موسمِ گل میں قفس میرا نشیمن ہو گیا

اس طرح پر ۷ نومبر ۱۹۲۷ء کو کرسچین کالج الہ آباد میں ایک مشاعرہ بڑے پیمانے پر ہوا مقامی شعرا کے علاوہ حضرات محشر بہار۔ سراج۔ منظر لکھنوی۔ عالی جناب سائل دہلوی وغیرہ شریک تھے اچھی اچھی غزلیں پڑھی گئیں یہ مشاعرہ آٹھ بجے شب کو شروع ہو کر تین بجے رات کو بحسن و خوبی ختم ہوا

ج

سوزِ غم جوشِ جنوں سے پہلے روشن ہو گیا
چاک دامن ہوتے ہوتے خاک دامن ہو گیا

غم نہیں جل کر جو خاک اپنا نشیمن ہو گیا
برق گرنے سے اندھیرا گھر تو روشن ہو گیا

کیا کہوں اوروں کو دل بھی مجھ سے بدظن ہو گیا
لیجئے پہلو میں پیدا ایک دشمن ہو گیا

نالہ و فریاد سے وسعت کہاں تک بڑھ گئی
اس قدر پھیلا قفس اپنا کہ گلشن ہو گیا

دے دیا قدرت نے رُت پھرتے ہی اذنِ مے کشی
گل ہوئے ساغر بکف میں گل بدامن ہو گیا

اللہ اللہ شمع لا کر قبر پر وہ رکھ گئے
میں تو یہ سمجھا چراغِ عمر روشن ہو گیا

دل کے دو حصے جو کر ڈالے تھے حسن و عشق نے
ایک صحرا بن گیا اور ایک گلشن ہو گیا

بھرتے بھرتے حسرتیں دل میں ہزاروں بھر گئیں
دانہ دانہ جمع ہو جانے سے خرمن ہو گیا

وہ تجلی داغہائے دل کو غم نے بخش دی
ان چراغوں سے ہمارا نام روشن ہو گیا

تھی نگاہِ حسن میں کتنی مرے دل کی بساط
کم سے کم اتنا اثر تو ہم نے دیکھا دیر میں
چاہیے تھی شمع اِس تاریک گھر کے واسطے

ایک آنسو تھا جو گر کر جذبِ دامن ہوگیا
جو یہاں دو چار دن بیٹھا برہمن ہوگیا
خانۂ دل میں چراغِ عشق روشن ہوگیا

ورطۂ دریائے غم سے کوئی بچ سکتا نہیں
نوح کا طوفان دنیا بھر کا دشمن ہوگیا

میری قسمت نے دکھایا گھر مجھے صیاد کا

اس طرح پر ماڈرن اسکول الہ آباد میں ۹ ر نومبر ۱۹۲۷ء کو ایک اچھا خاصہ مشاعرہ ہوا مقامی شعرا کے علاوہ ناطری صاحب لکھنوی بھی موجود تھے آٹھ بجے رات سے چار بجے صبح تک نشست رہی

پھر قفس میں قدرداں کوئی نہ تھا بیداد کا
سانحہ آزار و غم کا واقعہ بیداد کا
وقت ہوگا صرف انھیں میں بلبلِ ناشاد کا
ہر قدم پر حشر ڈھایا شوخیِ رفتار نے
کیا دکھائے گی نہ دونوں میں کوئی اپنا اثر
خاک میں مل کر مجھے معراجِ الفت مل گئی
ہم نے رکھے تھے جو تنکے آشیاں کے واسطے
وہ قدم رکھ دیں زمیں پر کچھ لکیریں کھینچ کر
دام سے چھٹ کر ہوا ہیں دامِ الفت میں اسیر
حسن کی تعریف کرنی بھی قیامت ہوگئی
جا رہے ہیں دردمندانِ محبت حشر میں
اک صدائے دل خراش آتی ہے آدھی رات کو
اور اسیرانِ قفس پر تازہ آفت آگئی
فاتحہ گورِ غریباں پر ذرا پڑھ دیجئے
فصلِ گل میں بڑھ گیا ذوقِ اسیری اس قدر
زندگی جب تک رہے گی روز آفت آئے گی
آشیاں میں ہم نے دیکھے رات بھر گلشن کے خواب

ج

ہم اِدھر چھوٹے اُدھر جی چھٹ گیا صیاد کا
کھل گیا اُترا ہوا منھ عاشقِ ناشاد کا
ایک گھر ہے باغباں کا ایک گھر صیاد کا
میں ہوں قائل اِس تری چلتی ہوئی بیداد کا
آہ پہلے کر چکا اب قصد ہے فریاد کا
ذرّے ذرّے نے مچایا غل مبارک باد کا
ہوگیا تیار اُنھیں سے جھونپڑا صیاد کا
ہے یہی خاکہ مری بگڑی ہوئی روداد کا
ہاتھ آجائے تو لوں بایاں قدم صیاد کا
داد دینے پر اُنھیں موقع ملا بیداد کا
دیکھئے کیا ہو نتیجہ آخری فریاد کا
کوہ پر ہوتا ہے ماتم آج تک فرہاد کا
کیا مجھے حاصل ہوا گھر پھونک کر صیاد کا
اک طریقہ ہے یہی بھولے ہوؤں کی یاد کا
باغباں سے پوچھتا ہوں میں پتہ صیاد کا
ختم ہم ہوں گے تو ہوگا خاتمہ بیداد کا
صبح دم چونکے تو گھر تھا سامنے صیاد کا

جو موافق تھے کبھی وہ اب مخالف ہوگئے
نوح دیکھا حال یارانِ الہ آباد کا

طبع زاد ٢٧ر جولائی ١٩٢٧ء

ج

گلشن میں کبھی ہم سنتے تھے وہ کیا تھا زمانہ پھولوں کا — کلیوں سے کہانی کلیوں کی پھولوں سے فسانہ پھولوں کا

کیا موسمِ گل پر اترا کر ہم گائیں ترانہ پھولوں کا — دو روز میں آنے والا ہے اک روز زمانہ پھولوں کا

ایامِ خزاں میں اہلِ چمن صرصر کو ستم سے کیا روکیں — بے گانہ ہوا جب سبزہ بھی تو کون یگانہ پھولوں کا

پھر بادِ صبا وہ آ پہنچی پھر رنگ کھلا نکہت پھیلی — اے لوٹنے والو اب لوٹو معمور خزانہ پھولوں کا

نازاں ہے جو اپنی قسمت پر گل چیں کو یہ کیا معلوم نہیں — جائے گی بہار آئے گی خزاں بدلے گا زمانہ پھولوں کا

گل چیں سے کبھی میں سنتا ہوں بلبل سے کبھی میں کہتا ہوں — اِس دردسری کا باعث ہے دل چسپ فسانہ پھولوں کا

شاخیں بھی بلائیں لیتی ہیں پتے بھی نچھاور ہوتے ہیں — اللہ رے جوانی گلشن کی اُف اُف رے زمانہ پھولوں کا

ایامِ خزاں میں اے بلبل تکلیف بہت بڑھ جائے گی — پھولوں کی قسم دیتا ہوں تجھے چھیڑ اب نہ ترانہ پھولوں کا

جب اہلِ چمن سو جاتے ہیں تو حسن کے ڈاکو آتے ہیں — کچھ رات گئے کچھ رات رہے لٹتا ہے خزانہ پھولوں کا

مرغانِ قفس کو نیند کہاں نیند آئے بھی امید کہاں — گل چیں سے انھیں سنواتا ہے صیاد فسانہ پھولوں کا

کیا ذکرِ چمن کیا فکرِ چمن کیا ذوقِ چمن کیا شوقِ چمن — داغوں سے ہمارا خانۂ دل ہے دولت خانہ پھولوں کا

کیا خوب ملی گل کھانے کی یہ داد ہمیں مرجانے پر — پھولوں میں ہمارے چھیڑ دیا بلبل نے ترانہ پھولوں کا

فطرت کے مسافر کو بس میں رکھ سکتے نہیں اشجارِ چمن — آتا ہے زمانہ پھولوں کا جاتا ہے زمانہ پھولوں کا

اے نوحؔ اثر اتنا تو کیا تم پر بھی چمن کے منظر نے
طوفان اُٹھانا بھول گئے لے بیٹھے فسانہ پھولوں کا

٢٦ر اکتوبر ١٩٢٨ء

ج

زمانے کو قضا نے مار ڈالا — ہمیں تیری ادا نے مار ڈالا

دعائیں بھی مری بے کار ٹھہریں — تمھاری بد دعا نے مار ڈالا

تمھیں حسن و ادا و ناز دے کر — خدائی کو خدا نے مار ڈالا

کدھر سے سانس دل میں آئے جائے — ہجومِ مدعا نے مار ڈالا

کہیں گے حشر میں قاتل کے منہ پر — ہمیں اِس کی ادا نے مار ڈالا

قسم کھاتا ہوں میں تیری جفا کی — مجھے تیری جفا نے مار ڈالا

اُڑا لائی ہمیں قاتل کے گھر تک — محبت کی ہوا نے مار ڈالا

سب اُن کی انجمن میں جی رہے ہیں — قضا کو کیا ادا نے مار ڈالا

جفائیں عمر بھر الفت میں جھیلیں — ہمیں پاسِ وفا نے مار ڈالا

تری سیدھی نظر سے بچ گیا میں — مگر بانکی ادا نے مار ڈالا

کیا تھا مجھ کو پیدا جس خدا نے — اسی میرے خدا نے مار ڈالا
مرض تھا کچھ مجھے درماں ہوا کچھ — طبیبوں کی دوا نے مار ڈالا
یہ کیسا ظلم ہے تیری گلی میں — جسے پایا ادا نے مار ڈالا
کھڑے ہیں وہ جھکی جاتی ہیں آنکھیں — اسی طرزِ حیا نے مار ڈالا
سمجھ لو دل میں تم مجھ سے نہ پوچھو — کسے کس کی ادا نے مار ڈالا
نگاہِ شوخ سے میری طرف دیکھ — حیا والے حیا نے مار ڈالا

جنابِ نوحؔ سے شکوہ ہے مجھ کو
کہ طوفانِ بلا نے مار ڈالا

طبع زاد ۲۶ ر اکتوبر ۱۹۲۸ء

ج

کوئی نہیں پہچاننے والا — مرجائے مرجانے والا
محفل میں آئے گا کیوں کر — خلوت میں شرمانے والا
ہیں روکوں لیکن کیا روکوں — جائے گا گھر جانے والا
شکر خدا کا ہم کرتے ہیں — کام آیا کام آنے والا
صبر مرا بیکار نہ جائے — تڑپے وہ تڑپانے والا
اپنا دل بہلاؤں کس سے — ہے کون آنے جانے والا
وہ نہ ملیں مجھ کو مل جائے — کوئی جی بہلانے والا
دل وہ شے ہے جس کا شاکی — کھونے والا پانے والا
لطف و کرم فرماتا جائے — لطف و کرم فرمانے والا
سب سے مشکل بات یہی ہے — زندہ ہو مرجانے والا
کیا سمجھے اسرارِ محبت — دل دے کر پچھتانے والا
پھولوں کا مرجھانا دیکھے — کلیوں پر اترانے والا
جان مری ہے جانے والی — دل ہے اُن پر آنے والا
یا میں ہوں یا میرا دل ہے — روز نیا غم پانے والا

نوحؔ محبت کی دنیا میں
ہے طوفان اُٹھانے والا

دیکھنا دیکھنا مقتل میں وہ قاتل آیا

اس طرح پر ایک بڑا مشاعرہ مسلم کلب کانپور میری صدارت میں جناب اختر صاحب نے کیا ۹ ر فروری ۱۹۲۹ء کی ۸ بجے

رات کو شروع ہو کر قریب ۶ بجے صبح تک یہ نشست قائم رہی اچھی اچھی غزلیں پڑھی گئیں جناب آسان۔ عروج۔ گوہر صاحبان کان پوری موجود تھے اور آگرہ سے جناب مظہر مرحوم مع اپنے دو شاگردوں کے اور لکھنؤ سے قدیر صاحب سراج صاحب مہدی صاحب و شوق صاحب بھی آئے تھے

ج [illegible]

بن سنور کر مرے آگے جو وہ قاتل آیا
درد اٹھا شوق بڑھا ہوش گیا دل آیا

حسن اس خاص ادا سے سرِ محفل آیا
ایک کی جان گئی دوسرے کا دل آیا

اور چیزیں تو زمانے کی زمانے کو ملیں
میرے حصے میں فقط درد بھرا دل آیا

عشق کا راز سمجھنا کوئی آسان نہیں
کیا خبر مجھ کو گیا دل کہ مرا دل آیا

اور اُنھیں لاگ بڑھی لاگ کی اور آگ بڑھی
محفلِ ناز میں کیوں تذکرۂ دل آیا

آپ کیا پوچھتے ہیں عشق و وفا کی تفصیل
مختصر یہ ہے مری جان گئی دل آیا

ہم سمجھتے تھے دل آئے گا تو مٹ جائیں گے
اب یہ مٹ جانے سے معلوم ہوا دل آیا

وہ ابھی رسمِ محبت سے خبردار نہیں
دل کے جانے کو جو سمجھیں تو کہیں دل آیا

اب سمجھ ہوگی تو وہ آپ سمجھ جائیں گے
ہم سنا کر اُنھیں کہتے ہیں کہیں دل آیا

وہ سنیں یا نہ سنیں غور کریں یا نہ کریں
عشق کہتا ہے کہے جاؤ کہیں دل آیا

ہم تو اِک ایک جگہ عشق میں بدنام ہوئے
تم بتاؤ کہ تمھارا بھی کہیں دل آیا

نوح کیا اور قوافی نہ ملے تھے تجھ کو
تیرے ہر شعر کے آخر میں وہی دل آیا

مختلف قوافی

ج

بزمِ دل کش میں مرا آئینۂ دل آیا
سامنے آیئے اب مد مقابل آیا

دردمندانِ محبت کا سنبھلنا معلوم
جب مسیحا کو بلایا کوئی قاتل آیا

دل سے امید بہت کچھ تھی مگر کیا کہیے
کام یہ بھی مری مشکل میں بمشکل آیا

سخت جاں اور نہ تھا محفلِ عالم میں کوئی
آئینہ ہی ترے چہرے کے مقابل آیا

کھل گیا اس سے کہ اب دن ہے قیامت کا قریب
مے پرستوں کو خیالِ حق و باطل آیا

دم جو ٹھہرے دمِ آخر تو یہ معلوم کروں
جان لینے کو قضا آئی کہ قاتل آیا

گردشِ بخت نے دی رائے پلٹ جانے کی
پھیر کھا کر جو مسافر سرِ منزل آیا

راحت و عیش کے ملنے کی توقع کس کو
صبر بھی عشق میں آیا تو بمشکل آیا

رات دن حسن پرستی میں بسر کی ہم نے
مہر تاباں جو گیا تو مہِ کامل آیا

خود بخود مر گئے حاضر تھے جو مرنے والے
آج مقتل میں اِس انداز سے قاتل آیا

جوشِ دریائے محبت نے ڈبو دی کشتی
نوح سمجھے تھے کہ اب سامنے ساحل آیا

طبع زاد ۲ر مئی ۱۹۲۹ء

وہ کہتے ہیں آؤ مری انجمن میں مگر ہیں وہاں اب نہیں جانے والا
نشاط والم کے سفید و سیہ نے ہماری نگاہوں کو حیرت میں ڈالا
مرا درد پوچھا مرا حال دیکھا مرے دل کا ارمان تم نے نکالا
بڑی نیو آپس میں گو دوستی کی مگر دوستی کس طرح نبھ سکے گی
شوالے کی جانب قدم کیوں بڑھاؤں نظر کس لئے سوئے مسجد اُٹھاؤں
فدا کر دیا میں نے دل اُس حسیں پر جو بے درد بھی ہے دل آزار بھی ہے
جفا کا فسانہ تغافل کا قصہ مصیبت کی روداد غم کی کہانی
ہمیں پر ہوئیں کیا ہزاروں جفائیں ہزاروں بلائیں ہزاروں بلائیں
وہ آئے تھے پہلو میں بے ہوش تھا میں کوئی ہو گی دل پر بہت کچھ نوازش
ہزاروں بلا نوش ادھر بھی ادھر بھی ملی اتنی فرصت کہاں مے کدے میں
محبت کے جوگی ستم کے بروگی وفا کے بھکاری جفا کے پجاری
چُرا لے گیا کوئی دل بھی جگر بھی اُڑا لے گیا کوئی صبر و سکوں بھی
وطن سے نکل کر اکیلے چلے تھے مگر خوش یقینی کے قربان جائیں
فغاں کی بھی امداد حاصل کروں میں محبت کو بھی کچھ توجہ دلاؤں
غضب ڈھا گئیں سیدھی سادی ادائیں ستم کر گئیں ترچھی بانکی نگاہیں
ادھر طور پر غش میں موسےٰ پڑے ہیں اُدھر ہاتفِ غیب یہ کہہ رہا ہے
یہ مطلب تھا ارمان اس کے نہ نکلیں جو تم میں تو کچھ اور پیچیدگی ہو

ج

کہ اکثر بلایا بلا کر بٹھایا بٹھا کر اُٹھایا اُٹھا کر نکالا
اِدھر روشنی ہے اُدھر تیرگی ہے کہیں ہے اندھیرا کہیں ہے اُجالا
خدا اور بھی دے زیادہ مراتب سوا اور اس سے کبھی ہو بول بالا
اُسے ہے نزاکت مجھے ہے نقاہت نہ وہ آنے والا نہ میں جانے والا
مرے دل کو اللہ آباد رکھے مرا دل ہی مسجد ہے دل ہی شوالا
محبت کی دُھن میں نہ سوچا نہ سمجھا نہ جانچا نہ پرکھا نہ دیکھا نہ بھالا
اِدھر کہہ رہا ہے اُدھر سُن رہا ہے کوئی کہنے والا کوئی سُننے والا
زمانے میں کوئی سنبھلنے نہ پایا کسی شوخ نے ہوش جب سے سنبھالا
مگر کیا خبر مجھ کو اللہ جانے تمنّا نکالی کہ کانٹا نکالا
رہا کام پینے پلانے سے سب کو نہ ڈھونڈی صراحی نہ ساغر کھنگالا
جہاں دیکھ پاتے ہیں جلوہ بتوں کا بچھاتے ہیں اپنا وہیں مرگ چھالا
یقیں ہے تمنّا نکلتے نکلتے نکل جائے گا عاشقوں کا دوالا
ملا دشتِ غربت میں اک اک قدم پر ہمیں اک نہ اک جاننے پہچاننے والا
پھر مرم جذبِ دل کا نکلنے نہ پائے نکل آئے پردے سے وہ پردے والا
یہی شور اُٹھا جدھر سے وہ گذرے مجھے مار ڈالا مجھے مار ڈالا
ذرا کھول لیں آپ آنکھیں تو اپنی قریب آگیا دیکھئے دور والا
مرے خانۂ دل میں رنج والم نے تنا ہر طرف خوب مکڑی کا جالا

تمہارا ثنا خواں تمہارا دعا گو تمہارا فدائی تمہارا سلامی
یہ کیا کہہ دیا اُس نے واقف نہیں ہم وہی ہاں وہی نوح طوفان والا

رسوا کر دیا، مہیا کر دیا اس ردیف و قافیہ پر ۱۲ر نومبر ۱۹۲۹ء کو الٰہ آباد میں مشاعرہ ہوا چوں کہ قوافی میں بہت وسعت تھی اس لئے میں نے قوافی محدود کر کے یہ اشعار کہے تھے

شیوۂ لطف و کرم پر مجھ کو شیدا کر دیا
اب علاجِ دردِ دل کا مجھ کو شیدا کر دیا
پردۂ اسرار میں چھپتا کہاں تک حسنِ دوست

ج

آپ کی ہمدردیوں نے درد پیدا کر دیا
چارہ گر نے یہ نیا روگ اور پیدا کر دیا
کچھ نہ بن آئی تو اپنے کو ہویدا کر دیا

فصلِ گُل آتے ہی تونے اے ہوائے فصلِ گُل — خون میں ہیجان دل میں خون پیدا کر دیا
وہ ستم گر دل وفا پرور محبت نبھ چکی — خوبیٔ قسمت نے کس پر کس کو شیدا کر دیا
ساقیِ محفل وہ کیسی چیز تھی جس چیز نے — اِس سرے سے اُس سرے تک جوش پیدا کر دیا
اب مرے دل کو کسی پہلو قرار آتا نہیں — غم نے بجلی کا اثر رگ رگ میں پیدا کر دیا
واہ کیا کہنا ترا اے مظہرِ انوارِ حق — خود مری ہی شکل پر مجھ کو ہی شیدا کر دیا
سازِ دل سے رازِ دل کی خوبیاں جاتی رہیں — ہیں نے تم پر تم نے دنیا پر ہویدا کر دیا
کیوں اُٹھاتی قدرتِ حق ایسی زحمت بار بار — عشق کو بھی حسن ہی کے ساتھ پیدا کر دیا
نام شاید اور کچھ ہو لوگ اُسے کہتے تھے دل — جس نے مجھ پر تم کو تم پر مجھ کو شیدا کر دیا
نوحؔ کیا سوجھی یہ کیا دل میں تمھارے آ گئی — پھر وہی طوفان اشکوں کا ہویدا کر دیا

میں بت پرستیوں سے مسلمان ہو گیا

اِس طرح پر جناب سید شاہ حامد حسین صاحب حامدؔ سجادہ نشین درگاہ حضرت ارزاں صاحبؒ نے پٹنہ میں ۹ ر دسمبر ۲۹ء کو ایک بہت بڑا مشاعرہ کیا مقامی شعرا اور قرب و جوار کے اچھے کہنے والے موجود تھے لیکن بدر صاحب آروی اپنی علالت سے شریک نہ ہو سکے تقریباً دو ہزار آدمیوں کا مجمع تھا مشاعرہ دس بجے رات سے شروع ہو کر بخیر و خوبی آٹھ بجے صبح کو ختم ہوا

میں کثرتِ جمال سے حیران ہو گیا — ج — اے حسن آفریں ترے قربان ہو گیا
غیروں کے واسطے جو پریشان ہو گیا — انسان بھی نہ تھا تو وہ انسان ہو گیا
میں دل کے ہتکھنڈوں سے پریشان ہو گیا — قربان کر گیا مجھے قربان ہو گیا
ممکن نہیں وہ تیر کو چٹکی سے کھینچ لیں — اِتنا رہا یہ دل میں کہ ارمان ہو گیا
دستِ جنوں مرے ابھی حد سے بڑھے نہ تھے — خود ہی گلے سے دور گریبان ہو گیا
وہ کہہ گئے کہ آپ کا جینا فضول ہے — مرنا اب اور بھی ہمیں آسان ہو گیا
اے خضر مجھ کو خواہشِ عمرِ ابد نہیں — دو دن کی زندگی سے پریشان ہو گیا
توبہ کی گفتگو تھی کہ پھر بدلیاں اُٹھیں — یوں مے کشی کا غیب سے سامان ہو گیا
اچھی کہی کہ سر سے نہ اُترے گا بارِ عشق — کیا یہ بھی کوئی آپ کا احسان ہو گیا
دیکھا کچھ اس طرح ترے چہرے کو بار بار — محفوظ میرے دل میں یہ قرآن ہو گیا
وہ دل کہ جس نے پائے تھے اوصافِ باطنی — ظاہر پرستیوں سے پریشان ہو گیا
دل میں بتوں کی یاد خموشی کے ساتھ ہے — سب مجھ کو جانتے ہیں مسلمان ہو گیا
اوّل تو خلق اور کرم بھی پھر اُس کے ساتھ — باتیں یہ جس کو آ گئیں انسان ہو گیا

میں اُن سے کہہ رہا ہوں کہ اب رحم کیجئے
ظلم و ستم سے ہاتھ کب اُس نے اٹھائے
جس نے بچا لیا وہ رہا بے نیازِ غم
پائی تھی ایک جان ترے جاں نثار نے

وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ ناداں ہو گیا
کہہ کر یہ بات میں ہی پشیمان ہو گیا
دل جس بنے دیے زیادہ پریشان ہو گیا
لیکن ہزار جان سے قربان ہو گیا

ترکیب فارسی سے رہے دور قافیے
اے نوح فرضِ لون کا اعلان ہو گیا

محتاج آفتاب نہیں ماہ تاب کا

اِس طرح پر دوسرا مشاعرہ پھر ہیں ۱ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو ہوا پہلے دن کی میری کامیابی دیکھ کر کچھ لوگوں نے خفیہ یہ سازش کی کہ میری غزل پر سب خاموش رہیں کوئی داد نہ دے لیکن پہلے ہی مطلع پر لوگ بے اختیار ہو کر داد دینے لگے یہاں تک کہ جو مخالف تھے اُن کی بھی توبہ ٹوٹ گئی یہ مشاعرہ پہلے دن کے دیکھتے ہوئے بہت اچھا ہوا شعرا سب وہی تھے آخر میں لوگوں نے بے حد اصرار کے ساتھ مجھ سے غیر طرح چار غزلیں پڑھوائیں

جس پر لکھا تھا حال مرے اضطراب کا
چھوٹا کب اُن کے ہاتھ سے ساغر شراب کا
اللہ رے جوشِ مستی عہدِ شباب کا
کیسا جواب اُن کے رخِ لاجواب کا
کیا حالِ دل کہوں دلِ ناکامیاب کا
خورشید روزِ حشر سے مے خوار ڈر چکے
اتنے گناہ میں نے کیے اِس خیال سے
تردید کر رہا ہے یہ برقِ نگاہ کی
پھر گل کھلے پھر ابر اُٹھا پھر ہوا چلی
بہتر یہ ہے کسی کو ازل ہی میں چھانٹ لوں
دنیا سے بے ثباتیِ دنیا کو پوچھیے
کہتا تھا بار بار پیو بھی پلاؤ بھی
اے دستِ شوق دامنِ محبوب تھام لے
دو چار سال عمر کے اچھے بسر ہوئے
روتے ہیں بار بار مرے ذوق و شوق بھی
دل کے بہت سے زخمِ جگر کے بہت سے داغ

ج

ٹھہرا کتاب میں نہ ورق وہ کتاب کا
رندوں نے رس نچوڑ لیا آفتاب کا
لہرا رہا ہے سامنے دریا شراب کا
منہ پھر گیا اِدھر سے اُدھر آفتاب کا
میّت ہے آرزو کی جنازہ شباب کا
یہ اُس کو جانتے ہیں پیالہ شراب کا
لینا تھا جائزہ کرمِ بے حساب کا
ہو گا مآل کیا دلِ پر اضطراب کا
اے بارشِ کرم کوئی چھینٹا شراب کا
موقع ملے ملے نہ ملے انتخاب کا
سُنیے زبانِ موج سے قصّہ حباب کا
ساغر سے خود بخود وہ چھلکنا شراب کا
ٹوٹے گا سلسلہ نہ سوال و جواب کا
اب ہم ہیں اور غم گئے گذرے شباب کا
منھ دیکھ کر دلِ ناکام یاب کا
ان میں حساب ہے ستمِ بے حساب کا

جو کھو رہے تھے آہ میں تیری دھواں نہیں
دھندلا سا رنگ ہوگیا اُن کی نقاب کا

سب کچھ تو جانتا ہوں مگر میں خموش ہوں
عالم ہے رازِ عشق میں گونگے کے خواب کا

یارب اگر ملے تو دل ایسا مجھے ملے
خوگر ہو ظلم کا متحمّل عتاب کا

رہتا ہے کوئے یار میں حاضر تمام دن
کیوں عرش پر دماغ نہ ہو آفتاب کا

طوفانِ بحرِ شوق میں دنیا فنا ہوئی
اے نوح معجزہ تھا یہ چشمِ پرآب کا

طبع زاد ۱۰ فروری ۱۹۳۰ء

ج

منھ کسی کے رشتۂ الفت سے کب موڑا گیا
اِس طرف توڑا گیا اور اُس طرف جوڑا گیا

پھر کسی ظالم سے رشتۂ عشق کا جوڑا گیا
کچھ ہمارا عہد ٹوٹا اور کچھ توڑا گیا

فی الحقیقت کوچہ گردی وجہ ننگ عشق تھی
آستانِ یار مجھ سے کس طرح چھوڑا گیا

مژدۂ وحشت جو پھر دینے لگی بادِ بہار
دامنِ گل میں گریباں کیا مرا جوڑا گیا

لوگ پڑھتے تھے تواریخ آج اہلِ عشق کی
جس میں میرا حالِ غم تھا وہ ورق موڑا گیا

دل کی رنگینی مرے دل پر قیامت ڈھاگئی
منتخب جو پھول تھا پہلے وہی توڑا گیا

حشر میں انصاف ہوگا یہ توقع اب نہیں
فیصلہ میرا انھیں کی رائے پر چھوڑا گیا

کیوں نہ بڑھ کر داستاں بنتی مری رودادِ عشق
ایک ٹکڑا ہر جگہ اِس میں نیا جوڑا گیا

گر پڑے بجلی کہیں اُن پر نہ اُن کے حسن کی
آئینے کے رخ سے منھ اس واسطے موڑا گیا

لکھ سکے پھر بھی نہ ہم پورا بیانِ زندگی
ہر ورق کے خاتمے پر اِک ورق جوڑا گیا

اے ادائے حسن شاید تھا یہی درمانِ عشق
خارِ غم سے دل کا اِک اِک آبلہ پھوڑا گیا

لکھ رہے ہیں وہ کہ تم نے بالیقیں فریاد کی
قطع الفت کے لئے بہتان یہ جوڑا گیا

ہر گھڑی طوفانِ چشمِ تر سے یہ ڈرتے رہے
نوح یہ اچھا شگوفہ عشق میں چھوڑا گیا

ازل سے جو ابد تک کام آیا وہ مرا دل تھا

اس طرح پر ۲۲ مارچ ۱۹۳۰ء کو معین الادب لکھنؤ کا سالانہ مشاعرہ ہوا لیکن مجھے اپنی علالت سے شرکت سے معذوری رہی دل کا قافیہ مطلع کے لئے مخصوص تھا اور بقیہ قوافی بسمل، حاصل، قاتل، محفل، مشکل، منزل قرار پائے تھے انھیں قوافی کی قید تھی

ج
دل

سمجھنا کوچۂ قاتل کے آزاروں کا مشکل تھا
بس اتنا یاد ہے مجھ کو کہیں سر تھا کہیں دل تھا

تری الفت سے پہلے سو طرح کا لطف حاصل تھا
کبھی میں بھی تھا دل والا مرے پہلو میں بھی دل تھا

یہ عالم راہِ ذوق و شوق میں منزل بمنزل تھا
کہ آگے آگے غم تھے پیچھے پیچھے غم زدہ دل تھا

وہ تم پر مٹ چکا پہلے ہی اب کیا اس سے حاصل تھا
ٹٹولا تو مرے پہلو میں ہر جانب کہیں دل تھا

بسمل

پتہ میرا نہ پوچھ اس پر ذرا کر غور اے قاتل
تری تیغِ ادا کا سب سے پہلے کون بسمل تھا

نگاہِ آخری چلنے میں خنجر سے سوا نکلی
پلٹ کر میں نے جب دیکھا تو قاتل آپ بسمل تھا

حاصل

وہ آئے قبر تک کچھ دیر بیٹھے چل دیے اُٹھ کر
فقط اتنا کسی بے کس کے مر جانے کا حاصل تھا

وہ شوق آغازِ الفت میں یہ غم انجام الفت میں
غرض ہم کو سکونِ دل نہ حاصل ہے نہ حاصل تھا

فنا کے بعد اب واقف ہوا ہیں رازِ ہستی سے
جسے کہتے ہیں مرنا وہ مرے جینے کا حاصل تھا

قاتل

تماشا حشر کا وہ بھی مری آنکھوں نے دیکھا ہے
سب اپنی اپنی کہتے تھے مگر خاموش قاتل تھا

خدا کے سامنے یہ عذر بھی کیا لطف دیتا ہے
وہ کہتے ہیں مرے پردے میں کوئی اور قاتل تھا

محفل

بہائے کون آنسو اب مآلِ شمعِ سوزاں پر
وہ مجمع اُٹھ گیا جو قدر دانِ لطفِ محفل تھا

چراغِ حسنِ عالم تاب پر اے دل تصدق ہو
جو پروانہ سلامت رہ گیا وہ ننگِ محفل تھا

مشکل

لگا کر دل جو زندہ رہ گئے صد مرحبا اُن کو
ہماری رائے میں سب سے سوا یہ کام مشکل تھا

گئے گذرے زمانے میں کچھ ایسے دن بھی گذرے ہیں
تمھیں ہر بات آساں تھی ہمیں ہر کام مشکل تھا

منزل

طریقِ عشق میں گذرے بہت رہ رو نگاہوں سے
وہ اُتنا جلد پہنچا جس کو جتنا شوقِ منزل تھا

کہاں کے خضر کیسے ہم سفر کیا دشت پیمائی
جو منزل تک مجھے پہنچا گیا وہ شوقِ منزل تھا

جنابِ نوحؑ بھی موجود اگر ہوتے تو کیا کرتے
کہ بحرِ عشق میں بیڑا مرا سیلاب منزل تھا

بات کرنی چاہتے ہیں آپ دیوانے سے کیا

اس طرح پر ۲۲/مارچ ۱۹۳۱ء کو انجمن معین الادب لکھنؤ کا سالانہ مشاعرہ تین بجے دن سے شروع ہو کر بارہ بجے رات کو ختم ہوا مقامی شعرا قریب قریب سب موجود تھے نواب مرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی نے بھی شرکت فرمائی تھی مطلع کے لئے دیوانے کا قافیہ بقیہ اشعار کے لئے بے گانے، پروانے، پیمانے، مے خانے، ویرانے کے قافیے مخصوص تھے

ع
دیوانے

حسنِ غارت گر کو مطلب میرے یارانے سے کیا
شوق ہے دیوانگی سے ذوق دیوانے سے کیا

اُڑ چلا آوارہ وحشت بھی مثلِ رنگ و بو
لکھ دیا پھولوں نے نکل کر تیرے دیوانے سے کیا

بے گانے

ہم ترے اغماض پر دل کو مخاطب کیا کریں
ایک بے گانے کا شکوہ ایک بے گانے سے کیا

دل کے ہوتے ہیں بناؤں اور کس کو راز دار
کام جب نکلے یگانے سے تو بے گانے سے کیا

پیمانے

بے طرح نکھرا نظر آنے لگا رنگِ چمن
مے چھلکا کر گر پڑی کچھ میرے پیمانے سے کیا

کیف ہوتا ہے مجھے خالی بھی اکثر دیکھ کر
لڑ گئی ساقی کی چشمِ مست پیمانے سے کیا

بے جلائے بزمِ سوز و ساز میں خود جل بجھی / لاگ تھی شمعِ سحر کو ایسی پروانے سے کیا — پروانے
بے کہے میں جان دے دوں گا کسی دن خود بخود / عشق میں تحریک جل مرنے کی پروانے سے کیا
اللہ اللہ یہ شرابِ تند کا جوش و خروش / توڑ کر خم کو نکل جائے گی مے خانے سے کیا — مے خانے
وضع داری بھی ہے کوئی چیز اے پیرِ مغاں / آ گئے تو آ گئے اب جائیں مے خانے سے کیا
جام و ساغر خوب چھلکے دورِ پیہم چل چکے / چاہتے ہیں بادہ کش بہ جائے مے خانے سے کیا
شیشہ و خم مہر بر لب جام و ساغر اہلِ ظرف / رازِ مے خانے سے باہر جائیں مے خانے سے کیا
جوشِ وحشت میں بھی ہم آوارہ پھر سکتے نہیں / ایک ویرانے سے کام ایک ایک ویرانے سے کیا
کوہ و صحرا کی طرف بھی لے چل اے جوشِ جنوں / کام نکلے گا ہمارا صرف ویرانے سے کیا

کر دیا اس قافیے نے شاملِ اہلِ جنوں
ورنہ تھا اے نوحؔ مطلب ہم کو ویرانے سے کیا

طبع زاد ۸ / اپریل ۱۹۳۱ء

ج

یہ کیا رخنہ سازی یہ کیا پیش بندی یہ کیسا کنایہ یہ کیسا اشارا
قراین سے معلوم ہوتا ہے ہم کو کسی روز لٹ جائے گا دل ہمارا
مشیت نے دنیا کی نظروں کے آگے ہمیشہ کیا پیش طرفہ نظارا
حقیقت میں ہستی نہیں کچھ ہماری تصوف کے رو سے نہیں کچھ ہمارا
کچھ امید پیدا ہوئی بے کسی میں مگر کیا خبر رازِ امید کیا ہے
جو سودائی ہوں گے وہ سودا کریں گے جنھیں عقل ہوگی نہ ایسا کریں گے
مجاز و حقیقت کی باریکیوں پر وہ ڈالے نگاہیں جو باریک بیں ہو
اثر حسن کا جلد ہوتا ہے دل پر طبیعت ادھا دھند آتی ہے اکثر
تلاطم بپا ہو کہ طوفان اٹھے بلا آئے سر پر کہ ٹوٹے قیامت
جسے حسنِ تفریح کی آرزو ہو وہ کیوں کر اٹھے حسن کی انجمن سے
کبھی عشق میں انقلاب ایسا آئے محبت کبھی یہ تغیر دکھائے
دعا کے لئے ہاتھ میں کیوں اٹھاؤں فغاں کا بھرم کیا سمجھ کر گنواؤں
سحر ہو گئی شب امیدِ وصل میں گذری یہ کہتے ہوئے لوگ اٹھے انجمن سے
نشاط و مسرت کی صورت نہ دیکھی مرے دل نے آزار و غم میں بسر کی
نہ کوئی عداوت نہ کوئی خصومت نہ رنجش نہ اس میں اسبابِ رنجش
وفا میں دل اپنا تصدق کروں میں محبت میں جان اپنی کر دوں نچھاور

ابھی ناوک آیا نہیں میرے دل تک صدا ناوک انداز نے دی وہ مارا
نگاہیں بھی اس عشوہ گر کی نگاہیں اشارہ بھی اس فتنہ گر کا اشارہ
کسی کو بگاڑا کسی کو بنایا کسی کو دبایا کسی کو ابھارا
وہی آپ شیدا وہی آپ شاہد اسی کی نظر اور اسی کا نظارا
شبِ ہجر آواز آئی کہاں سے صدا غم نے دی یا اجل نے پکارا
محبت کے بازار میں ہم نے دیکھا ذرا سا منافع بہت سا خسارا
ہمارے لئے دین و دنیا یہی ہے خدا کا بھروسہ بتوں کا سہارا
قیود و شرایط سے کیا اس کو مطلب محبت میں کیا فال کیا استخارا
وہ دریائے الفت میں دل بستگی ہے کریں گے نہ تیراک اس سے کنارا
کہیں بھی ہے جو ہے تو یہیں ہے نرالا تماشا انوکھا نظارا
بدل جائے دل اور دل ہو بدل کر ہمارا تمھارا تمھارا ہمارا
لگاتار آنکھیں دکھاتا ہے مجھ کو شبِ غم فلک پر سے ایک ایک تارا
جو اب تک نہیں کی تو اب کیا کرے گا وہ خاطر تو ضعِ عنایت مدارا
وہ سچ کہہ رہے ہیں اگر کہہ رہے ہیں محبت کے مارے کو آفت کا مارا
ہزاروں ستم ڈھائے مجھ پر فلک نے ضرور اس میں تھا کچھ تمھارا اشارا
تری پیاری پیاری اداؤں کے آگے نہ یہ مجھ کو پیاری نہ وہ مجھ کو پیارا

طریقِ طلب طرفہ ترجوش دارد بایں جوش ایں طرفہ تر ہوش دارد
کبھی کوئی صدمہ کبھی کوئی ایذا کبھی یہ مصیبت کبھی وہ مصیبت
ہزاروں کھلے راز سربستہ لیکن یہی بات اب تک سمجھ میں نہ آئی

خدائی نمی خواہم اندر خدائی کہ می خواہم اندر خدائی خدارا
ہم اس کے علاوہ سبب کیا بتائیں نوازش ہے دل کی کرم ہے تمھارا
نگاہوں کے آگے تو ہے بزمِ عالم نہاں ہے نگاہوں سے وہ بزم آرا

جو آنا ہے اے نوح ان کو تو آئیں وہ رستہ طرف فاصلہ کچھ نہ پوچھیں
چلیں ریل پر اور پہنچیں سر اٹھو سر اٹھو سے لو میل ڈھن ہے نارا

جو نہ کرنا چاہیئے وہ کام قاتل نے کیا

۱۲ مارچ ۱۹۳۲ء کو اس طرح پر ایک عظیم الشان مشاعرہ ریلوے تھیٹر الہ آباد میں ملازمان ریلوے بالخصوص زبیری صاحب مرزا احمد جان صاحب کے اہتمام سے ۸ بجے شب کو شروع ہو کر نو بجے دن کو ختم ہوا مقامی شعرا کے علاوہ عزیز سلونی، ریاض جیوری دعا ڈبائیوی انعام حمایت ولی زاہد گوالیاری انور پرتاب گڑھی فضل کمال اقبال حضرت متین مچھلی شہری وغیرہ شریک تھے افسوس ہے کہ تو ہہ اور بسمل صاحب اس میں اپنی اپنی وقتی ضرورتوں سے شریک نہ ہو سکے

ج

کیوں کہوں مجروح مجھ کو حسنِ قاتل نے کیا
واقعہ تو یہ ہے جو کچھ بھی کیا دل نے کیا

قصدِ فریاد و فغاں بھولے سے جس دل نے کیا
اور بھی ٹھہراؤ اُس کا تیغِ قاتل نے کیا

آرزوئے قتل کا چرچا جو بسمل نے کیا
تیغِ قاتل کو اشارہ چشمِ قاتل نے کیا

اب مجھے انکارِ عشق اُن سے ہو کس بنیاد پر
رنج و غم نے دی گواہی فیصلہ دل نے کیا

جیسے فوراً ہی ڈبو دے گا مجھے دریائے عشق
اس طرح رخصت سُبک سارانِ ساحل نے کیا

دم نکلنے کا نہیں غم بلکہ اس کی ہے خوشی
سب سے پہلے صاف مجھ پر ہاتھ قاتل نے کیا

ناوکِ بیداد پر بھی کھل گئے اسرارِ عشق
کیوں سلامِ شوق جھک کر حسرتِ دل نے کیا

مرحلہ تھا اپنی مرگ و زیست کا کتنا اہم
حل اسے آسانیوں کے ساتھ مشکل نے کیا

جب کوئی آیا تو ہم تعظیم دینے کو اُٹھے
کس قدر رسوا ترے آدابِ محفل نے کیا

حسن پر اِس کے سوا کیا عشق کا ہوتا اثر
میرے دل نے آہ کی شکوہ ترے دل نے کیا

کوئے جاناں کی کشش سب کو اُڑا کر لے گئی
رہ رووں کا خیر مقدم آپ منزل نے کیا

رہتی دنیا تک رہے گا یادگارِ حسن و عشق
کام وہ میں نے کیا تم نے کیا دل نے کیا

جانتا تھا آشنائے بحرِ الفت کا مآل
کچھ سمجھ کر ہی کنارا مجھ سے ساحل نے کیا

اب زباں تک جبرِ بے جا کی شکایت آئے گی
صبر جتنا ہو سکا اتنا مرے دل نے کیا

صبح دم اُٹھ کر اسی کے ساتھ وہ بھی چل دیے
شمعِ کشتہ غم اتنا اہلِ محفل نے کیا

عشق میں ہے قابلِ تقلید یہ حسنِ ادب
رنج و غم سہ کر بھی شکرِ رنج و غم دل نے کیا

قیس کو محروم رکھا جلوۂ دیدار سے
جو نہ لیلیٰ نے کیا وہ ظلم محمل نے کیا

اللہ اللہ دیکھتے ہی مرمٹا اُس شوخ پر
غم بھی ہوتا ہے تو اب احساسِ غم ہوتا نہیں
جب نہ آنا تھا تو یہ کیوں کہہ دیا تھا آئیں گے
سرزمینِ کوئے محبوب اور اس پر پائے شوق

کام اور اتنا بڑا پہلے پہل دل نے کیا
حل مری مشکل کو آڑے دن کی مشکل نے کیا
ہم کو مضطر اور ان کے عہد باطل نے کیا
مجھ کو منزل سے الگ توقیر منزل نے کیا

نوحؔ تجھ سے بحرِ عالم میں نہ تھا واقف کوئی
تیرا شہرہ کشتی و طوفان و ساحل نے کیا

طبع زاد ۱۵ر نومبر ۱۹۳۲ء

ہجر کی شب خاتمہ بالخیر میرا ہو گیا
کیا ضرورت قتل کی یوں ہی سویرا ہو گیا
اِس طرح عشق و وفا میں ختم کر دی زندگی
ہم سے چھٹتا کوچۂ محبوب مشکل تھی یہ بات
کیا دکھاتے اور اثر اس سے زیادہ حسن و عشق
چار باتوں میں نہیں معلوم کتنا تھا اثر
کثرتِ آزار و غم کا اور کچھ مطلب نہیں
گلشنِ عالم میں کس کو مل سکا لطفِ شباب
ڈھونڈتے تھے وہ بہانہ ظلم ڈھانے کے لئے
ہم یہ کہتے ہیں کہ ٹھہرو رات ابھی گذری نہیں
دل کو لے کر میری دل جوئی اگر کچھ کی گئی
میں ابھی نکلا نہ تھا صحرا نوردی کے لئے
و شبِ غم آگئی پھر وں گذر جانے کے بعد

ج

صبح ہونے سے بہت پہلے سویرا ہو گیا
تم نے آنکھیں پھیر لیں سُنتے ہی اُو میرا ہو گیا
تو نہ جب میرا ہوا تو میں ہی تیرا ہو گیا
جب ملی فرصت تو جھٹ پٹ ایک پھیرا ہو گیا
میں بھی اُس کا ہو گیا اب وہ بھی میرا ہو گیا
تو نے اپنا کر لیا جس کو وہ تیرا ہو گیا
اے دلِ ناشاد پورا وقت تیرا ہو گیا
چار دن کے واسطے سب کا بسیرا ہو گیا
کام اوروں نے بگاڑا نام میرا ہو گیا
وہ یہ کہتے ہیں کہ جانے دو سویرا ہو گیا
کون سا اس میں بڑا نقصان تیرا ہو گیا
خانہ ویرانی کا میرے گھر میں ڈیرا ہو گیا
تھا اُجالا جس قدر اتنا اندھیرا ہو گیا

منظرِ طوفان و کشتی خواب میں دیکھا کئے
نوحؔ چونکو رات گذری اب سویرا ہو گیا

نزدیک سے جو دیکھا نہ گیا دور سے دیکھا جائے گا

اس طرح پر تنظیم ادب الہ آباد میں مشاعرہ قرار پایا تھا لیکن چند وجوہ سے نہ ہو سکا چند شعر اس میں ناتفاقی ہو گئی تھی
بقید مطلع و بغیر عطف و اضافت

بے داد کا شکوہ حشر کے دن اک حشر انوکھا ڈھائے گا
کہنے کو یہی سب کہتے ہیں آج آئے گا وہ کل آئے گا

ج

یعنی جو سنیں گے وہ اس کو تو اور انھیں غصہ آئے گا
لیکن نہیں آتا مجھ کو یقیں آئے گا تو دیکھا جائے گا

شامل نہیں جس کے دل کی طلب وہ کرکے دعا بچائے گا
دنیا کی مقامی دولت پر انسان بہت پچھتائے گا
امڈے گا جو دل تو اشکوں کا بہنا بھی مزا دے جائے گا
آغاز خراب انجام بُرا عشق ایک اک غم ڈھائے گا
کعبہ ہو کہ بُت خانہ ہو مگر دل دونوں جگہ گھبرائے گا
کب تک مرے مرنے کا صدمہ یاروں کو مرے تڑپائے گا
یہ سوچ سمجھ کر پہلو سے دل کو مرے وہ لے جائے گا
نظروں میں نہ آئے گا لیکن راز اُس کا سمجھ میں آئے گا
آزار اٹھانے کی طاقت ہر شخص کہاں سے لائے گا
ہم جانتے ہیں ہم مانتے ہیں دل پر وہ قیامت ڈھائے گا

کیا ہاتھ بڑھانے سے حاصل مشکل سے اثر ہاتھ آئے گا
یہ چیز نہیں رہ جائے گی تنہا وہ یہاں سے آئے گا
یہ ابر وہ ہے پانی کی جگہ دامن میں گہر برسائے گا
دونوں کا خلاصہ اتنا ہے دل آئے گا دم جائے گا
قدرت کا تماشا دیکھ سکے قدرت یہ کہاں سے لائے گا
دنیا میں یہی ہوآیا ہے جو آئے گا وہ جائے گا
بے کام سہی ناکام سہی خود کام یہی کام آئے گا
دیکھے گا جو منظر میرا دل آنکھوں سے نہ دیکھا جائے گا
جب ہم نہ زمانے میں ہوں گے تو دل میں کوئی پچھتائے گا
اور اس کے علاوہ کیا ہوگا لٹ جائے گا مٹ جائے گا

اے نوح سفینہ ہر پھر کر ساحل سے کبھی مل جائے گا
کیا اس کو محبت کا دریا طوفان میں غم پھنسائے گا

نظر پیدا کر اے دل پھر تماشا دیکھ قدرت کا

اس طرح پر کرشچین کالج الہ آباد میں ۲۷ر نومبر ۱۹۳۳ء کو فرید جعفری صاحب کے اہتمام سے مشاعرہ ہوا صفی صاحب، آرزو صاحب ظریف صاحب لکھنوی شہر میں تھے لیکن شریک ہوئے حفیظ صاحب جالندھری نے غیر طرح نظمیں پڑھیں، متین صاحب مچھلی شہری اور مقامی شعرا نے طرح میں اپنا اپنا کلام سنایا یہ مشاعرہ ۱۰ بجے شب سے شروع ہو کر ۳ بجے رات کو ختم ہوا۔

یہ باعث تھا ہماری گو مگو تقریرِ حسرت کا
وہ فرماتے ہیں یہ بھی اک طریقہ ہے شکایت کا
اُنھیں اغماض حسرت سے مجھے ارمان حسرت کا
وہ دیکھیں مہرباں ہو کر تماشا میری وحشت کا
تعجب کیا جو تم پہنچے ہمارے خانۂ دل تک
خدا جانے خدا کے سامنے کیا بحث چھڑ جائے
کریں گے احترامِ شوق میر احسن والے بھی
تمھارے حسن کی شہرت ہوئی سارے زمانے میں
مری کم مائگی پر معترض کیوں آپ ہوتے ہیں
ازل ہی سے مری تقدیر میں تھا داغ ناکامی
کہانی غم کی تم سنتے ہو سب تم کو سناتے ہیں

ج

وہ معنی پوچھ کر مطلب بھی کچھ پوچھیں محبت کا
محبت سے نہیں سنتے کبھی قصہ محبت کا
یہ صورت ہے یہ عالم ہے محبت کی محبت کا
یہ ہے بازی گری قسمت کی کرتب ہے محبت کا
کہ آنکھوں میں سما کر مل گیا رستہ محبت کا
شہادت رنج و غم کی اور دعوے بھی محبت کا
بھکاری ہوں تمنا کا پجاری ہوں محبت کا
مرے دل کو سمجھ لو اشتہار اپنی محبت کا
جو داغِ دل ہے وہ بھی ایک سکہ ہے محبت کا
سرِ لوحِ جبیں لکھا گیا طغرا محبت کا
ہمیں بھی یاد ہے اک واقعہ اپنی محبت کا

بالآخر کثرتِ مشکل نے مشکل میری آساں کی
سرِ دربار شاید وہ مرا بھی مدعا سُن لیں

جہاں سے اُٹھ گیا صدمہ اٹھا کر میں محبت کا
کوئی کہہ دے کہ حاضر ہے نمایندہ محبت کا

جنابِ نوحؑ بھی طوفانِ غم میں دل ڈبو بیٹھے
خدا ہے ناخدا اب کشتیِ بحرِ محبت کا

کچھ پتہ راہ کا نہ منزل کا

اس طرح بر ۲۲ دسمبر ۱۹۳۳ء کو جی بی کالج مظفر پور میں اعلیٰ پیمانہ پر مشاعرہ ہوا حضرت سائل دہلوی ڈاکٹر مبارک و کیف صاحبان عظیم آبادی و شائستہ صاحب گیاوی، مجید احمد سلمہٗ ناروی مقامی شعرا میں سے قاری مضطر صاحب و اختر صاحب نے خوب خوب غزلیں پڑھیں مجید احمد کو دو تمغے ملے عالی جناب خواجہ محمد نور صاحب جسٹس ہائی کورٹ پٹنہ صدر مشاعرہ تھے مشاعرہ نو بجے شب سے شروع ہو کر تین بجے رات کو ختم ہوا بعد مشاعرہ تین روز تک مختلف وقتوں میں جناب مجتبےٰ صاحب وکیل کے دولت خانے پر شعر خوانی ہوتی رہی ایک روز بچو بابو نے بھی دعوت کی

ج

حوصلہ دیکھ لے مرے دل کا
تیغ قاتل کی ہاتھ قاتل کا

اُن کے نقشِ قدم کو دیکھیں گے
ہوگا خاکہ مٹے ہوئے دل کا

ہے بھی دریائے عشق میں کہ نہیں
نام ہی سُن رہا ہوں ساحل کا

اس طرف بھی کوئی خدنگ نگاہ
تم کو دیتا ہوں واسطہ دل کا

کھل گیا حال دشت وحشت میں
پچھلی منزل سے اگلی منزل کا

ہم سمجھتے ہیں آپ کیا سمجھیں
مرتبہ اور مرتبہ دل کا

صبح ہوتے ہی اُٹھ گئے احباب
لُٹ گیا وہ سہاگ محفل کا

اک طرف کعبہ اک طرف ہے دیر
دیکھیے رخ کدھر پھرے دل کا

چھیڑتا ہے کسی کو محشر میں
حشر کیا ہوگا من چلے دل کا

اُس جگہ اب ہے تیر پہلو میں
تھا ٹھکانہ جہاں کبھی دل کا

غرق دریائے غم ہوا خود بھی
خاک اُڑا کر غبار ساحل کا

فہم و ادراک سے ہے بالا تر
کوئی کیا سمجھے فلسفہ دل کا

اُن کی نظروں میں ایک ہیں دونوں
داغ دل کا چراغ محفل کا

شمع سوزاں اس انجمن میں نہیں
جل رہا ہے کنول مرے دل کا

خود بخود جھک گئی مری گردن
فرض تھا احترام قاتل کا

عشق میں یہ خبر نہ تھی مجھ کو
مدعا ہوگا مدعی دل کا

نوحؑ طوفانِ بحرِ الفت میں
کیا پتہ پوچھتے ہو قاتل کا

جہانِ حسن کا ہر ذرہ آفتاب ہوا

۱۱ر فروری ۳۴ء کو وردھا میں اس طرح پر مشاعرہ تھا لیکن زلزلہ آجانے سے ملتوی ہوگیا

کچھ اور حسن تمہارا دمِ شباب ہوا ج جو دوپہر ہوئی تو گرم آفتاب ہوا
خیالِ عشق و وفا میں وہ کامیاب ہوا ج جو وقفِ درد رہا نذرِ اضطراب ہوا
سب اہلِ حشر یونہیں رہ گئے سرِ محشر ج تمام دن میں ہمارا فقط حساب ہوا
اگر یہ سچ ہے تو پھر فصلِ گل نہیں آئی ج شراب خوار کوئی تارکِ شراب ہوا
جہانِ حسن میں انوارِ حسن کا یہ سماں ج چمک اُٹھا کوئی ذرہ تو آفتاب ہوا
ہزار شکر کہ جانِ حزیں مری نکلی ج یہیں سے اُن کی جفاؤں کا سدباب ہوا
خیالِ بادہ و ساقی سے کیا مجھے مطلب ج شراب اتنی لنڈھائی کہ خود شراب ہوا
تلاشِ منزلِ مقصد کی سرگذشت نہ پوچھ ج بہت خراب پھرا میں بہت خراب ہوا
تمام عمر فرشتے اِسے لکھا ہی کئے ج فنا کے بعد مکمل مرا حساب ہوا
خلافِ عقل مراتب کی آرزو ہے فضول ج اگر بڑھا کوئی نقطہ تو کیا کتاب ہوا
یہ اور بات ہے ناوک نے بے رُخی برتی ج مگر دل اپنے ارادے میں کامیاب ہوا
چراغ بزم کی توقیر اہلِ بزم کریں ج کہ اپنے دل کو جلا کر یہ باریاب ہوا

جنابِ نوح کے رونے کا معجزہ دیکھو
وفورِ شرم سے طوفان آب آب ہوا

بزم ادب گوالیار کے لئے یہ غزل کہی تھی لیکن میں اپنی علالت کے سبب سے شریک نہ ہوسکا

جو ہم نے کام کیا وہ خراب ہو نہ سکا ج مگر فضا کے لئے سدِّ باب ہو نہ سکا
اگر وہ ہم سرِ جامِ شراب ہو نہ سکا ج تو بالیقیں کوئی چیز آفتاب ہو نہ سکا
کوئی شرر بھی حریف و جواب ہو نہ سکا ج ہوا مگر دلِ پر اضطراب ہو نہ سکا
تری نگاہ کی گردش بھی دیکھ لی ہم نے ج جہانِ غم میں کوئی انقلاب ہو نہ سکا
سوالِ شوق و تمنا کا ماحصل معلوم ج کہ لاجواب وہ حاضر جواب ہو نہ سکا
نگاہِ قہر نے ایسی نگاہ بانی کی ج حریمِ ناز میں دل باریاب ہو نہ سکا
نگاہِ مست سے کہہ دو کہ بے خبر سب کی ج خراب ہم ہوئے عالم خراب ہو نہ سکا
جہاں کی خاک اڑائی سکونِ دل کے لئے ج مگر کہیں وہ ہمیں دستیاب ہو نہ سکا
طلوعِ سوزِ محبت نے کیا ترقی کی ج جگر کا داغ اگر آفتاب ہو نہ سکا
پیام بر کی رسائی تو سخت مشکل تھی ج مرا خیال وہاں باریاب ہو نہ سکا

یہ واقعہ ہے کہ طوفان اُٹھانے والوں میں
جناب نوحؔ تمہارا جواب ہو نہ سکا

حسب فرمائش گراموفون کمپنی کلکتہ ۲۷ر جون ۱۹۳۴ء

کیا رسم محبت کا بڑھانا نہیں اچھا
انداز ستم یاد دلانا نہیں اچھا
اے شمع پتنگوں کی طرف خاص کرم ہو
احساس ستم اور ستم ڈھائے گا مجھ پر
دم توڑ رہا ہوں کوئی دم اور بھی ٹھہرو
آجاتے اگر خود ہی تو آجائے کسی پر
پھیر ہی گئے رُخ اپنا وہ مرے دل کی طرف سے
یہ دل میں سما جاتے ہیں آنکھوں میں سما کر
تردیدِ تغافل تو وہ کیا مجھ سے کریں گے
ممکن ہے کہ آتی ہو دوا اِس کی کسی کو
دیکھو جسے وہ اُن کی طرف دیکھ رہا ہے
بے درد کو ہم درد بنانا تو ہے بہتر
آغوش میں رہ کر بھی نظر اُن کی ہے دل پر

اچھی کبھی آنا کہیں جانا نہیں اچھا
شکووں سے مرا باز نہ آنا نہیں اچھا
جلتے ہیں یہ خود اِن کا جلانا نہیں اچھا
بے ہوش رہوں ہوش میں آنا نہیں اچھا
ایسے میں مرے پاس سے جانا نہیں اچھا
بالقصد مگر دل کا لگانا نہیں اچھا
آئینے کو آئینہ دکھانا نہیں اچھا
اچھوں سے نگاہوں کا ملانا نہیں اچھا
اچھا یہی کہہ دیں کہ ستانا نہیں اچھا
آزارِ محبت کا چھپانا نہیں اچھا
اتنا بھی نگاہوں میں سمانا نہیں اچھا
ہم درد کو بے درد بنانا نہیں اچھا
نزدیک سے یہ تیر چلانا نہیں اچھا

طوفان محبت میں اُٹھاتے ہو اُٹھاؤ
اے نوحؔ مگر حشر اٹھانا نہیں اچھا

طبع زاد ۱۰ر جولائی ۱۹۳۴ء

ج

بطورِ یادگارِ زہد مے خانے میں رکھ دینا
کہا تھا اے دلِ نافہم و ناداں تجھ سے کس نے
پسند آئے نہ آئے منحصر ہے یہ طبیعت پر
دوبارہ پھر کسی دن میرے کام آئے گی اے ساقی
کہیں آئیں کہیں جائیں کہیں اُٹھیں کہیں بیٹھیں
چراغِ انجمن اپنی ضیا پھیلانے والا ہے
کہاں ہم ڈھونڈتے تجھ کو پھریں گے اُس گھڑی ساقی
نظر آتے ہیں کچھ انگور مجھ کو اے مرے ساقی

مری ٹوٹی ہوئی توبہ کو پیمانے میں رکھ دینا
خدا خانے کی حرمت کو صنم خانے میں رکھ دینا
کسی کے سامنے دل ہم کو نذرانے میں رکھ دینا
جو مے پینے سے بچ جائے وہ پیمانے میں رکھ دینا
قدم ہر پھر کر اپنا ہم کو بُت خانے میں رکھ دینا
اٹھا کر شعلۂ الفت کو پروانے میں رکھ دینا
صبوحی کے لئے تھوڑی سی پیمانے میں رکھ دینا
لہو توبہ کا اِن کے ایک اِک دانے میں رکھ دینا

خطائے عشق پر کیوں نوح اپنی جان کھو بیٹھے
رقم اتنی بڑی اور اس کو جرمانے میں رکھ دینا

طبع زاد ۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۲ء

ج

عشق میں مجھ کو بگڑ کر اب سنورنا آگیا
ہوگیا ناکام لیکن کام کرنا آگیا

یہ اگر سچ ہے کہ مجھ کو عشق کرنا آگیا
تو سمجھ لو روز جینا روز مرنا آگیا

دعوئ عشق و وفا پر مجھ کو مرنا آگیا
کھ گذرنے کی جگہ اب کر گزرنا آگیا

درطۂ دریائے غم نے ایسے غوطے دے دیئے
ڈوبنا پھر ڈوب کر مجھ کو ابھرنا آگیا

زندگی سے اور تو کچھ فائدہ پہنچا نہیں
بس یہی جینے کا حاصل تھا کہ مرنا آگیا

چند خون آلودہ آنسو جذبِ دامن ہوگئے
پیکرِ سادہ میں غم کو رنگ بھرنا آگیا

شیوۂ عشق و وفا میں ہم کو ناکامی سہی
کم سے کم یہ تو ہوا بے موت مرنا آگیا

شوق سے ظلم و ستم اب روز ڈھاتے جائیے
اہلِ غم کو غم اٹھا کر غم نہ کرنا آگیا

کچھ تو ہم کچھ توقع کچھ الم کچھ انبساط
عشق کر کے مجھ کو جینا اور مرنا آگیا

کثرتِ آزار نے تعلیم دے دی ضبط کی
جبر کے باعث سے دل کو صبر کرنا آگیا

اشک آنکھوں میں پہنچ کر دل میں پھر واپس گئے
یوں سمجھ میں چڑھتے دریا کا اترنا آگیا

کم سے کم تھا اک طرح کا آسرا اقرار تک
لیکن اُن کو صاف اب انکار کرنا آگیا

رہ گذر سے عشق کی میں آج تک گذرا نہیں
کس طرح کہہ دوں مجھے جی سے گذرنا آگیا

حسن کی نخوت نے پہنچایا اُڑا کر عرش تک
اب تو پریوں کا بھی تم کو پر کترنا آگیا

بحرِ ذوق و شوق میں یہ بھی غنیمت جانیے
نوح کو طوفان اُٹھا کر غرق کرنا آگیا

۶ر نومبر ۱۹۳۴ء

ج

عشق میں غم کے سوا کیا مجھ کو حاصل ہوگیا
دل اِدھر آیا اُدھر آیا گیا دل ہوگیا

روزِ اوّل ہی ظہورِ عشق کامل ہوگیا
خون کے دو چار قطرے جم گئے دل ہوگیا

ہجر کی شب کا گذرنا سخت مشکل ہوگیا
ایک اِک تارا مرا ڈوبا ہوا دل ہوگیا

عشق اُن سے کر کے غم سہنے کے قابل ہوگیا
پہلے دل ہی دل تھا اب دل بن گیا دل ہوگیا

پھول بننے بھی نہ پایا چھا گئی پژمردگی
تم نے جس غنچے کو دیکھا وہ مرا دل ہوگیا

ہم نے کیا دیکھا یہ دیکھا اُن کا جلوہ دیکھ کر
مبتلائے درد و غم اچھا بھلا دل ہوگیا

میں کہوں میرا ہے تو اس کو نہ مانے گا کوئی
آپ کی مٹھی میں جا کر آپ کا دل ہوگیا

وہ نگاہِ ناز سے دیکھیں نہ دیکھیں غم نہیں
تیر اتنے آ گئے ترکش مرا دل ہو گیا

چار راتیں چار دن اور اِس قدر تبدیلیاں
دوسرے تم ہو گئے اب دوسرا دل ہو گیا

اور کیا اُن کو دکھاتی چشمِ تر اعجازِ عشق
جو گرا آنسو وہی اپنی جگہ دل ہو گیا

تیرے کوچے سے اُڑے تھے چند ذرّے خاک کے
بن گیا کوئی جگر اُن میں کوئی دل ہو گیا

اللہ اللہ اُس کماں کش کا یہ اندازِ کمال
تیر ابھی آیا نہیں زخمی مرا دل ہو گیا

حسن کا جلوہ دکھاتا اور کیا اپنا اثر
ابر میں بجلی بنا آغوش میں دل ہو گیا

کثرتِ غم نے ہوا باندھی یہ کوئے یار میں
منتشر ایک ایک میرا ذرّہ دل ہو گیا

میں اِسے جادو سمجھ لوں یا کرامت آپ کی
کہہ دیا جس گُل کو دل ہو جائے وہ دل ہو گیا

رکھ دیا بہرِ تسلّی آپ نے دل پر جو ہاتھ
میں یہی سمجھا کہ پیدا دوسرا دل ہو گیا

سیکڑوں طوفان اُٹھیں گے عشق میں تو ڈر نہیں
نوح کا دل بھی جنابِ نوح کا دل ہو گیا

۱۷ر نومبر ۱۹۳۴ء

ج

کیوں کہا آزارِ شوقِ جان دہی دل پر اُٹھا
سامنے آ امتحاں لے رُخ بدل خنجر اُٹھا

چھوڑ کر طرزِ تغافل تیغ لے خنجر اُٹھا
تو نہ مجھ سے ہاتھ اُٹھا تو ہاتھ اب مجھ پر اُٹھا

ظلم کا شکوہ بھی کرنا عشق میں ہے ننگِ عشق
اُٹھ سکے تجھ سے جہاں تک اے دلِ مضطر اُٹھا

ہم جو پہنچے میکدے میں تو ہوا یہ احترام
بندگی کو خُم جھکا تعظیم کو خنجر اُٹھا

عذر کرتا تھا فلک انکار کرتی تھیں زمیں
مجھ کو حیرت ہے کہ دل سے بارِ غم کیوں کر اُٹھا

چار حرفِ آرزو پر چار حکم اُس نے دیئے
دور ہو گھر سے نکل اب جلد اُٹھ بستر اُٹھا

کیوں نہ ہوگا پار بیڑا دل میں ہمت چاہیئے
ناخدا لے کر خدا کا نام تو لنگر اُٹھا

قتل گہ میں حسرتیں دونوں کی نکلیں ایک ساتھ
میں اِدھر گردن جھکاؤں تو اُدھر خنجر اُٹھا

عشق جیسی چیز کی توقیر کرائے بوالہوس
اس کا صدمہ جان پر دل پر کلیجے پر اُٹھا

آسماں ٹکرائے یا وسعت زمیں کی تنگ ہو
تو نہ اِتنا پاؤں پھیلا تو نہ اِتنا سر اُٹھا

ہم نے دیکھا یہ ہزاروں بار بزمِ یار میں
آرزو لے کر جو بیٹھا داغِ دل لے کر اُٹھا

دیکھ ساقی گُل کھلے غنچے ہنسے رُت پھر گئی
جلد اب ساغر اُٹھا ساغر اُٹھا ساغر اُٹھا

آستانِ یار سے چھٹنے کا صدمہ کیا کہوں
میں اُٹھا اُٹھنے کو اُس در سے مگر مر کر اُٹھا

قتل اس حیرت نے قبل از قتل کر ڈالا ہمیں
دستِ نازک سے تمھارے کس طرح خنجر اُٹھا

اضطرابِ شوق سے راہِ طلب میں تھا یہ حال
بارہا اُٹھ کر گرا میں بارہا گر کر اُٹھا

دشمنِ رفعت ہے گردش اس کی اے رفعت پسند
آسماں کو پہلے سر پر دیکھ لے پھر سر اُٹھا

مے کدے میں بادہ کش بیٹھے تھے جیسے منتظر
اُس طرف بدلی اُٹھی اور اِس طرف ساغر اُٹھا

اللہ اللہ کیا محبت کی کشش سجدے میں تھی
سر اُٹھا تو میرے سر کے ساتھ سنگِ در اُٹھا

دیکھئے اب کیا دکھائے جوشِ بحرِ آرزو
خیر ہو پھر نوح کا طوفانِ چشمِ تر اُٹھا

مبارک شاخِ غم کو نخلِ کوہِ طور ہو جانا

اس طرح پر ۸ فروری ۳۵ء کو مشاعرہ ہونے والا تھا لیکن ملتوی ہو گیا پھر کسی تاریخ میں ہوا لیکن میں شریک ہو سکا

وفا و مہر کے بعد آپ کا مغرور ہو جانا
مناسب ہے انھیں عشق و وفا سے دور ہو جانا

نہ بھولا ہے نہ بھولے گا مجھے مسرور ہو جانا
ترا مجبور کر دینا مرا مجبور ہو جانا

اثر اُلٹا دکھایا چارۂ آزارِ الفت نے
مرے زخمِ جگر کا زخم سے ناسور ہو جانا

دکھائے پانچ عالم اک پیامِ شوق نے مجھ کو
اُلجھنا روٹھنا لڑنا بگڑنا دور ہو جانا

دیا یہ حکم اُن کو حسن دے کر دینے والے نے
چمکنا اس قدر رشکِ چراغِ طور ہو جانا

نہیں یہ گردشِ قسمت مسافر کی تو پھر کیا ہے
بھٹک کر منزلِ مقصد سے کوسوں دور ہو جانا

تغافل سے تو یہ طرزِ ستم پھر بھی غنیمت ہے
مجھے مغموم کر کے آپ کا مسرور ہو جانا

نشاط و عیش و عشرت نے نہ دیکھا پھر مجھے مڑ کر
کسی کا دور ہو جانا تھا سب کا دور ہو جانا

دوبالا کر گیا آزار کو غم کو مصیبت کو
مری عرضِ مکرر کا بھی نامنظور ہو جانا

خراشِ ناخنِ غم پر یہ تاکیدِ محبت ہے
کہ پہلے زخم بننا بعد کو ناسور ہو جانا

زمانے کی دو رنگی میں نشاط و رنج شامل ہیں
مری تاریک شب کا صبح دم کافور ہو جانا

جہاں بدلی اُٹھی رندوں کو سوجھی بزم آرائی
بہم مل جل کر اُن کا خوشۂ انگور ہو جانا

یہ دُہری مجھ پر آپ کیوں بیداد کرتے ہیں
نظر سے دور رکھنا خود بھی دل سے دور ہو جانا

جہانِ حسن میں شہرت تمھاری لے اُڑی تم کو
پری تو بن گئے اب رہ گیا بس حور ہو جانا

ج

یہ ایسا ہے کہ جیسے پاس ہو کر دور ہو جانا
نہ ہو قسمت میں جن کی سرمد و منصور ہو جانا

کسی کا پاس آنا اور غم کا دور ہو جانا
پھر اس کا رفتہ رفتہ مستقل دستور ہو جانا

جناب نوح بحرِ غم میں طوفانی علامت ہے
یہ ساحل سے مرے بیڑے کا بہ کر دور ہو جانا

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

اس طرح پر ۱۶ فروری ۱۹۳۶ء کو شاہجہاں پور میں مشاعرہ ہوا لیکن میں علالت کے سبب سے شریک نہ ہو سکا

ج

غم اس قدر ملے کسی قابل نہیں رہا
دل تو رہا مگر وہ مرا دل نہیں رہا

کیا مبتلائے عشق مرا دل نہیں رہا
ہاں ہاں رہا مگر متحمل نہیں رہا

ہر دم کی آہ آہ سے زحمت میں جان تھی
اچھا ہوا کہ درد بھرا دل نہیں رہا

انکارِ قتل اس نے کیا اس ادا کے ساتھ
قاتل مری نگاہ میں قاتل نہیں رہا

اللہ ری کشش کسی برقِ نگاہ کی
جب سامنا ہوا تو مرا دل نہیں رہا

اسرارِ عشق آگئے دل سے زبان پر
میں اس کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا

عہدِ وفا زباں سے ہزار آپ کیجئے
دل کی تو بات یہ ہے کہ وہ دل نہیں رہا

تیغ نگاہِ ناز سے سب ہو گئے ہلاک
اب مطمئن رہو کوئی بسمل نہیں رہا

دستِ جنوں کو قیس کے بڑھنے تو دیجئے
سن لیجئے گا پردۂ محمل نہیں رہا

دریائے ذوق و شوق میں ایسا تھا مد و جزر
اپنے مقام پر کبھی ساحل نہیں رہا

دنیا میں ہر مکیں کو ضرورت مکاں کی ہے
حسرت رہے تو کیا رہے جب دل نہیں رہا

کوسوں و فورِ شوق میں آگے نکل گئے
ہم کو خیالِ جادہ و منزل نہیں رہا

امواجِ بحرِ غم کے مناظر تھے سامنے
میری نگاہ میں کبھی ساحل نہیں رہا

یہ جھوٹ ہے وہ مجھ کو فراموش کر گئے
یہ سچ ہے میں ہی قابلِ محفل نہیں رہا

اے نوح کیا غضب تھا وہ طوفانِ بحرِ شوق
مڑ کر جو کی نگاہ تو ساحل نہیں رہا

طبع زاد ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء

میرے گھر کو دلھن بنائے جا
ساتویں آٹھویں دن آئے جا

کام کے وقت کام آئے جا
میری بگڑی ہوئی بنائے جا

تجھ کو دل یہ صلاح دیتا ہے
وہ نہ آئیں مگر بلائے جا

کچھ توجہ ہو کچھ تغافل ہو
کچھ ہنسائے جا کچھ رلائے جا

کون کیسا ہے کون کتنا ہے
اہل الفت کو آزمائے جا

لطف پینے کا یہ ہے اے ساقی
میں پئے جاؤں تو پلائے جا

اپنا جلوہ نہ تو دکھا مجھ کو
اپنی آواز ہی سنائے جا

تجھ کو ہے اپنے ظلم ہی کی قسم
ظلم ڈھایا تو ظلم ڈھائے جا

کون کہتا ہے اے دل خوددار
ان کی محفل میں بے بلائے جا

غنچۂ آرزو ہے کھلنے پر
مسکرائے جا مسکرائے جا

انقلابِ خیال زندہ باد | اِک نہ اِک رنگ روز لائے جا

عشق میں لطف کیا بغیر اس کے
نوحؔ طوفانِ اشک اٹھائے جا

حسب فرمائش جناب مائل صاحب انہالوی ۲۷ر اپریل ۱۹۳۶ء

باقی نہ رہ گیا اثر جوشِ نقشِ پا[1]
راہِ طلب میں ایسے اُڑے ہوش نقشِ پا

آئے جو ہاتھ ساغرِ سر جوشِ نقشِ پا
کیوں اُس گلی میں ہم نہ ہوں مدہوشِ نقشِ پا

چلتا ہوں مثلِ بادِ سحر کوئے یار میں
ہوں فرطِ لاغری سے سُبک دوشِ نقشِ پا

باہر قدم پڑے نہ حدودِ نیاز سے
اے سالکانِ عشق رہے ہوشِ نقشِ پا

شوقِ خرام خاک میں سب کو ملائے گی
دیتے ہیں یہ خبر لبِ خاموشِ نقشِ پا

اُفتادگانِ غم کو تکلف نہیں پسند
ہے صرف خاک زینتِ آغوشِ نقشِ پا

کیا رہ روانِ عشق کہیں رازِ رہ روی
خاموش کر گئے لبِ خاموشِ نقشِ پا

ہم خاک اگر ہوں تو ہمیں حاصل ہو یہ شرف
ہاتھ آئے کوئے یار میں آغوشِ نقشِ پا

اپنی جگہ سے کوئی اُٹھے بھی تو کیا اُٹھے
پامالِ غم ہے محفلِ خاموشِ نقشِ پا

راہِ وفا میں نوحؔ جو طوفاں اُٹھائیں ہم
قائم نہ رہ سکے اثرِ جوشِ نقشِ پا

طبع زاد ۲۸ر مئی ۱۹۳۷ء

محبت میں ہو کر شریکِ تمنا خبر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا
نشاں میرے دل کا اثر میرے غم کا خبر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا

یکایک طبیعت میں آئی کچھ ایسی کہ تیروں کو دل میں یہ کہہ کر جگہ دی
سلامت رہو اے خبر لینے والو خبر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا

دئے جھوٹے اکثر ہزاروں دلاسے اُڑایا مرے دل کو ناز و ادا سے
جگر ہی جگر رہ گیا صرف باقی جگر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا

ہوا مشکلوں سے یہ موقع میسر اِدھر آؤ بیٹھو سنو جی لگا کر
وفا و محبت میں آزار و غم کا اثر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا

مریضِ محبت کے دم پر بنی ہے حیات و اجل میں لڑائی ٹھنی ہے
یہ مانا کہ صحت کا ذمّہ نہ لو گے مگر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا

ستایا بہت کچھ دبایا بہت کچھ محبت میں مجھ کو مٹایا بہت کچھ
فلک سے فلک کی جفاؤں کا بدلہ اگر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا

خوشی ہو مسرت ہو راحت ہو مجھ کو الم ہو قلق ہو مصیبت ہو کچھ ہو
تمھیں میرے مونس تمھیں میرے حامی اثر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا

جو ہم عرض کرتے خطا تھی ہماری کہ تھی اک طرح کی بڑی ذمہ داری
جگر خود یہ کہتا ہے میں ہوں تمھارا جگر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا

وفا و محبت سے اغماض بالکل کہاں تک ستم ڈھانے والا تغافل
خبردار ہو کر ہماری خبر لو خبر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا

محبت کے آداب دیکھے نرالے ہوئے کام سب وقت پر ہونے والے
کہا میں نے کب تم مری جان لے لو مگر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا

[1] اس زمین میں تو ان اضافت سے حضرت داغ رح بھی بہت نہ بچ سکے

تمناکار ہنا مرے دل میں گھٹ کر فغاں کا پہنچا سرِ بزم لُٹ کر
مرے دل کی جانب نگاہیں اُٹھاؤ توجہ کرو اور غیرت بڑھاؤ
تمھاری ہی محفل میں چھپلی تھی رحمت تمھاری ہی محفل میں آ کے گی آفت
نگاہِ طلب کیوں ہے صرف دل تک آپ کیسا تو ہم یہ کس واسطے شک
کبھی داستانِ محبت سنو گے کبھی شکوۂ ظلم پر سر دُھنو گے
کوئی واقفِ رسم و راہِ وفا بھی کوئی غافلِ تیرِ بیم و رجا بھی

یہ کیا کچھ رہے ہو اثر ہم نہ لیں گے اثر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا
نہ گاہک نہ اس کا طلبگار کوئی اگر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا
اگر تم نہ لیتے تو پھر کون لیتا اثر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا
ہمارا جگر بھی تمھارا جگر ہے جگر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا
مری ایک اِک زود اثر گفتگو کا اثر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا
اِدھر باخبر کی اُدھر بےخبر کی خبر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا

محبت میں طوفان ایسے اٹھائے کہ دنیائے حسرت نے بھی غوطے کھائے
کبھی امتحاں نوح کے جوشِ غم کا اگر تم نہ لو گے تو پھر کون لے گا

کچھ نہ ہوگا فقط اک نام خدا کا ہوگا

اس طرح پر درگاہ حضرت سید شاہ ارزاں صاحب رح پٹنہ میں ۷ ار ستمبر ۱۹۳۷ء کو زیر انتظام جناب سید شاہ حامد حسین صاحب حامد سجادہ نشین مشاعرہ ہوا مقامی شعرا میں سے علاوہ ڈاکٹر مبارک صاحب سب لوگ رہے نشست ۹ بجے رات سے شروع ہو کر ۵ بجے صبح ختم ہوئی

آپ کہتے ہیں قیامت میں تماشا ہوگا
فطرتاً تو دلِ خود دار نہ ایسا ہوگا
عیشِ امروز میں شامل غمِ فردا ہوگا
حُسن پر ظلم کے شکووں کا اثر کیا ہوگا
پاس بیٹھا ہے مگر مجھ کو پریشانی ہے
آپ تو اپنی جفاؤں سے نہ رکھیں محروم
دردمندانِ محبت نے یہ رکھی ہے شناخت
مختصر روزِ جزا قصۂ غم نا محدود
جب اُنھیں قدر نہیں ذوق نہیں عشق نہیں
ہم دکھا دیں گے تمھیں عشق و وفا کی تاثیر
تابِ نظارۂ محبوب ہنسی کھیل نہ تھی
حشر کا نام سنا جس کی زباں سے تم نے
سیکڑوں ظالم و مظلوم نظر آئیں گے
سوچ جابوں میں نہ دیکھے گی نظر دیکھے گی
لے چلا مجھ کو حقیقت کی طرف عشقِ مجاز

ج

وقت وہ ہوگا کوئی بھی نہ کسی کا ہوگا
تم تماشا جو بناؤ گے تماشا ہوگا
کیا خبر تھی اِدھر ایسا اُدھر ایسا ہوگا
بلکہ ہوگا یہی خود عشق ہی رسوا ہوگا
وہ جدا ہوگا تو معلوم نہیں کیا ہوگا
خیر جو کچھ مری تقدیر میں ہوگا ہوگا
جس سے ہوگی ہمیں صحت وہ مسیحا ہوگا
وہ ہے معلوم ہمیں حشر جو دل کا ہوگا
لے تو وہ لیں دلِ مضطر کو مگر کیا ہوگا
حسنِ مختار بھی مجبورِ تمنا ہوگا
ہم اُسے دیکھیں گے جس نے اُسے دیکھا ہوگا
کیوں نہ پوچھا یہ اُسی سے کہ وہاں کیا ہوگا
حشر کا حشر تماشا کا تماشا ہوگا
تم یہ کیا کہتے ہو ایسا تو نہ ہوگا ہوگا
اُس کے بندے ہیں جب ایسے تو وہ کیسا ہوگا

عشق کا راز چھپانے سے چھپے کیا ممکن / اس کے معنی یہ ہوئے حسن بھی رسوا ہوگا
دل کو تم شوق سے لے جاؤ مگر یاد رہے / یہ نہ میرا نہ تمھارا نہ کسی کا ہوگا
ہم نہ کچھ منہ سے کہیں گے وہ سمجھ جائیں گے / اس طرح نزع میں اظہارِ تمنا ہوگا
دے دے مے خانے کا مے خانہ بلانوشوں کو / گھونٹ دو گھونٹ سے اے پیرِ مغاں کیا ہوگا

سیکڑوں ڈوب گئے بہ بھی گئے مر بھی گئے / آپ نے نوح کا طوفان تو دیکھا ہوگا

جو گرا آنکھوں سے آنسو حسن کا دریا ہوا

اس طرح پر ایک مشاعرہ پہلے بھی جناب آغا علی خاں صاحب الہ آباد میں کر چکے تھے پھر دوسرا مشاعرہ اسی زمین پر ۹ راپریل ۱۹۳۶ء کو سکندر آباد ضلع بلند شہر میں ہوا مقامی شعرا کے علاوہ حضرت ساحر زار دہلوی منور لکھنوی قمر بدایونی آزاد انصاری دعا ڈبائیوی صوفی میرٹھی زیبا ناروی فدا گلاؤٹھوی حسب اصرار مفتون و کوثر صاحبان شریک مشاعرہ ہوئے اور قبل آغاز مشاعرہ تصویر کھینچی گئی جو سب کو دی گئی

ج

یہ نیا اغماض اور انداز میں پیدا ہوا / حشر بھی اٹھا مگر تم نے نہ پوچھا کیا ہوا
پھر رہا ہوں در بدر میں ٹھوکریں کھاتا ہوا / وہ بھی کیا ساعت تھی سر جب مائلِ سودا ہوا
میں نشاط و عیش پا کر غم سے بے پروا ہوا / کام قدرت نے بنایا نام قسمت کا ہوا
اور کیا ہوتا اگر بڑھتا ہمارا جوشِ اشک / اے خیالِ ضبطِ غم گھٹ کر تو یہ دریا ہوا
جان دے دی سر پٹک کر آستانِ یار پر / اِس طرح یہ پورا مری تقدیر کا لکھا ہوا
روح آئی میرے تن میں لے کر اپنے ساتھ عشق / اِس طرف پیدا ہوا میں اُس طرف شیدا ہوا
دیکھنا دریائے غم میں وہ مرا دل تو نہیں / اک سفینہ پھر رہا ہے ہر طرف بہتا ہوا
جو گرے دامن پر اشکِ سُرخ وہ گلشن بنے / جو اُڑا ذرہ مرے قدموں سے وہ صحرا ہوا
تم یہی کہہ دو ہمارے شکوۂ بیداد پر / صبر کر جو کچھ تری قسمت میں ہونا تھا ہوا
درد و غم نے دی بشارت یاس و حرماں نے نوید / اللہ اللہ عشق بھی کس حسن سے پیدا ہوا
تعزیت کو بھی نہ وہ آئے مرے مرنے کے بعد / جان دے دی جان دے دینے کا حاصل کیا ہوا
کیا اثر رکھتی تھی حسن و عشق کی پہلی کرن / وہ بنے برقِ تجلّی دل مرا موسےٰ ہوا
رہ روِ عشق و وفا کا روکنے والا تھا کون / بڑھ گیا آگے حدودِ غم کو ٹھکراتا ہوا
جس قدر تھی کشمکش مجھ کو مٹی وہ بعدِ قتل / ناخنِ شمشیر سے ہستی کا عقدہ وا ہوا
چار دن کی زندگی میں کچھ دنوں کی عمر میں / کیا بتاؤں کیا کہوں کیا کیا کیا کیا کیا ہوا
ہم نے اُن کو دیکھ کر محشر میں کیوں فریاد کی / عشق تو بدنام تھا ہی حسن بھی رسوا ہوا

بالیقیں نالہ نکل کر دل سے پہنچا عرش تک		دیکھتا ہوں اک پھریرا آج لہراتا ہوا

اس طرح جیسے اُنھیں اے نوحؔ آگاہی نہیں
پوچھتے ہیں حشر کیا طوفان و کشتی کا ہوا

ولہٗ

حشر مدت سے اسی حسرت میں تھا کھویا ہوا	ج	دو قدم چلنے نہ پائے تم کہ وہ برپا ہوا
ہر بشر ناپید ہونے کے لئے پیدا ہوا		زندگی سب کو ملی لیکن نتیجہ کیا ہوا
چشم بدبیں دیکھ سکتی کس طرح میرا عروج		ہیں بُرا دنیا سے ٹھہرا یہ بہت اچھا ہوا
گر پڑے تھے جو مری آنکھوں سے ذکرِ حسن پر		نام اُنھیں چند آنسوؤں کا عشق میں دریا ہوا
کیا کروں میں دل سے آہیں دل میں اتنا دم نہیں		وہ صدا دے کس طرح جو ساز ہو ٹوٹا ہوا
راہِ الفت ہم نے کن دشواریوں سے ختم کی		ایک اِک ذرہ یہاں اپنی جگہ صحرا ہوا
آخر آخر مٹ گئے سب ولولے سب حوصلے		اوّل اوّل عشق میں ایسا ہوا ویسا ہوا
میں ہوا بیمار تم نے جب کہا بیمار ہو		اور جب تم نے کہا اچھا ہو میں اچھا ہوا
خاک اُڑا کر قیس نے جب دل سے کوئی آہ کی		نجد کا اِک اِک بگولہ محملِ لیلےٰ ہوا
یہ بھی تجھ سے پوچھنا ہے داخلِ ترکِ ادب		کیوں ہوا ایسا نہ یارب اور کیوں ایسا ہوا
اس طرح وہ پوچھتے ہیں مجھ سے میرا حالِ دل		پھر بتاؤ پھر کہو ہاں کیا کہا ہاں کیا ہوا
حسرت اُن پر جن کو فکرِ شانِ خود داری ہوئی		آفریں اُس کو جو کوئے عشق میں رسوا ہوا
دردِ دل پر منحصر تھی آرزو کی زندگی		ہم نہ اچھے ہو سکے یہ بھی بہت اچھا ہوا
خاک اُڑانے کی حقیقت اے جنوں مجھ سے نہ پوچھ		میں نے جس ذرّے کو وسعت دی وہی صحرا ہوا

نوحؔ طوفانِ حوادث نے کیا یہ دل کا حال
پیش تر صحرا ہوا صحرا سے پھر دریا ہوا

وہ کون تھا جو خرابات میں خراب تھا

۲۳؍ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو اس طرح پر مچھلی شہر ضلع جون پور میں مشاعرہ ہوا لیکن مجھے شرکت سے معذوری ہوئی

یہ کیا تھا داغ محبت جو کامیاب نہ تھا	ج	جہاں میں دھوپ تھی گردوں پر آفتاب نہ تھا
کھلی جو آنکھ تو اگلا سا اضطراب نہ تھا		وہ ایک خواب تھا گویا مرا شباب نہ تھا
کسی کے حسنِ جہاں سوز کا جواب نہ تھا		ہوئی یہ خیر جو نزدیک آفتاب نہ تھا
تمھارے حسن کے نزدیک کامیاب نہ تھا		مری نگاہ میں ذرّہ تھا آفتاب نہ تھا
تلاش کرتے رہے دل کو بزمِ یار میں ہم		وہاں سب اور تھے یہ خانماں خراب نہ تھا

وہ چار دن کو جو آئے تو پھر چلے بھی گئے
یہ اک طرح کا تغیر تھا انقلاب نہ تھا

وفورِ شوق میں ہم عرض حال کیا کرتے
وہاں کسی کی کسی بات کا جواب نہ تھا

دلِ حزیں کو نظر سے گرا دیا تم نے
خراب تھا مگر اتنا بھی اب خراب نہ تھا

کمالِ عشق و وفا لے گیا وہاں مجھ کو
جہاں کسی کا تصور بھی باریاب نہ تھا

وہ چل دیے تو بڑھی اور بے قراریٔ شوق
وہ آگئے تو مرے دل کو اضطراب نہ تھا

کبھی چھپے کبھی نظروں کے سامنے آئے
ابھی حجاب تھا اُن کو ابھی حجاب نہ تھا

یہ دیکھتا ہوں وہ آئے ہیں اور بیٹھے ہیں
مرے خیال میں بھی اِس طرح کا خواب نہ تھا

مرے کمال کو مے خوار جانچتے تو کبھی
کہ مست تھا مگر آلودۂ شراب نہ تھا

فرشتے رہ گئے محشر میں دیکھ کر مجھ کو
ہوئی جو جانچ تو با قاعدہ حساب نہ تھا

ملے جو رنج والم مجھ کو یہ نصیب کی بات
کسی کا عشق تو فی نفسہٖ خراب نہ تھا

وقار بادۂ کوثر کو جانتا کیوں کر
ہزار شکر کہ میں تارکِ شراب نہ تھا

خدا سے حشر میں ہم کیا شکایتیں کرتے
وہ تربیت غمِ الفت کی تھی عتاب نہ تھا

کوئی سبب تو بتاؤ یہ کیا کہا تم نے
جناب نوح کا طوفان کام یاب نہ تھا

ذیل کی ردیف و قوافی میں رائے بریلی کا سالانہ مشاعرہ ہوا لیکن مجھے شرکت سے معذوری رہی

دونوں گھروں کا لطف جداگانہ مل گیا
کعبے سے ہم چلے تھے کہ بت خانہ مل گیا

ساقی سے یوں ثبوت کرم پیمانہ مل گیا
پیمانہ میں نے مانگا تھا مے خانہ مل گیا

دل کیوں نہ ہم فروخت کریں اس یقین پر
قیمت بھی اب ملے گی جو بیعانہ مل گیا

ساقی کی چشمِ مست اِدھر آج اُٹھ گئی
ہم کو ہمارے ظرف کا پیمانہ مل گیا

کرنی پڑی نہ اور کہیں جستجو مجھے
کعبے ہی کے حدود میں بت خانہ مل گیا

محشر میں دیکھ کر اُنھیں یوں شاد ہو گئے
گویا ہمیں نجات کا پروانہ مل گیا

مل کر بھی جل گیا کہ بچا یہ نہ پوچھیے
اِتنا ہوا کہ شمع سے پروانہ مل گیا

اب در بدر کی ٹھوکریں کھانے سے کیا غرض
مجھ کو خدائے کعبہ و بت خانہ مل گیا

اللہ رے چشمِ ساقیِ محفل کا لطفِ خاص
سب یوں ہی رہ گئے مجھے پیمانہ مل گیا

وہ خط میں لکھ رہے ہیں تری عافیت نہیں
مجھ کو عدم کی راہ کا پروانہ مل گیا

اے سالکانِ جادۂ عرفاں بڑھے چلو
بت خانہ مل گیا تو خدا خانہ مل گیا

توقیر عشق خاک اُڑانے سے بڑھ گئی
یہ ہے غلط کہ خاک میں دیوانہ مل گیا

پائے عروج کیوں نہ ہماری فروتنی — پھولا پھلا وہ خاک میں جو دانہ مل گیا
جوشِ جنوں کے واسطے اب کچھ نہ چاہئے — ویرانے کی تلاش تھی ویرانہ مل گیا
پیمانہ و سبو کی ضرورت نہیں رہی — مجھ کو مزاجِ ساقیِ مے خانہ مل گیا
مرقد سے کشتگانِ محبت نکل چکے — اب حشر تک کے واسطے کاشانہ مل گیا
معلوم ہم نے کر لئے اسرارِ حسن و عشق — تقدیر سے اگر کوئی دیوانہ مل گیا
رکھ لی خدائے عشق نے جوشِ جنوں کی شرم — گھر سے نکلتے ہی مجھے ویرانہ مل گیا

وہ کہہ گئے کہ پھر کوئی طوفان اٹھائیے
اے نوح مجھ کو شغلِ قدیمانہ مل گیا

مشکل کو سہل سہل کو مشکل بنادیا

۲۵ر دسمبر ۱۹۴۲ء کو اس طرح پر اسلامیہ ہائی اسکول جبل پور میں عظیم الشان مشاعرہ ہوا مجھے بھی عزیزی مجید خاں صاحب قادری خویش مرزا احمد جان صاحب الہ آبادی کے اصرار سے شریک ہونا پڑا مقامی شعرا کے علاوہ حیدر صاحب دہلوی۔ سید تجمل حسین صاحب جوہر ڈبائیوی الہ آباد سے جدت صاحب و حدت صاحب۔ شیدا صاحب نے شرکت کی۔ عزیز صاحب سلونی بھی دوران مشاعرہ میں پہنچ گئے تھے شروع سے آخر تک جناب کمشنر صاحب بھی رونق افروز رہے بعد ختم مشاعرہ تین روز تک مجھے قادری صاحب کا مہمان رہنا پڑا چوں کہ مرزا احمد جان صاحب بھی ساتھ تھے اس سبب سے بڑا لطف رہا قریب تمام دن رات شعر خوانی ہوتی رہی اور ہر وقت شعرا کا مجمع رہتا تھا قادری صاحب نے دعوت کے اہتمام میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا چار وقت پر تکلف کھانے سامنے آتے تھے آخری دن یہاں کے مشہور مقامات یعنی بھیڑا گھاٹ وغیرہ کی سیر ہوئی یہ ایک آبشار ہے بلندی سے پانی نشیب میں بڑے زور سے گرتا ہے واپسی میں کار کے بے کار ہو جانے سے ہم ا میں سب لوگوں کو پیدل چلنا پڑا اس موقع پر سب سے زیادہ تعجب قادری صاحب کی چھوٹی بچی پر آتا ہے کہ اس نے بھی نو دس سال کی عمر میں اتنا لمبا سفر پیدل ہی ہم لوگوں کے ساتھ طے کیا الہ آباد واپس ہونے کے وقت میری وہ بیاض چوری گئی جس میں ۳۰۰ غزلیں اور ۱۰۰ نظمیں تھیں تلاش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا لیکن نہ ملی قادری صاحب نے اس کا اثر بہت کچھ لیا لیکن اُن کو یہ رنج فضول ہے کیوں کہ اُس کو جانا ہی تھا تو میرے پاس سے بھی گم ہو جاتی کچھ دنوں کے بعد مل گئی

ج (بقیہ سلسلہ قافیہ)

یہ غم ہمیں تھا کیوں متحمل بنادیا — دل کی تڑپ نے دل کو مگر دل بنادیا
ناکامیِ حصول نے حاصل بنادیا — اُبھرا جو دل سے داغ اُسے دل بنادیا
برقِ نگاہِ ناز نے کامل بنادیا — جس شے میں کچھ تڑپ تھی اُسے دل بنادیا
دیکھا تڑپ یہ پرتو حسن و جمال میں — ہر آئینے کو آئینۂ دل بنادیا
پہلو نہ کیوں نثار ہو پیکانِ یار پر — خالی پڑی ہوئی تھی جگہ دل بنادیا
رنج و غم و الم بھی نہ بیکار جا سکے — قدرت نے جمع کر کے اُنھیں دل بنادیا
بدلا نظامِ حسنِ چمن کو بھی آپ نے — جس پھول پر نگاہ پڑی دل بنادیا
رنج و الم سے مل گئے آزار و اضطراب — اِن چار عنصروں نے مرا دل بنادیا

ترسیم حسن و عشق پہ کیا حسبِ حال تھی
اچھا ہوا جو غم کی جگہ دل بنا دیا

میرے خیال میں یہ بڑی چوک ہو گئی
بننا تھا جس کو روح اُسے دل بنا دیا

یہ دل دہی بھی خوب رہی دل بری کے ساتھ
پیکاں کو اُس نے دل کی جگہ دل بنا دیا

جس کائناتِ عشق میں تھا رازِ مرگ و زیست
غم نے گھٹا بڑھا کر اُسے دل بنا دیا

تخلیقِ اضطراب میں زحمت نہیں ہوئی
بجلی گلائی اور مرا دل بنا دیا

قربان کیوں نہ عشق نوازی کے جائیے
اِس نے جگر کو بھی ہمہ تن دل بنا دیا

بھاری ہیں عز و جاہ میں دونوں جہاں پر
وہ دو حروف جن سے مرا دل بنا دیا

نقشِ قدم ہی پر نہیں موقوف یہ کمال
چاہا جہاں کسی نے وہیں دل بنا دیا

اے نوح کیا یہ معجزۂ شاعری نہیں
ہر قافیے کو ہم نے نیا دل بنا دیا

حسب فرمائش آزاد انصاری صاحب

ج

سرحدِ حسن سے نکل حلقۂ عشق اثر میں آ
دل کی نظر کو دیکھ کر دل میں سما نظر میں آ

تیرِ ادا تجھے قسم تیغِ نگاہِ ناز کی
شوقِ دل و جگر کو دیکھ جلد دل و جگر میں آ

شرم و حیا کو دور رکھ حسن کو بے نقاب کر
پردۂ رخ اٹھا بھی دے دل ہی نہیں نظر میں آ

کب سے ترا ہوں منتظر خوب نہیں یہ اجتناب
اے اثرِ وفا و عشق نالۂ بے اثر میں آ

خانہ خرابیوں کے ساتھ خاک اُڑا رہا ہوں میں
تو بھی حریمِ حسن سے عشق کی رہ گذر میں آ

پردۂ حسن جان کر گردشِ روزگار کو
شام میں آ سحر میں آ شمس میں آ قمر میں آ

صورتِ اشکِ آرزو دل سے نکل بھی سیلِ غم
ضبط کہاں تک اب کرو آ مری چشمِ تر میں آ

حسنِ کرشمہ ساز کا میرے لئے یہ حکم ہے
گوشۂ عافیت کو چھوڑ عالمِ شور و شر میں آ

وقت سے پہلے حشر اٹھے بانیٔ حشر کیا ضرور
تجھ کو یہ رائے کس نے دی قامتِ فتنہ گر میں آ

ہجر و وفا و جوشِ غم دونوں ہیں تیرے سامنے
نوح کے آنسوؤں کو جانچ نوح کی چشمِ تر میں آ

شاعرِ آگرہ کے لئے

ج

جو مرگ و زیست کے جھگڑوں سے بے نیاز رہا
وہ سرفروشِ محبت ہی سرفراز رہا

ہمارے دل میں نہاں دو طرح کا راز رہا
نگاہ باز رہا اور پاک باز رہا

کرم نواز بھی رہ کر ستم نواز رہا
ہزار ناز سے دل میں وہ تیرِ ناز رہا

نیازِ عشق میں حسنِ ادا و ناز رہا
اگر یہ سچ ہے تو محمود بھی ایاز رہا

ادھر اُدھر کے خیالات دل میں آ نہ سکے
نیاز مند ترا سب سے بے نیاز رہا

عیاں ہو رخ سے مرے دل کا درد کیا ممکن
بشکل راز رہے گا بشکلِ راز رہا

عجب طرح مری عمرِ دو روزہ ختم ہوئی
حیات و موت میں کچھ بھی نہ امتیاز رہا

یہ جان کر تپِ غم کا علاج سہل نہیں
الگ تھلگ مری بالیں سے چارہ ساز رہا

بشر کی عقل مشیت میں دخل دے نہ سکی
خدا کا راز جو تھا وہ خدا کا راز رہا

حرم سے جاتے ہیں اب رندمے کدے کی طرف
وبال سر انھیں ہر سجدۂ نماز رہا

بتوں کے عشق کا انجام کار کیا کہئے
یہی سمجھ لو کہ اللہ کار ساز رہا

ہوئی جو شام تو پھر شام سے سحر نہ ہوئی
فسانہ میری شبِ ہجر کا دراز رہا

بشر میں دیکھ لیا حسنِ سرمدی جس نے
حقیقتاً وہ بڑا صاحبِ مجاز رہا

بڑے مزے سے بسر ہوگئے شباب کے دن
کہ دل رہا مرے دل میں وہ دل نواز رہا

غریقِ بحرِ محبت جو ہو گیا اے نوحؔ
وہ فکرِ ساحل و کشتی سے بے نیاز رہا

مشاعرہ آگرہ کے لئے

ج

سکونِ طبع کا پہلو سرِ محفل نہیں ملتا
نظر سے وہ نظر ملتی ہے دل سے دل نہیں ملتا

ہمیں سچا کوئی حامیِ دمِ بسمل نہیں ملتا
ملاتے ہیں بہت کچھ پھر بھی اُن کا دل نہیں ملتا

ملے گا رفتہ رفتہ آپ کا دل بھی مرے دل سے
یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ دل سے دل نہیں ملتا

توجہ کچھ تو کی ہوتی مرے حالِ پریشاں پر
تمھاری بے دلی ایسی ہے جس سے دل نہیں ملتا

جہانِ عشق میں دونوں کی صورت ایک ہی ٹھہری
نکل کر دم نہیں آتا بچھڑ کر دل نہیں ملتا

کہیں جا کر بڑی مدت میں دونوں ایک ہوتے ہیں
کسی کے دل سے فوراً ہی کسی کا دل نہیں ملتا

خدا جانے کہاں گم کر دیا قسمت کی گردش نے
نگاہیں ڈھونڈتی پھرتی ہیں لیکن دل نہیں ملتا

یہ کہہ کر چل دیئے وہ شکوۂ ترکِ محبت پر
ملیں گے اوپری دل سے ہمارا دل نہیں ملتا

وہ کیا جانے تسلی دے گئے کن خاص لفظوں میں
دماغِ حسن کی صورت مزاجِ دل نہیں ملتا

تڑپنے کا مزا اہلِ محبت ہی اُٹھاتے ہیں
دل آزاروں کو لطفِ اضطرابِ دل نہیں ملتا

وہ کہتے ہیں کہے جاؤ کہے جاؤ
نہیں ملتا نہیں ملتا ہمارا دل نہیں ملتا

کوئی رسماً اگر ملتا رہے تو اس سے کیا حاصل
نہیں ملتا مزا ملنے کا جب تک دل نہیں ملتا

مسرت کی توقع چاہیئے تقدیر والوں کو
ہمیں تو غم بھی حسبِ مدعائے دل نہیں ملتا

وہی دل تیرے پہلو میں وہی دل میرے پہلو میں
مگر حیرت ہے میرے دل سے تیرا دل نہیں ملتا

جناب نوحؔ شاید موجِ بحرِ عشق لے ڈوبی
کہ طوفانِ غمِ حسرت میں اپنا دل نہیں ملتا

طرح یاد نہیں لیکن مشاعرہ کانسٹہ کانفرنس الہ آباد میں شاطر صاحب کے اہتمام سے ہوا مقامی شعرا کے علاوہ باہر سے بھی بہت سے شعرا آئے اچھے اچھے شعر سنے گئے دس بجے رات سے شروع ہو کر چار بجے صبح کو ختم ہوا رمضان شریف کا زمانہ تھا

ج

[illegible]

لطف پورا تو جب آئے مجھے مے خانے کا
دل بھی ساقی کا ملے جوش بھی پیمانے کا

بڑھ گیا اِس سے وقار اور بھی مے خانے کا
آفریں اُس کو ہے موجد تھا جو پیمانے کا

کس قدر پاسِ ادب ہے مجھے مے خانے کا
بے وضو ذکر کبھی کرتا نہیں پیمانے کا

مے کشوں پر بھی کُھلا راز نہ مے خانے کا
ظرف عالی تھا وہ ساقی ترے پیمانے کا

رہ گئی کیف کی دنیا تہ و بالا ہو کر
رُخ اِدھر سے جو اُدھر پھر گیا پیمانے کا

گھونٹ دو گھونٹ میں تحقیر ہے مے خانے کی
دور چلتا رہے چلتے ہوئے پیمانے کا

چھا گئے رند اُبلتے ہوئے مے خانے پر
دیکھ کر رنگ چھلکتے ہوئے پیمانے کا

محفلِ کیف میں تفریقِ مراتب نہ رہی
جام اک اک کو ملا ایک ہی پیمانے کا

صورتِ شمس و قمر شمس و قمر ہی کی قسم
کوئی مرکز نہیں چلتے ہوئے پیمانے کا

دن بڑے کیف و مسرت میں گذارا میں نے
نام لے کر جو اٹھا صبح کو پیمانے کا

بادہ کش دوڑ کے آنکھوں سے لگاتے لیکن
دَور میں پاؤں نہ ٹھہرا کہیں پیمانے کا

تو نے خاص اپنے لئے جس کو بچا رکھا ہے
میں طلب گار ہوں ساقی اسی پیمانے کا

تذکرے بادۂ سرجوش کے محدود نہیں
نام مے خانے سے باہر بھی ہے پیمانے کا

اور کیا اپنا پتہ تجھ کو بتاؤں ساقی
نام لیوا ہوں چھلکتے ہوئے پیمانے کا

نوحؔ اک مے کدۂ شعر و سخن ہے یہ غزل
ربط دیکھے کوئی پیمانے سے پیمانے کا

ج

کب راہِ وفا میں آساں ہے غم سہہ لینا یا سہہ جانا
پہلے چلنا چل کر تھکنا تھک کر رُکنا پھر رہ جانا

جو آگ لگی تھی الفت کی کم ہو گئی وہ بالکل نہ بجھی
رونے میں ہمارے اشکوں کا کچھ رہ جانا کچھ بہ جانا

دم بھر بھی مجھے آرام نہیں اور اس کے سوا کچھ کام نہیں
بے داد تمنا سہہ لینی آزارِ محبت سہہ جانا

ظالم نے عنایت مجھ پر کی لیکن کیسی ملنے کی خوشی
جاتا ہوں نہ اب میں آؤں گا یہ جاتے جاتے کہہ جانا

پہلے تو ذرا خاموش ہوئے بعد اس کے سراپا جوش ہوئے
آئینے میں اُن کا حیرت سے منہ دیکھ کر اپنا رہ جانا

اُن کو یہ گماں مجبوری ہے فریاد سے بھی معذوری ہے
میرا وہ دمِ بے داد و ستم کچھ سوچ سمجھ کر رہ جانا

دریائے محبت کے ریلے کیوں کر ریلے رکنے دیتے
اے نوحؔ مرے ارمانوں کا طوفانِ الم میں بہ جانا

طبع زاد

ج

زمانہ مصیبت کا ٹل جائے گا
ڈھلی رات تو دن بھی ڈھل جائے گا

جوانی کے سانچے میں ڈھل جائے گا
لڑکپن کا نقشہ بدل جائے گا

نکل جائے گا دم اسی ارمان میں
کہ ارمان دل کا نکل جائے گا

اگر نزع میں بھی وہ آ جائیں گے
مری موت کا وقت ٹل جائے گا

یہی صرف ہوگا مری لاش پر
جو آئے گا وہ ہاتھ مل جائے گا

مرے دل کو جھوٹے دلاسے نہ دو
کوئی دن میں خود ہی بہل جائے گا

جسے قتل ہونے کی ہوگی ہوس
وہاں دوڑ کر سر کے بل جائے گا

یقیں کون کرتا ہے کہتے رہو
مریضِ محبت سنبھل جائے گا

وہ خنجر کے بدلے اٹھائیں نگاہ
مرا کام اِس سے بھی چل جائے گا

دلِ زار کی فکر میں کیا کروں
سنبھلنا جو ہوگا سنبھل جائے گا

یہ مانا کہ گھر سے نہ نکلیں گے وہ
مگر نام اُن کا نکل جائے گا

ہماری مصیبت کو دیکھے گا کون
جو سن لے گا وہ بھی دہل جائے گا

بھڑکتی رہے گی اگر دل کی آگ
تو کم بخت پہلو بھی جل جائے گا

اٹھائیں گے اے نوحؔ طوفانِ اشک
بخار اپنے دل کا نکل جائے گا

طبع زاد

ج

پھر تو فرمایئے کوئی ہمیں پہچانے کیا
آپ اپنے کو سمجھتے ہیں خدا جانے کیا

ہو جو انجانِ غمِ عشق کو وہ جانے کیا
عرض کیوں میری سنے بات مری مانے کیا

مجھ کو آغازِ محبت میں وہ پہچانے کیا
جانتے جانتے جانے گا ابھی جانے کیا

مہر ایثار کرم آپ کی فطرت میں نہیں
کوئی جانے کوئی مانے کوئی پہچانے کیا

سحر و اعجاز فقط حسنِ تبسم ہی نہیں
آپ کی شوخ نظر بھی ہے خدا جانے کیا

جاؤ بھی جاؤ بھی اے حضرتِ ناصح بس بس
ماننے کی جو نہ ہو کوئی اُسے مانے کیا

نگہِ شوق نے دیکھا ہو تو پہچانے بھی
جس کو دیکھا ہی نہ ہو یہ اُسے پہچانے کیا

کیا کہا آئیں نہ آئیں یہ خدا ہی جانے
آپ ہی جانیں تو جانیں یہ خدا جانے کیا

شیوۂ مہر و محبت سے خبردار نہیں
صیغۂ لطف و عنایت کو وہ گردانے کیا

چھوڑ کر بت کدہ جاتے نہیں تو گ... اور کہیں
پتھروں میں نظر آتا ہے خدا جانے کیا

بارِ فرقت نہ اُٹھانے کا بنے گا مجرم
جان دینے کی غمِ عشق میں دل ٹھانے کیا

چار چھ روپ نہیں روپ بدلنے والے
سیکڑوں بھیس میں کوئی تجھے پہچانے کیا

جو سمجھتا ہو یہ ہیں نقشِ کفِ پا میرے
حسن میں وہ مہ و خورشید کو گردانے کیا

اب اثر کچھ مری تقدیر کا ہوتا ہی نہیں
کھ گئے دل سے تصور میں خدا جانے کیا

وہ پیمبر نہیں ہم نامِ پیمبر ہے ضرور
نوح کو آپ سمجھتے ہیں خدا جانے کیا

مشاعرہ کانپور

ج

تمام عمر میں ہم نے یہ ایک کام کیا
کہ زندگی کو ترے عشق میں سلام کیا

یہ اپنے شام کے وعدے کا احترام کیا
دمِ سحر بھی نہ اُس نے خیالِ شام کیا

زبان دی مجھے اور اپنے گھر قیام کیا
وہ کام تم نے کیا کام بھی تمام کیا

وہ بولے عشق سے کیا ہاتھ اُٹھا لیا تم نے
جو میں نے ہاتھ اُٹھا کر اُنھیں سلام کیا

وہیں وہیں رہِ الفت میں آفتیں آئیں
جہاں جہاں دلِ ناشاد نے قیام کیا

کہا فسانۂ غم اُس نے اختصار کے ساتھ
تمام عمر میں جس نے اُسے تمام کیا

یہ برہمی ہے جو میرے سلام کرنے پر
ترے سلام کو بھی آج سے سلام کیا

پیام بر کسے کہتے ہیں نامہ بر کس کو
جو کچھ کیا وہ مرے جذبِ دل نے کام کیا

خدائی بھر کے ہوئے بندوبست شام و سحر
نہ آئے موت کچھ اس کا بھی انتظام کیا

کسی کے منھ سے شکایت نکل گئی ہوگی
خطا تھی خاص کی اور اُس نے قتلِ عام کیا

اُٹھے تو ہاتھ کسی کے مگر کھلی نہ یہ بات
مرا سلام لیا یا مجھے سلام کیا

خیال زہد کا رندوں کو مے کدے میں نہیں
جو آ گیا تو اُسے بھی سپردِ جام کیا

خدا کی شانِ کریمی کو دیکھنا تھا مجھے
قصور میں نے کیا اور لا کلام کیا

تلاشِ یار میں اتنا بھی ہم کو یاد نہیں
کہاں کہاں گئے کس کس جگہ مقام کیا

جھکا کر آنکھ چرا کر نظر پھرا کر منھ
عجب ادا سے کسی نے مجھے سلام کیا

وہ باز آئیں ستم سے مجھے یقین نہیں
یہی مدام کریں گے یہی مدام کیا

یہ اقتضائے حیا تھا کہ دوسرا نہ سنے
دبی زبان سے اُس نے مجھے سلام کیا

رہِ وفا میں یہ تہذیبِ غم کی شکل رہی
ملے جو خار تو اُن کا بھی احترام کیا

جنابِ نوحؔ کو طوفان پر نہ فخر ہو کیوں
اسی نے تو انھیں مشہور خاص و عام کیا

طبع زاد ۱۴ر دسمبر ۱۹۴۰ء

ج

جلوۂ حسنِ یار نے محوِ نشاط کر دیا
دامنِ ذوق و شوق کو لطف و کرم سے بھر دیا

کھینچ کر اک شبیہِ ناز حسن کا رنگ بھر دیا
میرے تخیلات نے مجھ کو تباہ کر دیا

دل کا گلہ نہ کیوں کروں دل کا ستم تو دیکھیے
مجھ سے یوں ہی خفا تھے وہ اس نے کچھ اور بھر دیا

فقرۂ حسن و عشق میں رہ گئی یہ بڑی کمی
لفظِ وفا کو آپ نے بیچ سے حذف کر دیا

جامِ نشاط کی ہوس ہم جو کریں تو کیا کریں
شیشۂ دل کو آپ نے بادۂ غم سے بھر دیا

دیکھیے بخت کیا دکھائے ہم سے یہ چوک ہو گئی
حسن کی یادگار میں عشق کا ذکر کر دیا

گوشۂ دل تھا تنگ تر اتنی جگہ نہ تھی مگر
آپ نے کھینچ تان کر خنجرِ ناز بھر دیا

غمزہ و ناز نے ترے جان مری نکال لی
کام نہ کچھ کیا مگر کام تمام کر دیا

حُب کا یہ خاص ہے عمل حسنِ اثر میں شک نہیں
نقشِ وفا کو عشق نے خونِ جگر سے بھر دیا

ایک طرف ملال انھیں ایک طرف مرا خیال
دل سے نہ دور کر سکے بزم سے دور کر دیا

اب مجھے کچھ گلہ نہیں تیغِ نگاہِ ناز سے
دیدۂ التفات نے زخمِ جگر کو بھر دیا

اس میں نہ کوئی بات ہو بات یہ پیش آ گئی
پرسشِ بار بار نے مجھ کو خموش کر دیا

دورِ بہار میں یہی بادہ کشوں کا شغل ہے
ایک نے جام بھر لیا ایک نے جام بھر دیا

کثرتِ داغ ہائے دل ایک سے ایک متصل
حسنِ بہارِ عشق نے مجھ کو نہال کر دیا

کوچۂ یار میں جگہ بہرِ مزار مل گئی
ہم نے گڑھے کو کھود کر جسم سے اپنے بھر دیا

شوخ ہے بدخصال ہے نیک ہے خوش خیال ہے
میں نے کسی حسین کو دل کیوں نہ یہ جانچ کر دیا

مٹ گئے سیکڑوں مکیں لٹ گئے سیکڑوں مکاں
خانہ خراب عشق نے گھر نہ کسی کا بھر دیا

بحرِ الم میں ڈوب کر پا گئی ساحلِ نشاط
کشتیِ ذوق و شوق کو نوحؔ نے غرق کر دیا

طبع زاد ۱۹ر جولائی ۱۹۴۲ء

ج

گلہ بھی عشق و وفا کے اثر نے کچھ نہ کیا
جگر میں چبھ گئے ناوک جگر نے کچھ نہ کیا

سوا ستم کے ستم گر نظر نے کچھ نہ کیا
فغاں سے کچھ نہ ہوا اور اثر نے کچھ نہ کیا

دل و جگر کے بھی جذبِ اثر نے کچھ نہ کیا
یہی کیا کہ اچٹتی نظر نے کچھ نہ کیا

نجات روز کی ایذا سے بخش دی مجھ کو
اجل نے یہ بھی کیا چارہ گر نے کچھ نہ کیا

متاعِ تاب و تواں لوٹ لی مرے دل کی
غلط ہے یہ کہ تمہاری نظر نے کچھ نہ کیا

دمِ سحر ہی وہ آتے مگر یہاں آتے
دعائے نیم شبی کے اثر نے کچھ نہ کیا

وہ جانتا تھا کہ مشکل ہے زندگی اِس کی
مرا علاج مرے چارہ گر نے کچھ نہ کیا

بجائے لطف و ترحم نئے ستم نئے جور
یہی کیا تو وفا کے اثر نے کچھ نہ کیا

کسی کا حسنِ پر انوار دیکھنا تھا اُنھیں
تمام دور میں شمس و قمر نے کچھ نہ کیا

ہزار جور اُٹھائے ہزار جبر سہے
علاوہ صبر کے میرے جگر نے کچھ نہ کیا

سمجھ رہے تھے جسے لوگ راست بازوں میں
کرم اُسی تری سیدھی نظر نے کچھ نہ کیا

وہی ہے دن کی مصیبت وہی ہے رات کا غم
سوادِ شام و نمودِ سحر نے کچھ نہ کیا

طریقِ عشق میں ہم سب سے بے نیاز رہے
سلوک نیک کسی ہم سفر نے کچھ نہ کیا

ہر اپنی اپنی پڑی کوچۂ محبت میں
کہ دل کا دھیان ہمارے جگر نے کچھ نہ کیا

اُٹھائے عشق میں طوفاں سیکڑوں اے نوحؔ
جفا کا خوف مری چشمِ تر نے کچھ نہ کیا

طبع زاد ۶ ر ستمبر ۱۹۴۳ء

ج

محبت میں روز ایک آزار دیکھا
دکھایا جو دل نے وہ ناچار دیکھا

مری سمت کب تم نے سرکار دیکھا
نہ دیکھا نہ دیکھا نہ زنہار دیکھا

اکیلے وہ کس کس کا درماں کریں گے
محبت میں لاکھوں کو بیمار دیکھا

کبھی جو نہ دیکھا تھا جلوہ کسی کا
اُسے میری آنکھوں نے سو بار دیکھا

وفا کی تمھیں قدر سچ مچ نہیں ہے
سنا تھا جو ہم نے وہ سرکار دیکھا

کسی کا تعلق نہیں اب خدا سے
خدائی کو تیرا پرستار دیکھا

وہ چلتے ہوئے میرے دل کو چُرا کر
نہ بے کار دیکھا نہ باکار دیکھا

لیا کام جب دیدۂ دل سے ہم نے
تو اپنے ہی میں جلوۂ یار دیکھا

نہ میں نے سرِ بام نظریں اُٹھائیں
نہ اُس نے کبھی زیرِ دیوار دیکھا

خدا سے نہیں مانگتے اور کچھ بھی
تمھارا ہی سب کو طلب گار دیکھا

تم آئے تھے کیا دیکھنے پوچھنے کو
نہ پوچھا نہ حالِ دلِ زار دیکھا

ہمیں دور و نزدیک سے کیا غرض تھی
یہی ہے بہت اُن کا دیدار دیکھا

کئی بار کوشش بھی کی دیکھنے کی
مگر اُس کو ہم نے نہ اک بار دیکھا

جہاں تک نظر میں نے ڈالی جہاں پر
مصیبت میں سب کو گرفتار دیکھا

جفا جو قسم ہے تجھے دیکھنے کی
خدا وہ نہ دشمن کو میرے دکھائے
کوئی تو نے مجھ سا وفادار دیکھا
جو میں نے مآلِ دلِ زار دیکھا

کہو نوحؔ سے اِن ردیفوں کو دیکھیں
کہیں ہو گیا ہو نہ بے کار دیکھا

ب

طبع زاد ۲۴ر جولائی ۱۹۲۳ء

ہماری جب ہماری اب ہماری کب سے کیا مطلب
عزیز و اقربا پر بے سبب وہ ظلم ڈھاتا ہے
اگر ہم جان دیتے ہیں تو اُن کے حسنِ صورت پر
خدا کا نام بھی لیتے ہوئے میں ہچکچاتا ہوں
وفائیں کیجیے پچھلی جفائیں بھول جائیں گی
الگ آنا الگ جانا الگ رہنا الگ پھرنا
جو مضمونِ خطِ پرشوق میرا وہ نہیں پڑھتا
اگر میں پوچھتا ہوں آپ میرے گھر کب آئیں گے
نہ مذہب ہے نہ مشرب ہے کوئی ہم بادہ خواروں کا
خدا سے حشر میں کہہ دیں گے ہم دنیا کے جھگڑوں پر
امیرِ خود غرض ہی کو غرض مطلب سے مطلب ہے

ج

غرض اُن کو غرض سے کیا غرض مطلب سے کیا مطلب
خطا وارِ محبت تو ہمیں ہیں سب سے کیا مطلب
ہمیں برتاؤ سے انداز سے یا ڈھب سے کیا مطلب
وہ پوچھیں گے تمہارا نعرۂ یا رب سے کیا مطلب
اگر مطلب ہے تو اب سے ہمیں ہے جب سے کیا مطلب
رہِ الفت میں سب کو ہم سے ہم کو سب سے کیا مطلب
یہ مطلب ہے کہ مجھ کو معنی و مطلب سے کیا مطلب
تو وہ کہتے ہیں آئیں گے مگر اس کب سے کیا مطلب
ہمیں مشرب سے کیا نسبت ہمیں مذہب سے کیا مطلب
گئی وہ بات جب کے ساتھ جب کی اب سے کیا مطلب
فقیرِ بے غرض کو ہے غرض مطلب سے کیا مطلب

زمانہ غرقِ بحرِ غم جو ہوتا ہے تو ہونے دو
تم اپنی خیر مانگو نوحؔ تم کو سب سے کیا مطلب

یکم جنوری ۱۹۳۶ء

مجھ کو لحاظِ جرم و خطا اب نہ ہو تو کب
اُن کو خیالِ ناز و ادا اب نہ ہو تو کب
ساقی وہی بہار کا موسم پھر آ گیا
محشر پہ اٹھ رہی تھی محبت کی چھیڑ چھاڑ
وعدہ کیا تھا رحمتِ پروردگار نے

ج

وقتِ اخیر یادِ خدا اب نہ ہو تو کب
عہدِ شباب میں بھی جفا اب نہ ہو تو کب
شغلِ شرابِ صبح و مسا اب نہ ہو تو کب
عہدِ وفا کسی کا وفا اب نہ ہو تو کب
عفوِ گناہ روزِ جزا اب نہ ہو تو کب

ساقی کی چشمِ مست بنا ہر گلِ چمن
کچھ اور رنگ اور فضا اب نہ ہو تو کب

دیتے ہیں وہ دعا بھی برابر دوا کے ساتھ
بیمار درد و غم کو شفا اب نہ ہو تو کب

لاکھوں طرح کے پھول کھلائے بہار نے
داغِ جگر کی نشو و نما اب نہ ہو تو کب

میں کیا بتاؤں کب ہو اگر اب جفا نہ ہو
وہ مجھ سے پوچھتا ہے جفا اب نہ ہو تو کب

آزارِ عشق نے مجھے بخشا کمالِ عشق
ہر آہِ نارسا بھی رسا اب نہ ہو تو کب

اے چشمِ حق نگر ترے ملنے کی دیر تھی
کوئی مجھی میں جلوہ نما اب نہ ہو تو کب

شکووں سے روکنے کا طریقہ بھی خوب تھا
وہ کہہ گئے کہ مشق جفا اب نہ ہو تو کب

یہ سنگِ در ترا ہے یہ میری جبینِ شوق
مجھ سے نمازِ عشق ادا اب نہ ہو تو کب

لطف و نشاط و عیش کی دنیا بدل گئی
آبِ بقا بھی زہر فنا اب نہ ہو تو کب

ظالم ترا شباب فسوں گر ترا جمال
سارا زمانہ محوِ ادا اب نہ ہو تو کب

وہ ہنس رہے ہیں گریۂ بے اختیار پر
طوفانِ اشک نوحہ بپا اب نہ ہو تو کب

پ

طبع زاد ۱۰؍ جون ۱۹۳۱ء

ج

بے سمجھے ہوئے دم نہ ہمارا ابھی بھریں آپ
اندازہ کریں غور کریں جانچ کریں آپ

یہ میں نہیں کہتا نہ مجھے قتل کریں آپ
پہلے مرے سر پر کوئی الزام دھریں آپ

بہتر ہے یہی حال رہے خانۂ دل کا
آباد کروں میں اسے برباد کریں آپ

مظلوم کی فریاد الٹ دے گی زمانہ
دنیا سے ڈریں یا نہ ڈریں اس سے ڈریں آپ

کیا خوب یہ انصافِ محبت نظر آیا
بدنام تو ہو چرخ مگر ظلم کریں آپ

کس واسطے دیکھیں کسی سفاک کا رستہ
جن کو نہ ہو جینے کی تمنا وہ مریں آپ

کہنا تھا مجھے کچھ مگر اس واسطے چپ ہوں
ممکن ہے کہ منظور کریں یا نہ کریں آپ

اربابِ محبت کی خبر وہ نہیں لیتے
یہ اپنے مقدر سے جئیں آپ مریں آپ

کیوں لاؤں زباں پر غم و آزار کا شکوہ
ڈرتا ہوں کہیں ترکِ ستم بھی نہ کریں آپ

آئیں گے مگر آئیں گے کس روز مرے گھر
للہ اس اجمال کی تفصیل کریں آپ

شاید ہے یہی شوخیِ رفتار کا مطلب
برپا ہو وہیں حشر جہاں پانو دھریں آپ

یہ لطف و عنایت کی جگہ قہر و ستم کیوں
کچھ بھی نہ کریں آپ تو کچھ بھی نہ کریں آپ

ہیں اُن سے یہ کہتا ہوں بس اب جی نہیں سکتا
وہ مجھ سے یہ کہتے ہیں کہیں جلد مریں آپ

پھر جذبِ دلِ زار میں شک رہ نہیں جاتا
تاثیرِ محبت کو جو تسلیم کریں آپ

وہ نوحؔ سے فرماتے ہیں اشکوں کی قسم ہے
طوفان اُٹھانے کا ارادہ نہ کریں آپ

ت

طبع زاد ۳۰ اپریل سنہ ۱۹۲۲ء

ج

واہ یہ لطفِ سوزِ الفت کس کی بدولت دل کی بدولت
دوزخ بھی ہے مجھ کو جنت کس کی بدولت دل کی بدولت

دل میں ہے داغوں کی کثرت کس کی بدولت دل کی بدولت
ایسی دولت اتنی دولت کس کی بدولت دل کی بدولت

سب سے الفت سب کی حسرت کس کی بدولت دل کی بدولت
ڈانواں ڈول ہے میری نیت کس کی بدولت دل کی بدولت

پیشِ نظر رہتے ہیں باہم پھرتے ہیں آنکھوں میں ہر دم
حسنِ کثرت نورِ وحدت کس کی بدولت دل کی بدولت

اُن کو بھی ہے میرا سودا اور مجھے بھی سودا اُن کا
ایک ہوئی دونوں کی صورت کس کی بدولت دل کی بدولت

دیکھ لیا کرتا ہوں اکثر یہ بھی عالم وہ بھی منظر
شامِ فرقت صبحِ قیامت کس کی بدولت دل کی بدولت

کرتا ہوں میں اپنا ماتم آتی ہے الفت میں پیہم
کس پر آفت مجھ پر آفت کس کی بدولت دل کی بدولت

میں جو نہ بزمِ ناز میں جاتا کیوں غمزہ مجھ کو تڑپاتا
ہنستے بولتے آگئی شامت کس کی بدولت دل کی بدولت

اہلِ وفا نے مجھ کو جانا اہلِ جفا نے بھی پہچانا
یہ ہے عزت یہ ہے شہرت کس کی بدولت دل کی بدولت

کیا ہو قصد نکل جانے کا گھر پاکر اب شاد ہے کیا کیا
ارماں ارماں حسرت حسرت کس کی بدولت دل کی بدولت

اکثر مٹنا اکثر اُبھرنا اکثر جینا اکثر مرنا
رہتی ہے یہ میری صورت کس کی بدولت دل کی بدولت

اُٹھتے بیٹھتے رونا دھونا اشکوں سے دنیا کو ڈبونا
نوحؔ یہ ہے طوفان کی شدت کس کی بدولت دل کی بدولت

ط

طبع زاد ۲۴ اگست سنہ ۱۹۳۱ء

ج

کوئی اس ستمگر کو آگاہ کر دے کہ باز آئے آزار دینے سے جھٹ پٹ
اِدھر کی اُدھر آج ہوتی ہے دنیا مریضِ محبت بدلتا ہے کروٹ

کبھی پردہ داری کبھی خود نمائی کبھی کچھ رکاوٹ کبھی کچھ لگاوٹ
تمھاری یہ چاروں ادائیں غضب ہیں یہ چاروں کریں گی ہزاروں کو چوپٹ

قیامت نہ اٹھے کہ اٹھے جہاں میں مگر بالیقیں میں تو اٹھوں گا جھٹ پٹ
تہِ قبر جس وقت مجھ کو ملے گی سرِ قبر کچھ اُن کے قدموں کی آہٹ

کوئی کس طرح اس کو تسلیم کرلے کہ دونوں اکیلے بسر کر رہے ہیں
ترے گرد تیری اداؤں کا مجمع مری حسرتوں کا مرے پاس جمگھٹ

خدا جانے آپس میں کیا پیش آئے یہ تاخیر و تعجیل کیا رنگ لائے
ہمارا ارادہ کہ فوراً نہ دیں دل تمھاری تمنا کہ مل جائے جھٹ پٹ

کہاں لطفِ بزمِ مسرت اٹھایا کہاں دورِ پرکیف گذرے نظر سے
مئے ناب اوروں کے حصے میں آئی ہمارے مقدر میں تھی صرف تلچھٹ

اُدھر وہ بھی سرگرمِ ظلم و جفا ہے اِدھر ہم بھی مصروفِ آہ و بکا ہیں
کہیں بڑھتے بڑھتے نہ بڑھ جائے جھگڑا کہیں ہوتے ہوتے نہ ہو جائے کھٹ پٹ

یہ کیوں ہے تامل یہ کیوں ہے توقف یہ انکار کیا ہے یہ اغماض کیا ہے
لڑاؤ بھی آنکھیں ملاؤ بھی نظریں دکھاؤ بھی مکھڑا اٹھاؤ بھی گھونگھٹ

بہت کچھ چھپایا بہت کچھ بچایا مگر پیش بندی نہ کچھ کام آئی
کئے خنجرِ ناز نے چار ٹکڑے بالآخر ہوا دل محبت میں چوپٹ

محبت میں یہ جھڑکیاں بھی عبث ہیں یہ ہر وقت کی دھمکیاں بھی عبث ہیں
کرم ہو کہ مجھ پر ستم ہو تمھارا نہ اٹھوں گا در سے نہ چھوڑوں گا چوکھٹ

بیانِ تمنا سنا اور سن کر بڑی دیر سے غور فرما رہے ہیں
نہ آئیں گے یا میرے گھر آئیں گے وہ جو ہونا ہو ارشاد ہو جائے جھٹ پٹ

ستم بھی اٹھائے ہزاروں طرح کے بلائیں بھی جھیلیں ہزاروں طرح کی
ہوا تجربہ ہم کو یہ دل لگا کر حسینوں سے دل کا لگانا ہے جھنجھٹ

ترے عشق میں کیوں نہ میں دل کو روؤں جگر کے لئے کیوں نہ میں آہ کھینچوں
شب و روز کی مختلف آفتوں نے اسے کر دیا چٹ اُسے کر دیا پٹ

بنا غیرتِ آئینہ دل ہمارا غبار آئے کیوں کر کدورت رہے کیا
مثل ہے وہ خس کم جہاں پاک والی نہ اس گھر میں کوڑا نہ اس گھر میں کرکٹ

محبت کے رستے میں اے شوقِ منزل ملے گا عجب لطف پائے طلب کو
اُدھر خار ہیں اور اِدھر آبلے ہیں اگر بند زباں وہ ہیں تو یہ ہیں منہ پھٹ

ترے عشق میں چین سے کیا رہوں میں ترے عشق میں جب نہ دے چین مجھ کو
نظر کا پلٹنا زباں کا بدلنا مقدر کی گردش زمانے کی کروٹ

یہ اے نوح کس نے تمھیں رائے دی تھی کہ طوفاں اٹھاؤ زمیں دار ہو کر
اب اچھا تماشا نظر آ رہا ہے تہِ آب کھاتا سرِ آب کھبوٹ

ث

طبع زاد ۲۲ مارچ ۱۹۳۷ء

ج

جو عندلیب کو اپنے کرے ملول عبث
ہزار کچھ ہو مگر پھر بھی ہے وہ پھول عبث

تمھارے حسن کے جلوے کہیں سما نہ سکے
یہ فوق و تحت ہیں بے کار عرض و طول عبث

ہزار کوس رہی دور منزلِ مقصود
اُڑائی وادیِ غربت کی ہم نے دھول عبث

جو آتے آتے وہ آئے تو آئے وقتِ سحر
دعائے نیم شبی اب ہوئی قبول عبث

ریاضِ دہر کو دیکھیں نگاہِ غور سے ہم
نہ ایک خار عبث ہے نہ ایک پھول عبث

وہ اضطرابِ محبت کا لطف رہ نہ گیا
ہماری عرضِ تمنا ہوئی قبول عبث

تلافیِ ستمِ بے حساب ایک نگاہ
ذرا سی یاد ہے کافی بہت سی بھول عبث

وہ کہہ رہا ہے کہو جلد اختصار کے ساتھ
بہار کیا چمن بے ثباتِ عالم کی
ستم کے شکر پر اُس نے کہا درست بجا
خزاں نے لوٹ لیا برق نے تباہ کیا
ہم اُن کی یاد میں سارے جہاں کو بھول گئے
ہمیں یہ فخر کہ اپنا دل اُن کو سونپ دیا
وہ بحرِ عشق کی موجوں کی قدر کیا جانیں
ستم کے بعد پشیمانیِ ستم کیسی
بگڑ گئے جو گھروندے نقوشِ ہستی کے

بیانِ شوق کو ہم دے رہے ہیں طولِ عبث
کہ پھول پھول یہ کہتا ہے تو نہ پھول عبث
کرم کے ذکر پر اُس نے کہا فضول عبث
کھلے تھے باغ میں دو دن کو چار پھول عبث
نہ اپنی یاد عبث ہے نہ اپنی بھول عبث
انھیں یہ سوچ کہ ہم نے کیا قبول عبث
جو بیٹھ کر لبِ ساحل اُڑائیں دھول عبث
ملول کر کے مجھے تم ہوئے ملول عبث
بٹھا رہے ہیں بشر اُن کی یہ چول چول عبث

وہ ہے مناسب بہتر جو شعر آپ اٹھائیں
جنابِ نوحؔ کا طوفانِ بے اصول عبث

ج

طبع زاد ۱۰؍جون ۱۹۳۱ء

مہرباں کل تھے بدگماں ہو آج ۔ تم نے پایا عجب طرح کا مزاج
بہرِ ترمیم اپنی جان نہ دیں ۔ سعی سے اِس کی لوگ باز رہیں
رسمِ الفت نباہنی مشکل ۔ باہمی ارتباط لا حاصل
کوچۂ یار میں کروں پھیرا ۔ محفلِ ناز میں کروں ڈیرا
چین لیتا نہیں دلِ مضطر ۔ ہو ذرا مہربانیوں کی نظر
حوصلے دل کے سب نکل جاتے ۔ اِتنی زحمت گوارا فرماتے
اہلِ جوہر میں کیا ہو ربط بہم ۔ آبرو میں کوئی سوا کوئی کم
سیکڑوں قسم کے ستم سہئے ۔ کچھ نہ اپنی زبان سے کہئے
دردِ الفت کبھی ہوا نہ خفیف ۔ کیا کرے ضبطِ آہ ایک نحیف
حوصلے دل ہی میں مٹ گئے دل کے ۔ دل کے ارمان چل دئے دل سے
عشق میں کب ہوئی کسی کو شفا ۔ چارہ سازی سے بڑھ گئی ایذا
آپ کی انجمن میں شام و سحر ۔ دیکھتے ہیں جو عاشقِ مضطر

ج

کچھ اِدھر شوخیاں اُدھر کچھ لاج ۔ خوب دستور ہے یہ خوب رواج
دفترِ کائنات قدرت میں ۔ کیسا ادخال اور کیا اخراج
شوخ طینت اِدھر ہمارا دل ۔ اور اُدھر دلربا بھی شوخ مزاج
بس یہی کام کاج ہے میرا ۔ اور کوئی نہ مجھ کو کام نہ کاج
اے مرے مونس اے مرے یاور ۔ اے مرے مالک اے مرے سرتاج
پاس میرے کبھی چلے آتے ۔ دور ہی سے وہ پوچھتے ہیں مزاج
لعل کے آگے کچھ نہیں نیلم ۔ آگے نیلم کے کچھ نہیں پکھراج
رات دن بے قرار ہی رہئے ۔ عشق کا ہے یہی قدیم رواج
کل بھی پرسوں سے بیشتر تکلیف ۔ کل سے تکلیف ہے زیادہ آج
کیا سمجھ کر غمِ محبت نے ۔ اِس بھرے گھر کو کر دیا تاراج
کر رہا ہے جو دردِ دل کی دوا ۔ عقل کا اپنی خود کرے وہ علاج
نہیں آتا کہیں کسی کو نظر ۔ وہ طریقہ وہ ضابطہ وہ رواج

شکوہ رنج و غم سے کام نہیں - سر پہ آفت جو آئے اُس کو سہیں
اللہ اللہ احتشامِ چمن - تختِ طاؤس تختۂ گلشن
خلق میں ہم نے اور کیا دیکھا - اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا
روز و شب کثرتِ جفا و ستم - وہی آفت وہی غضب ہر دم
ہاتفِ غیب کہہ رہا ہے سنبھل - لطفِ ماضی کے واسطے نہ مچل
مثلِ فرہاد و صورتِ وامق - جو رہے ذوق و شوق میں صادق

گھر کریں آپ کیا نگاہوں میں - یہی اہلِ وفا کی ہے معراج
ساز و سامانِ نرگس و سوسن - اس طرح پھول جیسے شاہی تاج
حسن والوں کی ایک سمت سبھا - عشق والوں کی ایک سمت سماج
میری جانب کرو نگاہِ کرم - ہوں نگاہِ کرم کا میں محتاج
کل باتیں وہ ختم ہو گئیں کل - آج کا حال دیکھ غور سے آج
خاک میں مل گئے وہ سب عاشق - نہ ملا پھر بھی ایک شوخ مزاج

نوحِ سیلابِ اشک کا ہیجان - پھیلتے پھیلتے بنا طوفان
بہ گئے اس کے رَو میں سب ایمان - رکھ لی اللہ نے تمھاری لاج

چ

طبع زاد ۱۵ ستمبر ۱۹۳۱ء

جب نہ ساقی ہو تو ہے پیمانہ ہیچ
آپ کہتے ہیں کہ ہے ویرانہ ہیچ
جان دے کر بھی بہت ہوں منفعل
گھر کو ان سے ان کو گھر سے کیا غرض
جو ملے مانگے سے وہ کیسی شراب
عشق میں فہم و خرد کا ذکر کیا
اہلِ باطن کیوں کہیں جانے لگے
چاہیئے تو پھر ہمیشہ چاہیئے
تم نے مجھ کو داخلِ زنداں کیا
شمع سے بلبل کو ہے کیا واسطہ
احترامِ حسن کرنا چاہیئے
موسمِ گل جب نہیں تو لطف کیا
عشق میں لے کام استقلال سے
رند ایسی بات سن سکتے نہیں
دل لگا کر جان دی میں نے مگر

ج

صرف پیمانہ ہی کیا مے خانہ ہیچ
مطلب اس کا یہ ہوا دیوانہ ہیچ
حسن کے آگے یہ ہے نذرانہ ہیچ
اہلِ وحشت کے لئے کاشانہ ہیچ
جو نہ چھلکے خود وہ ہے پیمانہ ہیچ
جانتا ہے ان کو ہر دیوانہ ہیچ
دل کے آگے کعبہ و بتخانہ ہیچ
چار دن کے واسطے یارانہ ہیچ
اس لئے زنداں سے ہے کاشانہ ہیچ
جانتا ہے پھول کو پروانہ ہیچ
عشق میں اطوار گستاخانہ ہیچ
آرزوئے شیشہ و پیمانہ ہیچ
خودکشی اے ہمتِ مردانہ ہیچ
کیوں کہے کوئی کہ ہے مے خانہ ہیچ
جرم کے آگے ہے یہ جرمانہ ہیچ

نوح اپنے نام کی عزت کرو
یہ تمھارا مشرب رندانہ ہیچ

ح

طبع زاد ۲۰ ستمبر ۱۹۲۷ء

ج

کوئی بے دیکھے ہوئے تسلیم کر لے کس طرح
اس طرح دل میں الفت گل میں نکہت جس طرح

دیر و مسجد میں بسر کرتے ہیں اپنی کس طرح
اس جگہ ہم اس طرح اور اس طرف ہم اس طرح

چرخ دشمن اس قدر قسمت مخالف اس طرح
بے وفا کا حال کہئے بے وفا سے کس طرح

سانس لینے پر کھٹکتی ہے کوئی شے کس طرح
رہ گئی ہو نوکِ نشتر دل میں چبھ کر کس طرح

کون دل ہے کون ناوک کچھ پتا چلتا نہیں
رفتہ رفتہ مل گئے آپس میں دونوں اس طرح

خیر جو ہونی تھی اب تو وہ خطا ہو ہی گئی
دل ہمارا پھیر دو ان سے کہیں یہ کس طرح

کیا دلِ گم گشتہ کے حالات پوچھیں ان سے ہم
جیسے واقف ہی نہ ہوں چپ ہو گئے وہ اس طرح

گو مرے ارمان ہیں لیکن مرے بس میں نہیں
تم نکالو تو نکالو میں نکالوں کس طرح

اے شبیہ یار خاموشی کی حد بھی ہے کوئی
مجھ سے تو ہنس بول اب ہنس بول چاہے جس طرح

وہ بلا بھیجیں مجھے تشریف لائیں میرے پاس
دو ہی شکلیں زیست کی ہیں اس طرح یا اس طرح

تھے ہمارے دل میں لاکھوں نشترِ غم خارِ عشق
آپ آئے آپ بیٹھے آپ ٹھہرے کس طرح

غم نہیں اس کا جو گذری عیش میں یاروں کی عمر
ختم کر ڈالوں گا میں بھی ختم ہو گی جس طرح

کیا ضرورت ظلم کی جب لطف سے چل جائے کام
اس طرح دل کو نہ توڑو بلکہ توڑو اس طرح

واقعاتِ غم سے مجھ کو اور بھی ہوتا ہے غم
مل گیا میں خاک میں اب یہ نہ پوچھو کس طرح

رخ پر اس نے ڈال کر چہرے سے سرکائی نقاب
چاند ڈوبا اس طرح خورشید ڈوبا اس طرح

التجاؤں سے خوشامد سے بیانِ حال سے
میں انھیں راضی کروں گا ہوں گے راضی جس طرح

کس طرح تم نے لیا دل میں یہ پوچھوں بار بار
اور وہ ہر بار دل لے کر بتائیں اس طرح

مجھ کو مرنے سے غرض قربان ہو جانے سے کام
اس طرح میں جان دے دوں آپ کہہ دیں جس طرح

چار کو خوش ہم نے رکھا چار سے خوش ہم رہے
چار دن کی زندگی اپنی گذاری اس طرح

چھوڑ کر دریائے غم میں نوح چلتے ہو گئے
ساحلِ مقصد کو پہنچے گا یہ بیڑا کس طرح

خ

طبع زاد ۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۱ء

ج

کب اہلِ عشق تمہارے تھے اِس قدر گستاخ
اِنھیں تمھیں نے کیا چھیڑ چھیڑ کر گستاخ

بہم یہ جمع ہوئے خوب اِدھر اُدھر گستاخ
کہ دل بھی میرا ہے تیری بھی ہے نظر گستاخ

ہمیں ملا بھی تو معشوق کس طرح کا ملا
جفاپسند بداخلاق فتنہ گر گستاخ

ہم اپنے دل سے محبت میں بے خبر نہ رہیں
کہ ہے بہت کسی گستاخ کی نظر گستاخ

کسی نے مجھ کو رُلایا کوئی ہنسا مجھ پر
جو تو ہوا تو ہوا تیرا گھر کا گھر گستاخ

کہا تھا میں نے کہ دل کو سزائیں آپ نہ دیں
یہ پیش تر سے ہوا اور بیش تر گستاخ

ادب سے کام وہ لیتے نہیں سرِ محفل
یونہیں ہو اور کوئی دوسرا اگر گستاخ

ہم اور ذکرِ محبت دل اور شکوۂ غم
خموشیوں نے تمھاری کیا مگر گستاخ

مجھے جواب یہ قبل از سوال دینے لگا
اب اِس سے ہوگا سوا کیا پیام بر گستاخ

دل و نظر کو لحاظ و حیا سے کیا مطلب
یہ بے ادب ہے سراسر وہ سر بسر گستاخ

کبھی کبھی جو تری شرمگیں نگاہ ملے
تو میں بناؤں اُسے چھیڑ چھیڑ کر گستاخ

یہ تجربے نے بتایا یہ عادتوں سے کھلا
وہ جس قدر ہے مہذب اُسی قدر گستاخ

کہیں تمھیں بھی ڈبو دے نہ بحرِ الفت میں
بہت ہے نوح کا طوفانِ چشمِ تر گستاخ

د

۱۰ر اگست سنہ ۱۹۲۳ء

ج

ملا بھی حشر کا موقع جو انتظار کے بعد
مری پکار ہوئی آپ کی پکار کے بعد

پسِ نشاط ملے غم نہ کس لئے مجھ کو
خزاں بھی گلشنِ عالم میں ہے بہار کے بعد

جمالِ یار کا عالم یہ ہے کہ عالم ہے
وہی سنگھار سے پہلے وہی سنگھار کے بعد

جو موت آگئی تو خلد مجھ سے دور نہیں
کروں گا اُس کا نظارہ بھی کوئے یار کے بعد

مرا مزار مرے بعد وہ مٹاتے ہیں
مگر مٹائیں گے کیا اب مرے مزار کے بعد

ادا نے دل بھی لیا ناز نے جگر بھی لیا
بچا ہی کیا مرے پہلو میں لوٹ مار کے بعد

الم کے بعد خوشی کا نزول ہوتا ہے
خدا سکون ہمیں دے گا اضطرار کے بعد

جگر کے زخم سے کیوں کر بہے نہ خونِ جگر
اسی کی دھوم ہے اب چشمِ اشکبار کے بعد

مٹا دے دل کی کدورت کہ دل منور ہے
نکل ہی آئے گا خورشید اس غبار کے بعد

ابھی تو یہ ہے کہ ڈھائیں گے تین چار ستم
ستم کریں گے ہزاروں وہ تین چار کے بعد

جمالِ شمس و قمر لاکھ بار دیکھ چکے
ہے وہ بھی حسن مگر حسنِ روئے یار کے بعد

فقط بہار میں پیتے ہیں ہم نہیں پیتے
کبھی بہار سے پہلے کبھی بہار کے بعد

ہزار تک وہ مجھے بد دعائیں دیتے ہیں
شروع ایک سے کرتے ہیں پھر ہزار کے بعد

بچے گی جانِ حزیں تیغِ ناز سے کب تک
وہ سانس دیکھتے ہیں ایک ایک وار کے بعد

عجب نہیں مجھے مر کر حیاتِ عشق ملے
وہ میرے دل میں رہیں میری جانِ زار کے بعد

وہ اضطراب ہے اچھا جو ہو سکون کے قبل
وہ اضطرار بُرا ہے جو ہو قرار کے بعد

ابھی وہ نوح کی وقعت کریں کریں نہ کریں
پتہ چلے گا انھیں اس وفا شعار کے بعد

طبع زاد ۳۰ر اگست ۱۹۳۴ء

ج

فروغِ حسن میں کیا ہے ثبات دل کا وجود
وہ آفتاب یہ شبنم وہ آگ یہ بارود

زہے مدارجِ عرفان و لطفِ بزمِ شہود
ہمیں ہیں عبد ہمیں عبدیت ہمیں معبود

وہ بار بار محبت سے ذکرِ خیر کریں
شہیدِ غم کی بھی فاتحہ یہی ہے درود

سوادِ شامِ محبت ہے دود بے آتش
طلوعِ صبحِ تمنا ہے آتشِ بے دود

بلطف و عیش و نشاطِ جہاں مشو نازاں
دریں سرائے عدم آشنا چہ ہست و چہ بود

نگاہِ ناز کے جوہر یہ پائے کیا ممکن
فغاں بھی تیغ ہے لیکن ہے تیغِ زنگ آلود

اٹھی گھٹا کی طرح چھا گئی فضا کی طرح
حدودِ حسن میں تاثیرِ عشقِ نا محدود

خدا کے جلوۂ قدرت کا پوچھنا کیا ہے
جدھر جدھر نظر اٹھی ادھر ادھر موجود

طریقِ عشق میں کیوں بارِ غم اٹھائے نہ دل
اسی پہاڑ کے نیچے ہے منزلِ مقصود

تلے ہیں پھر مہ و انجم مجھے ستانے پر
دلِ حزیں وہی اک نالۂ فلک پیمود

غضب ہوا کہ مقدر مجھے وہاں لایا
جہاں سکون بھی ناپید لطف بھی مفقود

رہا یہ اپنی حیات و ممات کا عالم
کبھی وجود عدم تھا کبھی عدم تھا وجود

نگاہِ ناز میں دل کا کچھ اقتدار نہیں
اگر ابھی ہے یہ مقبول تو ابھی مردود

حواس و ہوش فرشتوں کے جس سے رہ نہ سکیں
فضا میں گونج رہا ہے وہ نغمۂ داؤد

بڑھائے وادیِ حسرت میں کیا قدم کوئی
کہ خضرِ راہ بھی گم اور راہ بھی مسدود

فروغِ حسنِ تغیر پسند کچھ بھی نہیں
ضیائے کرمکِ شب تاب کی ہے کوئی نمود

یہاں ادائے فرائض کی صورتیں ہیں جُدا
نمازِ عشق میں واجب نہیں رکوع و سجود

پیامِ مرگ بھی پہنچا تو بدِ زیست کے ساتھ
جو اتفاق سے امرت ملا تو زہر آلود

وفا و عشق کی دشواریاں خدا کی پناہ
عجب عجب ہیں شرائط عجب عجب ہیں قیود

تصرفاتِ محبت کے سب کرشمے ہیں
نہیں تو کیوں ہو تصدق ایاز پر محمود

عدم سے آئے تھے ہم اور پھر عدم کو گئے
یہ ہے حقیقتِ قبل از وجود و بعدِ وجود

ترا قلق بھی ترا درد بھی ترا غم بھی
ہمارے عشق کے اِتنے گواہ ہیں موجود

خدا کرے کہ نہ دعوائے کریں خدائی کا
سنا تو ہوگا بتوں نے نتیجۂ نمرود

بشر کو قوتِ احساس نے خراب کیا
جو یہ نہ ہو تو جہاں میں نہ پھر زیاں ہے نہ سود

رہِ طلب میں قدم ڈگمگائے جاتے ہیں
سنبھال یا مرے اللہ یا مرے معبود

نگاہ کرد ز قہر و عتاب فتنہ گرے
بایں توقفِ اندک حواس و ہوش ربود

جمالِ شاہدِ مطلق سے جس کو مطلب ہے
وہ دل سعید نظر اسعد آرزو مسعود

جنابِ نوحؔ کو طوفانِ غم سے خوف نہیں
کہ اختیار میں اُن کے ہے کشتیِ مقصود

طبع زاد ۳۱/ اگست ۱۹۳۶ء

ج

وہ نادم ہوئے قتل کرنے کے بعد
ملی زندگی مجھ کو مرنے کے بعد

ہوا یہ اثر میرے مرنے کے بعد
وہ رویا کئے دفن کرنے کے بعد

رہا زندہ درگور مرنے سے قبل
خدا جانے کیا ہوگا مرنے کے بعد

مدد ایک کی ایک کو چاہیئے
دعا بھی کروں آہ کرنے کے بعد

ترے عشق کا خاتمہ ہو گیا
مرے کون اب میرے مرنے کے بعد

ابھی اُس قیامت کو میں کیا کہوں
جو گذرے گی جی سے گذرنے کے بعد

عیادت کہوں یا اسے تعزیت
اب آیا کوئی میرے مرنے کے بعد

زمیں پر قدم پہلے رکھتے نہ تھے
اب اُڑنے لگے تم سنورنے کے بعد

وہ ٹھکرا رہے ہیں مری لاش کیوں
دوبارا جیا کون مرنے کے بعد

جو ہم ہیں وہ تم ہو جو تم ہو وہ ہم
کُھلا راز یہ غور کرنے کے بعد

مری قبر پر رونے آئے گا کون
بُھلا دیں گے سب مجھ کو مرنے کے بعد

جو میت ہوئی غرقِ دریائے عشق
پرستارِ الفت کو چین آئے گا
پشیماں ہوئے بھی تو کیا فائدہ

کنارے لگی وہ اُبھرنے کے بعد
نہ مرنے سے پہلے نہ مرنے کے بعد
وہ عہدِ وفا سے مکرنے کے بعد

جو طوفانِ غم سے ملی مخلصی
تو اے نوح کب ڈوب مرنے کے بعد

دل بھی ہے دولت مگر دردآشنا ہونے کے بعد

اس طرح پر ۲۴ر جنوری ۱۹۴۳ء کو زیر صدارت جناب گلشن صاحب پنڈت برج نراین گرٹو صاحب ایڈوکیٹ نے الہ آباد میں ایک خاص مشاعرہ کیا منتخب شعرائے شرکت کی حکام ہائی کورٹ کے علاوہ جناب سر تیج بہادر صاحب سپرو وغیرہ بھی تشریف فرما رہے بعد ختم مشاعرہ ٹی پارٹی ہوئی چار گھنٹے تک مشاعرہ قائم رہا اچھے اچھے شعر پڑھے گئے

مجھ کو آجائے قضا بے آسرا ہونے کے بعد
اب کھلا رازِ محبت مبتلا ہونے کے بعد
وہ خدائی کر رہے تھے جب خدا ہونے سے قبل
اب زمانے میں کوئی کرتا نہیں الفت کا ذکر
خلق ہونے ہی نے مجھ کو کر دیا رسوائے خلق
ہم نہ تھے دنیا میں پہلے قائل تاثیر حسن
اے دلِ مضطر حسیں رہتے نہیں پابندِ وضع
اُن کی محفل میں وہ میرا اشتیاق و اضطراب
گھر پہنچ کر بھول جاؤ گے مجھے تم بالضرور
فہمِ انسانی میں آسکتے نہیں اسرارِ غیب
بڑھ گیا میری پرستش سے حسینوں کا وقار
آپ تو آنکھیں دکھا کر جا چھپے آنکھوں سے دور
دل لگانے ہی سے پہلے کیا نشاط و غم کی بحث
تم نے ڈالی یا نہ ڈالی کچھ توجہ کی نگاہ
اُن کو بے دیکھے بڑھا جب اس قدر ہیجانِ شوق
قیدِ غم سے چھوٹ کر بھی چھوٹ جانا تھا محال
رفتہ رفتہ دل نے بھی پیدا کیا یوں انقلاب

ج

یہ دعا بھی ہو نمازِ عشق ادا ہونے کے بعد
کیا خبر تھی پیش تر کیا ہوگا کیا ہونے کے بعد
تو خدا جانے کریں گے کیا خدا ہونے کے بعد
ہوگئی وہ بھی فنا میرے فنا ہونے کے بعد
کچھ نہ ہونے میں مزا تھا کچھ نہ تھا ہونے کے بعد
کھل گئیں آنکھیں مگر محوِ ادا ہونے کے بعد
مہرباں ہوگا کسی دن وہ خفا ہونے کے بعد
سامنا ہونے سے پہلے سامنا ہونے کے بعد
کون کس کو یاد کرتا ہے جدا ہونے کے بعد
جو ہوا وہ ہو گیا کیا ہوگا کیا ہونے کے بعد
اب خدائی بھی کریں گے یہ خدا ہونے کے بعد
اُف وہ میری بے کسی بے آسرا ہونے کے بعد
مرحلے یہ ہوں گے طے اُن پر فدا ہونے کے بعد
جانچتا ہوں میں یہ سرگرمِ وفا ہونے کے بعد
کیا ہمارا حشر ہوگا سامنا ہونے کے بعد
پھنس گئے دامِ وفا میں ہم رہا ہونے کے بعد
جس طرح کوئی پرانا ہو نیا ہونے کے بعد

نوحؔ طوفانی کو اب آتا نہیں لطفِ گناہ
باخدا بھی ہو گئے یہ ناخدا ہونے کے بعد

ڈ

۵ / جنوری سنہ ۱۹۲۳ء

دل ستانی دل ربائی پر گھمنڈ
جانتا ہوں اس کا نبھنا ہے محال
ناز ہے قاتل کو اپنی تیغ پر
رحم ان کو حالِ غم پر آ گیا
عاصیوں کو رحمتِ حق پر غرور
گفتگو بھی مجھ سے تم کرتے نہیں
پردہ در پر کسی کو ناز ہے
اب انھیں ہے دل نوازی کا خیال
پھر گرفتارِ قفس ہو جاؤں گا
ہو گیا جس کے سبب سے میں اسیر

ج

آپ کو ہے خوش ادائی پر گھمنڈ
کیا کروں میں پارسائی پر گھمنڈ
تیغ کو ہے کج ادائی پر گھمنڈ
دل کرے بے دست و پائی پر گھمنڈ
زاہدوں کو جبہ سائی پر گھمنڈ
اس قدر اس خوش ادائی پر گھمنڈ
ہم کو نظروں کی رسائی پر گھمنڈ
تھا جنھیں تیغ آزمائی پر گھمنڈ
ہے عبث مجھ کو رہائی پر گھمنڈ
تھا مجھے اس خوش نوائی پر گھمنڈ

غرق کر دے گا انھیں طوفانِ عشق
نوح کو ہے نا خدائی پر گھمنڈ

ذ

طبع زاد ۲۰ / اگست سنہ ۱۹۳۲ء

آپ کے دل کا مرے دل کا نفاذ
پھر گیا مجھ کو زباں دے کر کوئی
جادۂ عشق و وفا میں چاہیئے
مر گئے لاکھوں گلا خود کاٹ کر
ہم نے پایا ہم نے دیکھا جا بجا
پھر گئے ناوک بھی ان کے دیکھ کر
پہلے دیکھ آئینہ اے آئینہ رو
پالو رکھنا مجھ کو مشکل ہو گیا

ج

کیا کرے مقتول و قاتل کا نفاذ
کھل گیا یوں اور پری دل کا نفاذ
رہ رووں پر شوقِ منزل کا نفاذ
اللہ اللہ تیغ قاتل کا نفاذ
عشقِ صادق حسنِ کامل کا نفاذ
میرے دل میں حسرتِ دل کا نفاذ
جا بجا پھر تدِ مقابل کا نفاذ
تھا یہ حکمِ میرِ محفل کا نفاذ

جذبِ کامل عشق میں ہے خاص چیز
ہو نہ کیوں کر جذبِ کامل کا نفاذ

اشک آنکھوں سے رکیں ممکن نہیں
دل ہی تک محدود ہے دل کا نفاذ

نوح غرقِ بحرِ الفت ہو گئے
کام آیا کچھ نہ ساحل کا نفاذ

ر

دم بخود ہیں اضطرابِ دل کا عالم دیکھ کر

۱۰ اپریل ۱۹۲۰ء کو پٹنہ عظیم آباد میں پہلا مشاعرہ ۔ مسلمان سمجھا ۔ حیران سمجھا ۔ اس طرح پر ہوا جس کی غزل الف کی ردیف میں موجود ہے دوسرا مشاعرہ ۱۱ اپریل ۱۹۲۰ء کو ہیں ۔ ہم دیکھ کر ۔ عالم دیکھ کر ، اس طرح پر ہوا قریب قریب ہی سب شعرا تھے میں نے صرف ایک قافیے میں غزل پڑھی بے حد داد ملی مشاعرہ دس بجے رات سے شروع ہو کر تین بجے دن کو ختم ہوا

ج

سیکڑوں آزار دیکھے اُن کا عالم دیکھ کر
مر گئے تعریف سن کر مٹ گئے ہم دیکھ کر

پاس آؤ تو چلے کچھ حسنِ سیرت کا پتہ
کیا کہیں صورت تمھاری دور سے ہم دیکھ کر

ہائے یہ اندازِ دل کش اُف یہ نازِ دل فریب
اب کسے دیکھیں زمانے میں تمھیں ہم دیکھ کر

بزمِ دشمن خوفِ درباں پاسِ عزت شوقِ وصل
رہ گئے کس یاس و حسرت سے انھیں ہم دیکھ کر

برق کو وہ طور پر ترجیح دے دیں کس طرح
رائے یہ قائم کریں جلوہ ترا ہم دیکھ کر

لوگ کہتے ہیں حسینوں میں وفا ہوتی نہیں
دل لگائیں ایک سے دس بیس کو ہم دیکھ کر

اس طرح شاید کبھی تسکینِ خاطر ہو تو ہو
دیکھ لیں سن کر کسی کو جانچ لیں ہم دیکھ کر

دیکھتے کیوں کر انھیں محفل میں حیراں ہو گئے
بھیڑ اُن کے دیکھنے والوں ہی کی ہم دیکھ کر

کس قدر ہوتے ہیں ناخوش کس قدر ہوتے ہیں خوش
آپ ہم کو دیکھ کر اور آپ کو ہم دیکھ کر

کون ہے ظالم زیادہ بار بار اس واسطے
آسماں کو دیکھتے ہیں آپ کو ہم دیکھ کر

لطف تیرا چاہیے ہم کیا ہماری کیا خوشی
خوش اگر دیکھا تجھے خوش ہو گئے ہم دیکھ کر

یہ کہیں گے وہ کہیں کے پہلے یوں کہتے رہے
لیکن اب چپ ہو گئے تیور ترے ہم دیکھ کر

اتفاقاً مل گیا تھا آج کوئے یار میں
رو دیے اپنے دلِ گم گشتہ کو ہم دیکھ کر

دیکھ لے کوئی نہ محفل میں ہمارا دیکھنا
آپ کو دیکھیں مگر چاروں طرف ہم دیکھ کر

کم نگاہی میں بھی کیا پوری نکلتی ہے ادا
لوٹ جاتے ہیں کسی کا دیکھنا ہم دیکھ کر

سال کے بارہ مہینے انگلیوں پر کیوں گنیں
عید کر لیتے ہیں اپنی آپ کو ہم دیکھ کر

شوقِ نظارہ بڑھے گا جلوۂ دیدار سے
دیکھنے کا لطف دیکھیں گے انھیں ہم دیکھ کر

ماننا پڑتا ہے دنیا میں اب ان کا بھی وجود
ہو گئے پریوں کے قائل آپ کو ہم دیکھ کر

دوزخ و جنت کو پہنچے داورِ محشر سلام
دیکھنے آئے تھے کیا جاتے ہیں کیا ہم دیکھ کر

بے سبب تیرا کرم ایسا کرم اتنا کرم
پہلے دیکھا ہم نے پھر خوش ہو گئے ہم دیکھ کر

رات گذری عیش میں دن بھی گذرنے دیجئے
آج بستر سے اٹھے منھ آپ کا ہم دیکھ کر

لے گیا وہ شوخ جو آیا تھا یہ کہتا ہوا
دل تمھارا تم کو دے دیں گے ابھی ہم دیکھ کر

یہ معمہ تو کھلا اب پہلے کیا معلوم تھا
آپ ہی کے ہو رہیں گے آپ کو ہم دیکھ کر

اس تخلص سے انھیں سب جانتے تھے کہنہ سال
ہو گئے حیراں جناب نوح کو ہم دیکھ کر

کس کا منھ دیکھوں ہلالِ تیغ دل بر دیکھ کر

اس طرح پر ۵ اگست ۱۹۲۰ء کو جناب سید حسن عسکری صاحب سب انسپکٹر تھانہ منجھن پور ضلع الہ آباد نے مشاعرہ کیا تھا مقامی شعرا کے علاوہ جناب ماجد و جناب ضامن صاحب الہ آباد سے آئے تھے دس بارہ غزلیں پڑھی گئیں دو تین گھنٹے میں صحبت ختم ہو گئی پٹنہ کی طرح اور اس طرح میں صرف قافیہ بدلا ہوا تھا ورنہ وزن وہی ہے اور ردیف بھی وہی ہے۔

ج

یہ سماں یہ لطف یہ دلچسپ منظر دیکھ کر
ہو گئے بے گھر ہزاروں آپ کا گھر دیکھ کر

اس طرف دل دیکھ کر اور اس طرف سر دیکھ کر
پانو رکھنا چاہیئے تم کو زمیں پر دیکھ کر

چین کیوں آنے لگا جلووں کو دم بھر دیکھ کر
پہلے دیکھوں گا انھیں پھر ہوں گا مضطر دیکھ کر

کھ گیا وہ میرے اجڑے گھر کا منظر دیکھ کر
خاک پتھر شاد ہوں میں خاک پتھر دیکھ کر

اللہ اللہ اس قدر تاثیر سودائے بہار
دل کی اک اک رگ پھڑک اٹھتی ہے نشتر دیکھ کر

ہر گھڑی مجھ کو رہی صورت پرستی ہی کی دھن
میں ہوا بے تاب اکثر سن کر اکثر دیکھ کر

حسرتِ نظارہ محشر میں ہمیں لائی تو ہے
کیا ہمارا حال ہوگا ان کو دن بھر دیکھ کر

قتل کی اب کیا ضرورت ہم تو یوں ہی مر گئے
ان کے نازک ہاتھ میں چھوٹا سا خنجر دیکھ کر

جو دعا دیتے تھے جینے کی مجھے وہ دوست بھی
اٹھ گئے بالیں سے میرا حال ابتر دیکھ کر

قصد تھا ہو کر پلٹ آئیں گے اب ٹلتے نہیں
پانو پھیلانے لگے ہم کوئے دل بر دیکھ کر

دل انھیں دیں گے مگر ہم دیں گے ان شرطوں کے ساتھ
آزما کر جانچ کر سن کر سمجھ کر دیکھ کر

ایک منبر تھا وہاں دو چار تھے ظرفِ وضو
ہو گئی حیرت ہمیں اللہ کا گھر دیکھ کر

وہ سمجھتے ہیں یہ کوئی طالبِ دیدار ہے
سایۂ قامت کو بھی رستے میں اکثر دیکھ کر

دشت سے برسوں میں لائی تھی ہمیں حبِّ وطن
اور وحشت بڑھ گئی اُجڑا ہوا گھر دیکھ کر

شش جہت کے غم سے مے خواروں کو چھٹکارا ملا
خم سبو شیشہ صراحی جام ساغر دیکھ کر

داورِ محشر کو اتنی جانچ کی فرصت کہاں
پھینک دے گا وہ مرے عصیاں کا دفتر دیکھ کر

بُت پرستی تک پہنچتی ہے کہاں ناصح یہ بات
خوش ہوا کرتا ہوں میں خوش رنگ پتھر دیکھ کر

غم مجھے کیا ہو کہ تنہا مبتلائے غم نہیں
مطمئن ہے دل مرا دنیا کو مضطر دیکھ کر

میرے دل میں آئے وہ اپنے حریم ناز سے
تیسرا گھر اب نہ دیکھیں دوسرا گھر دیکھ کر

نوحؔ اس طوفان پر کیا ابر کو ترجیح دوں
پانی پانی ہے وہ جوشِ دیدۂ تر دیکھ کر

بجلیاں گرنے لگی ہیں خانۂ صیّاد پر

پہلے اس طرح پر اُردو ادب دہلی میں مشاعرہ ہو چکا تھا پھر یہی طرح ہندو بورڈنگ کالج الٰہ آباد میں قرار پائی اور ۲۴ نومبر ۱۹۳۲ء کو مشاعرہ ہوا میں نے بھی غزل لکھی تھی لیکن عدیم الفرصتی سے شریک نہ ہو سکا

رحم اب لازم ہے تجھ کو بلبلِ ناشاد پر
بازوؤں میں رہ گئے گنتی کے اے صیاد پر

کیا عجب کچھ مہرباں ہوں وہ دلِ ناشاد پر
اب دعا کا بھی اضافہ میں کروں فریاد پر

کیا ہوں ارباب وفا مائل کبھی فریاد پر
یہ ستم پر ہے ستم بے داد ہے بے داد پر

کانپ اُٹھتے تھے جو پہلے شکوۂ آزار سے
اب وہی کستے ہیں آوازے مری فریاد پر

واہ کیا کہنا ترا اے ضبطِ آہِ آتشیں
گر پڑی بجلی ہمارے ہی دلِ ناشاد پر

فصلِ گل میں بھی ملا ہم کو نہ لطفِ آشیاں
اک نظر تھی باغباں پر اک نظر صیاد پر

اب دلِ مایوس نے ہر غم سے دلوائی نجات
کیا کرے گی برق گر کر خرمنِ برباد پر

آپ آئے بن پڑی میرے دلِ ناشاد کی
آپ بگڑے بن گئی میرے دلِ ناشاد پر

جس نے وقتِ نزع نے درد وں کو مضطر کر دیا
سو اثر صدقے مری اُس آخری فریاد پر

جسم سے نکلے گی لیکن کب یہ کچھ کھلتا نہیں
روح کو حیرت ہے اپنی قید بے معیاد پر

پیش آئے لطف سے تو لطف کیا باقی رہا
کیجئے بے داد ہی اب خوگرِ بے داد پر

دیکھئے اب ہو چمن میں کیا مآلِ عندلیب
باغ باں کی بھی طبیعت آ گئی صیاد پر

کوئی تو اُن میں سے ہو گا جزو میری خاک کا
فاتحہ پڑھ دیں وہ اک اک ذرۂ برباد پر

مل گیا مجھ کو رگِ دل کی جراحت کا پتہ
ہے لہو کی بوند نوکِ نشترِ فصاد پر

کیا بتاؤں کس طرح گذرا زمانہ ہجر کا
موت کی بھی یاد آتی تھی تمھاری یاد پر

نوحؔ طوفانی سے یہ طوفان اُٹھواتے ہیں کیوں

آفتیں آئیں گی اربابِ الہ آباد پر

ہمارا نالۂ دل کیا کرے گا با اثر ہو کر

۱۷ فروری ۱۹۴۲ء کو اس طرح پر ایک عالی شان مشاعرہ الہ آباد میں زیر صدارت عالی جناب سر تیج بہادر سپرو جناب گلشن صاحب لاہوری کے اہتمام سے منعقد ہوا تھا گیارہ بجے دن کو شروع ہو کر ۹ بجے شب کو یہ نشست ختم ہوئی باہر کے شعرا میں سے طوطیِ ہند حضرت سائل دہلوی مدظلہٗ جناب یاس عظیم آبادی ثاقب صاحب نانک صاحب پنڈت برج نراین صاحب چکبست لکھنوی قدسی صاحب صدق صاحب جائسی۔ جناب شبیر صاحب جون پوری مقامی شعرا میں سے ضامن صاحب قمر صاحب محمود صاحب ماجد صاحب بسمل صاحب اثر صاحب وفا صاحب سجاد صاحب وغیرہ موجود تھے قریب چار بجے شام کو بانیِ مشاعرہ کے حکم سے شعرا کے فوٹو بھی لیے گئے مشاعرہ البرٹ روڈ بنگلہ نمبر ۱۲ میں ہوا اور نہایت پر تکلف دعوت دی گئی یہ غزل میں نے وہیں پڑھی تھی بہت کچھ داد سامعین نے دی

مزا جب تھا کہ دل میں گھر بناتا کارگر ہو کر
اِدھر ہو کر نکل جاتا ہے ناوک یا اُدھر ہو کر

ثبوت اس سے سوا ہیں اور کیا دوں جذبِ الفت کا
جگر میں تیر رہ جانے لگے جزوِ جگر ہو کر

شکایت پر بھی اہلِ عشق اب مجرم ٹھہرتے ہیں
یہ غم میں پھنس گئے آدابِ غم سے باخبر ہو کر

یہ آنا کوئی آنا ہے یہ جانا کوئی جانا ہے
مرے پہلو میں ٹھہرو آپ دل بن کر جگر ہو کر

طریقہ کیا بتاؤں میں تمھیں خلوت نشینی کا
سما جاؤ مرے دل میں تم اپنی ہی نظر ہو کر

چمن ہے سامنے لیکن چمن تک جا نہیں سکتے
جئے تو کیا قفس میں ہم جئے بے بال و پر ہو کر

طوافِ کوچۂ محبوب اپنا مشغلہ ٹھہرا
ضرورت سے کہیں جانا مگر جانا اُدھر ہو کر

بنی ہے میرے دم پر اب نہیں موقع تغافل کا
مناسب جو علاجِ دردِ دل اے چارہ گر ہو کر

مجھے زحمت میں ڈالا خود مری وقعت شناسی نے
جفا سہتا ہوں اسرارِ وفا سے باخبر ہو کر

دکھا کر دل مرا ناوک کو وہ یوں حکم دیتے ہیں
چلے جانا اِدھر ہو کر نکل جانا اُدھر ہو کر

کرم جوشِ محبت کا نوازش بدگمانی کی
پہنچتے ہیں وہاں ہم خود ہی اپنے نامہ بر ہو کر

اِدھر دل سے نکلتے ہیں اُدھر دل میں اترتے ہیں
دکھائیں کیا کرشمے اور نالے زود اثر ہو کر

اثر کے ڈھونڈ لانے کا یہ اک سیدھا سا رستہ ہے
چلی جائے فلک تک آہ بامِ یار پر ہو کر

نکلتے ہیں تو اُن کا گوشۂ دامن نہیں ملتا
گرے بس کیا لختِ دل یا اشکِ غم لعل و گہر ہو کر

الگ بیٹھے ہوئے اپنے خدا کا شکر کرتے ہیں
ہزاروں زحمتوں سے بچ گئے ہم بے ہنر ہو کر

وفا سے کام لیتے تو نہ جانے کیا جانے کیا ملتا
عزیزِ خلق کہلاتے ہو تم بے داد گر ہو کر

جو آئیں میرے پہلو میں تو کیا جائیں ترے ناوک
رہیں داغِ جگر زخمِ جگر دردِ جگر ہو کر

نہیں معلوم اُس ظالم کے دل میں کیا خیال آیا
کہ پلٹا جلد قبرِ کشتۂ بے داد پر ہو کر

ہوا کا رُخ بدل جائے گا یہ میں کیا سمجھتا تھا
مجھی کو پھونک دے گی آہ میری پر شرر ہو کر

دمِ آخر مریضِ عشق نے یوں کروٹیں بدلیں		کہ دنیائے محبت رہ گئی زیر و زبر ہو کر

جنابِ نوحؔ کیا کہنا بہارِ بزمِ گلشن کا
جو شاعر آئے وہ پھولے پھلے شاخِ شجر ہو کر

۵ ر ستمبر ۱۹۲۴ء

کیوں مبتلائے شوق نہ ہو میری جان اور	ج	ہے تیری وضع تیری ادا تیری شان اور
جانِ حزیں بھی میں نے کسی پر نثار کی		کیا ہوگا میری چاہ کا اب امتحان اور
اب کون کس کو جھوٹ کہے کس کو سچ کہے		میرا بیان اور تمہارا بیان اور
میں کیا بتاؤں آپ ہی کچھ غور کیجیے		اِس جان کے سوا ہے مری ایک جان اور
کیوں آہ ایک ہی کو جلا کر ہو مطمئن		سر پر مرے ابھی ہیں کئی آسمان اور
مجھ کو تو یاد ہے وہی قصہ فراق کا		وہ کہہ رہے ہیں کہیے کوئی داستان اور
سمجھے تھے ہم کہ پا گئے زحمت سے مخلصی		ترکِ وفا سے پھنس گئی آفت میں جان اور
کرتا ہوں میں جو شکرِ عنایات بار بار		مطلب یہ ہے کہ آپ ہوں کچھ مہربان اور
مجھ کو نکالتے ہو جو اپنے مکان سے		ایسا ہی تم بتا دو کسی کا مکان اور
کیوں اُن سے کہہ دیا مجھے حسرت ہے آپ کی		یوں ہی تھے بدگمان ہوئے بدگمان اور
اچھی کہی کہ دل تو دیا مر بھی جائیے		وہ امتحان اور تھا یہ امتحان اور

اے نوحؔ بحرِ عشق میں نالوں سے کام لو
کشتیِ دل کو چاہیے اب بادبان اور

موتیوں سے بھر دیا شبنم نے دامانِ بہار

اس طرح پر بھائی مولوی عبدالوحید صاحب قدامؔ شاگردِ قدیم حضرت داغؔ دہلوی نے ۲۶ ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں مشاعرہ کیا تھا لیکن میں اپنی عدیم الفرصتی سے نہ پہنچ سکا غزل بھیج دی تھی

کیا ہمیں ہو اعتبارِ شوکت و شانِ بہار	ج	آج مہمانِ خزاں ہیں کل تھے مہمانِ بہار
یوں ترقی ہو جنوں میں وقتِ ہیجانِ بہار		اپنا دامن چھوڑ کر تھاموں گریبانِ بہار
محوِ حیرت ہو گئے ہم دیکھ کر شانِ بہار		یہ بہارِ بوستاں ہے یا گلستانِ بہار
جوش کھا کر خون کا دل کی رگوں میں دوڑنا		کچھ دنوں پہلے سے ہو جاتا ہے اعلانِ بہار
منشیِ قدرت کے قائل ہو گئے اہلِ چمن		دیکھ کر اوراقِ گل پر شرحِ دیوانِ بہار
باغ میں آئی خزاں لے کر جدائی کا پیام		رہ چکے اِتنے دنوں تک ہم بھی مہمانِ بہار
پتے پتے پر بنے ہیں مختلف قسموں کے نقش		یا خطِ گلزار میں لکھا ہے فرمانِ بہار

گل بداماں ہے چمن ساغر بکف ایک ایک گل / ہوش میں آئیں گے کیا اب مے پرستانِ بہار
ہو خزاں رخصت تو نکھرے خود بخود رنگِ چمن / ڈھونڈنے جانا گیا فطرت کو سامانِ بہار
سیرِ گلشن سے انھیں دل بستگی ہوتی نہیں / جو سمجھتے ہیں تجھے روحِ چمن جانِ بہار
اور کس کام آئیں گے پھولوں کے یہ سادے ورق / خونِ بلبل سے لکھوں طغرائے عنوانِ بہار
وقت کی پابندیوں سے عشق کو مطلب نہیں / وہ جنوں کیسا ہو ہو محتاجِ احسانِ بہار
جامۂ ہستی کے بھی پرزے اڑائے بیٹھے ہر طرف / ہم سے بڑھ کر کون ہوگا مردِ میدانِ بہار
کونپلوں کا پھوٹنا کلیوں کا ہنسنا کچھ نہیں / رُت بدلنے ہی سے ہو جاتا ہے اعلانِ بہار
باغباں کس پھول پر کس پھول کو ترجیح دے / ایک ہے روحِ گلستاں دوسرا جانِ بہار

نوح سے کہہ دو سنبھالیں اپنی کشتی ردیف
اب زمینِ شعر پر آیا ہے طوفانِ بہار

مرا دل توڑتے ہو میرے دل کا آسرا ہو کر
دیوانہ ہے دنیا میں جو دیوانہ نہیں ہے

ان دونوں طرحوں میں بصدارت جناب احسن صاحب مارہروی بزم خیال بمبئی کا مشاعرہ ٹاؤن حال میں ۳۰ اور ۳۱ مارچ اور یکم اور ۲ اپریل ۱۹۳۴ء تک ہوتا رہا علاوہ مقامی شعرا کے بسمل صاحب غنی صاحب الہ آبادی سعید صاحب مارہروی احمق پھپھوندوی۔ شاد صاحب یونوی۔ حضرات ناطق۔ سخا۔ ندرت۔ وفا۔ صمد کانپوری۔ خیالی صاحب برہان پوری۔ سیماب صاحب۔ ساغر صاحب۔ جمال صاحب۔ رضا صاحب اکبر آبادی وغیرہ شریک تھے سامعین کا داخلہ ٹکٹ سے ہوتا تھا

ج

خیال اپنا رہا محصورِ غم کب نارسا ہو کر / وہاں پہنچا اثر لے کر فغاں بن کر دعا ہو کر
تمنا تھی کہ چلتے راہِ الفت میں ہوا ہو کر / مگر غم نے بٹھایا ہم کو میٹھے نقشِ پا ہو کر
ادائے بے نیازی کے سوا کچھ بھی نہیں آتا / خدائی کیا کرو گے تم خدائی میں خدا ہو کر
برنگِ گل بسر کی عمر کانٹوں میں تو کیا حاصل / مزا جب ہے گذر جا باغِ ہستی سے صبا ہو کر
مجھے ملتا نہ ملتا کچھ مگر تعزیر تو ملتی / خطاوارِ محبت ہو گیا میں بے خطا ہو کر
اڑایا کچھ ہوا نے کچھ مٹایا راہ چلتوں نے / ہمیں حاصل ہوا کیا اس گلی میں نقشِ پا ہو کر
ترے بیمارِ غم کا حالِ غم دیکھا نہیں جاتا / اب ایسے میں مناسب جو دعا ہو یا دوا ہو کر
رہے گا تذکرہ اہلِ وفا میں رہتی دنیا تک / بقا کا مرتبہ حاصل کیا ہم نے فنا ہو کر
طریقِ عشق میں دل کو خدا جانے یہ کیا سوجھی / ہمیں رستہ بتاتا ہے ہمارا رہنما ہو کر
خبر کیا تھی کہ مثلِ نقشِ پا ہے نقشِ ہستی بھی / ملیں گے خاک میں ہم ان کے قدموں سے جدا ہو کر
خموشی کے مراتب تک ترے نغمے نہ پہنچیں گے / بسر کر محفلِ ہستی میں سازِ بے صدا ہو کر

ضرورت کیا ہے خنجر کی چھری کی تیر و نشتر کی
مرے دل میں سما جائیں وہ آپ اپنی ادا ہو کر

جسے ہم دیکھتے ہیں بس انھیں پر جان دیتا ہے
زمانے بھر میں وہ پھیلے زمانے کی فضا ہو کر

مقدر نے بنایا کیوں نہ ہم کو قطرۂ شبنم
گلوں میں جذب ہو جاتے گلوں ہی میں فنا ہو کر

جنابِ نوحؔ کو دریائے غم سے پار اترنا تھا
ہوئے غرقابِ طوفانِ محبت ناخدا ہو کر

ج

ہزار افسوس اِس جوشِ جنونِ فتنہ ساماں پر
کہ حملے دونوں ہاتھوں کے ہیں اک میرے گریباں پر

اثر کی مہربانی تھی کہاں تک برقِ سوزاں پر
جلا میرا نشیمن اور آنچ آئی گلستاں پر

پھر اِس کے بعد آئے گی بلا تارِ رگِ جاں پر
کروں گا صاف اپنا ہاتھ پہلے میں گریباں پر

بیانِ غم سے اے لذت کشِ آزار کیا حاصل
مبادا رحم آ جائے اُنھیں حالِ پریشاں پر

سمجھ کر اُس کو بجلی کس قدر بے تاب ہوتا ہوں
چمکتا ہے کوئی جگنو جو دیوارِ گلستاں پر

بلا سے کچھ بھی ہو لیکن بہار آئے ضرور آئے
جو گذرے گی گذر جائے گی وہ میرے گریباں پر

یہ لذت بخشِ ایذا اور اک مجروح کی قسمت
نظر ہے زخمِ دل پر ہاتھ ہے اُن کا نمک داں پر

اسی کا منتظر رہتا ہے میرا ذوقِ مے خواری
بہار آئے گلستاں میں گھٹا چھائے گلستاں پر

خدا جانے جنوں افزا بہارِ گل کب آئے گی
یونہیں بیٹھا ہوا ہوں ہاتھ رکھے ہیں گریباں پر

بڑھا یوں عالمِ وحشت میں عالم واقفیت کا
لکھا ہو جیسے میرا نام ہر خارِ بیاباں پر

مرے دل کو نہیں منظور اظہارِ ستم شاید
جو کرتا ہوں فغاں تو چوٹ پڑتی ہے رگِ جاں پر

دمِ جوشِ جنوں بھی اس قدر ہے پاسِ رسوائی
اٹھا لیتا ہوں اپنا ہاتھ رکھ رکھ کر گریباں پر

اسیرِ غم کے اطمینانِ خاطر کو یہ کافی ہے
وہ تاریخِ رہائی لکھ گئے دیوارِ زنداں پر

فنا کے بعد بھی اِتنا اثر تھا جوشِ وحشت کا
غبارِ قیس اُڑ کر چھا گیا سارے بیاباں پر

اُڑا لے جائے گی جیسے مجھے خواہش رہائی کی
قدم ہے صحنِ زنداں میں نظر دیوارِ زنداں پر

اسیرانِ قفس یہ جان لیں عہدِ بہار آیا
ہٹے سر سے اگر ہوں بازوؤں میں کچھ نمایاں پر

زمانہ بھول جائے نوحؔ لیکن ہم نہ بھولیں گے
برس پڑنا کسی کا وہ تمھارے ذکرِ طوفاں پر

طبع زاد

ج

فصلِ گل میں یہ ہوا سر پھوڑ کر
رکھ دیا ہم نے قفس کو توڑ کر

پھر نہ دیکھی قبر بھی مُنھ موڑ کر
چل دیے سب مجھ کو تنہا چھوڑ کر

آج تک میں نے وفائیں کتنی کیں
تم حساب اِن کا بتا دو جوڑ کر

زہد ہم سے اور نبھ جاتا چہ خوش
وہ مری مشکل نہ آساں کر سکی
مجھ کو جینا مجھ کو مرنا بھی یہیں
عشق اگر چاہے تو نا ممکن نہیں
دیکھتا ہوں ہیں مآلِ مرگ و زیست
کیا ستم ہے جن میں ہو شرحِ ستم
آئینہ گر وہ ہے ۔ میری رائے میں
کوہ کن لائے گا جوئے شیر کیا
جن میں تھے کھلنے کو گل ہائے نشاط
دل میں آنے کو ہے وہ تیرِ نگاہ
دستِ وحشت میں گریباں آگیا
لکھنے والے نے لکھا قسمت میں کیا

مل گئے رندوں میں توبہ توڑ کر
رہ گئی تلوار بھی منھ موڑ کر
ہیں کہاں جاؤں ترا در چھوڑ کر
آسماں سے لائے تارے توڑ کر
اُس سرے سے اِس سرے کو جوڑ کر
وہ پڑھیں خط اُتنی سطریں چھوڑ کر
جو دعا دے دل کے ٹکڑے جوڑ کر
جوئے خوں لائیں گے سر ہم پھوڑ کر
پھینک دیں غم نے وہ شاخیں توڑ کر
رنج و غم ہٹ جائیں رستہ چھوڑ کر
دل ہے خوش دونوں کا رشتہ جوڑ کر
دیکھنا تھا یہ مجھے سر پھوڑ کر

ہو گئے فضلِ خدا پر مطمئن
نوح بھی کشتی کا لنگر توڑ کر

ڑ

۱۰؍ جنوری ۱۹۳۲ء

عشق کے واسطے ہے دل کی آڑ
سرکشی وجہِ افتخار نہیں
ستیاناس ہوگیا دل کا
وہ خدا جانے گھر میں ہیں کہ نہیں
حسرتیں بعدِ مرگ جائیں کہاں
ناتواں دل اُٹھائے گیا غمِ عشق
میری تقدیر کا مرے دل کا
خاک میری بھی اِس میں شامل ہے
مال و زر دے دیا حسینوں کو

ج

کوئی دیکھے یہ تل کی اوٹ پہاڑ
قد میں شمشاد سے بڑا ہے تاڑ
عشق نے خوب کی اُکھاڑ پچھاڑ
کچھ کھلا اور کچھ ہے بند کواڑ
دفن کر مجھ کو اور اُنھیں بھی گاڑ
اک طرف رائی ایک سمت پہاڑ
اُن کے ہاتھوں میں ہے بناؤ بگاڑ
اپنے دامن سے گردِ راہ نہ جھاڑ
رہ گیا گھر میں صرف کاٹھ کباڑ

کاش اُٹھ جائے پردۂ ہستی
شعلۂ غم سے دل کا حال یہ ہے
چار دن وہ بناؤ رکھتے ہیں
وہ نہیں تو مری نگاہ میں ہے
رختِ ہستی کے ہو چکے ٹکڑے

میرے اور اُس کے بیچ میں ہے یہ آڑ
جیسے پہلو میں جل رہا ہو پہاڑ
اور رکھتے ہیں آٹھ روز بگاڑ
باغ ویران اور شہر اُجاڑ
اے جنوں اب مرے کفن کو پھاڑ

نوحِ طوفانِ بحرِ الفت میں
کوہِ جودی کی ڈھونڈتے ہیں آڑ

طبع زاد ۹ ستمبر ۱۹۳۳ء

ج

ہمیشہ تمنا و حسرت کا جھگڑا ہمیشہ وفا و محبت کا ہلّڑ
جو رازِ محبت کو جانے گا کوئی تو یہ جان لے وہ مچا دے گا گڑبڑ
مرے دل کے ہاتھوں سے بحرِ وفا میں مری بندگی نہ ہو جائے گڑبڑ
کہاں میں ہوں ایسا کہ تو مہرباں ہو کہاں قسمت ایسی کہ آساں ہو مشکل
بشر کیا فرشتے جو بیٹھیں ڈھونڈھنے تو کیوں کر چھپے رازِ غم بختِ دل کا
سرِ ہم سری حسن و ناز و ادا میں نہ رکھتا تھا کوئی نہ رکھے گا کوئی
بہارِ جوانی حیاتِ جوانی نہ یہ غیر فانی نہ وہ غیر فانی
ہزاروں مرے ہیں ہزاروں مٹے ہیں ہزاروں مر گئے ہزاروں مٹیں گے
وہ عرضِ تمنا کو فریاد سمجھے وہ فریاد کو غم کی روداد سمجھے
اِدھر عیش و عشرت اُدھر یاس و حسرت جہاں والے دیکھیں جہاں کی دو رنگی
محبت نے چھوڑا یہ طرفہ شگوفہ بہارِ جوانی بھی دل نے نہ دیکھی
جو اک جنگ جو اور اک صلح جو ہو تو جھگڑا نہ اُٹھے بکھیڑا نہ اُٹھے
کیے سیکڑوں عہد و پیمانِ الفت مگر خیر سے کوئی سچا نہ نکلا
مقدر میں لکھا تھا بن کر بگڑنا کوئی کیوں نہ مرتا کوئی کیوں نہ مٹتا
جو ناوک چلے اور تلوار نکلی تو قائم رہا میں ہی عہدِ وفا پر
سمجھتے ہیں آغاز و انجام اپنا مہ و مہر کیا آئیں گے تیرے آگے
خیال و تصور میں ہرگز نہ لانا ہنسی دل لگی میں ہمیشہ اُڑانا
جہاں دیکھتا ہوں وہاں دیکھتا ہوں جدھر دیکھتا ہوں اُدھر دیکھتا ہوں
مزا جب ہے آپس میں کچھ جنگ بھی ہو مزا جنگ میں جب ہے کچھ صلح بھی ہو

تمہیں کیا طبیعت ڈرے کس طرح دل یہ آفت وہ فتنہ یہ آندھی وہ جھکڑ
نظر کی طرح بڑھ نظر کی طرح رک نظر کی طرح مل نظر کی طرح لڑ
کبھی کثرتِ رنج و غم کا تھپیڑا کبھی جوشِ امید و حسرت کی اُدھیڑ
اگر اور گاہک نہیں کوئی تیرا تو اے خنجرِ ناز میرے گلے پڑ
اِدھر آہ نکلی ہماری زباں سے اُدھر مچ گیا ساری دنیا میں ہلّڑ
ترا عکس آئینہ ہے اور تو ہے جو لڑنا ہے تجھ کو تو اپنے ہی سے لڑ
عروسِ چمن کا اُترتا ہے گہنا خزاں کے زمانے میں جھڑتی ہے پت جھڑ
وہ انساں نہیں اُس کو سمجھو فرشتہ جو برداشت کر لے محبت کی اُدھیڑ
ذرا سی مری بات تھی لیکن اُس کا ہوا رفتہ رفتہ کہاں تک بتنگڑ
کہیں کوئی پیہم بجاتا ہے بغلیں کوئی پیٹتا ہے کہیں سر دھڑا دھڑ
ابھی پھولنے پھلنے کے دن کہاں تھے مگر کٹ گئی نخلِ امید کی جڑ
دل و دل ربا میں نبھے کیا محبت اُدھر وہ بھی ضدی اِدھر یہ بھی اکھڑ
وہ کہتے ہیں ملنے کو اب حشر کے دن کہیں ہو نہ جائے کچھ اُس دن بھی گڑبڑ
زمیں دوز اہلِ زمیں ہو گئے سب پڑی آسماں سے وہ ہر پر دو متّڑ
کسی نے کسی کو بھی پھر کر نہ دیکھا بڑی امتحاں گہ میں کچھ ایسی بھاگڑ
اِدھر سے اُدھر اُن کا پھر جائے گا منہ لگائے گی شرمندگی ایسا تھپیڑ
مرے دعوئ عشق کی قدر کیا ہو وہ اس کو سمجھتے ہیں مجذوب کی بڑ
محبت کی شورش محبت کی اودھم محبت کا غوغا محبت کا ہلّڑ
دکھاتے تلون کا اپنے تماشا اِدھر لڑ اُدھر مل اِدھر مل اُدھر لڑ

ض

طبع زاد ۲۹ر اکتوبر ۱۹۳۲ء

آپ کو میرے ستانے سے غرض
خود غرض معشوق رکھتے ہی نہیں
تیغ اُٹھے یا ترا ناوک چلے
توڑ کر پائے طلب بیٹھا ہوں میں
جب نہ آپس کا تعلق رہ گیا
اپنے سر لیتا ہوں اوروں کا قصور
دیر ہو کعبہ ہو کوہِ طور ہو
عشق میں حور و پری کی شرط کیا
چاہتے ہو برق مجھ پر گر پڑے
مجھ کو نظروں کے لڑانے سے ہے کام
شمعِ محفل کی اُنھیں حاجت نہیں
وہ کبھی بے کار بیٹھیں کیا مجال
رات ہو یا دن ہو سوتے جاگتے
وہ بھلا کر یاد کیا مجھ کو کریں

ج

بے غرض بھی روٹھ جانے سے غرض
ملنے جُلنے آنے جانے سے غرض
خون میں ہم کو نہانے سے غرض
اب نہ آنے سے نہ جانے سے غرض
پھر تمھیں میرے ستانے سے غرض
عشق میں تعذیر پانے سے غرض
ہے اُنھیں جلوہ دکھانے سے غرض
اہل دل کو دل لگانے سے غرض
اور کیا ہے مسکرانے سے غرض
آپ کو آنکھیں دکھانے سے غرض
ہے مرے دل کے جلانے سے غرض
اک نہ اک فتنہ اُٹھانے سے غرض
بس تمھیں ہے قہر ڈھانے سے غرض
یاد کر کے بھول جانے سے غرض

نوح کو آتا نہیں کچھ اور کام
الغرض طوفان اٹھانے سے غرض

ط

طبع زاد ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۲ء

کیوں ہم لکھیں کسی کو وفا کے اثر سے خط
انکار پر بھی آئے گا پھر کر اُدھر سے خط
دوں گا جواب میں بھی بڑی شد و مد کے ساتھ

ج

جائے اِدھر سے بھی اگر آئے اُدھر سے خط
بیرنگ بھیجتا ہوں اُنھیں اس نظر سے خط
لکھا ہے اُس نے مجھ کو بڑے کرّ و فر سے خط

بے کار تو نہ جائے مرا حالِ اضطراب
وہ دیکھتے ہیں لیکن اُچٹتی نظر سے خط

دیتے نہیں یہاں بھی مجھے چین اقربا
آتے ہیں روز وادیٔ غربت میں گھر سے خط

قاصد اگر نہیں تو نہیں مجھ کو غم نہیں
پہنچے گا اُڑ کر آپ وفا کے اثر سے خط

آوارہ گردِ عشق کو سب نے بھلا دیا
آیا نہ میرے نام کبھی میرے گھر سے خط

دیکھا تو پھر بھی اپنی جگہ نا تمام تھا
گو شام تک لکھا کئے اُن کو سحر سے خط

قاصد کے واقعاتِ سفر پھر سنوں گا میں
دے دے وہ پہلے کھول کر اپنی کمر سے خط

میں بھیجتا نہیں کبھی وہ بھیجتے نہیں
افشائے رازہائے محبت کے ڈر سے خط

سب مل کر ایک دفترِ غم ہو ہی جائیں گے
لکھے ہیں ہم نے اُن کو کئی مختصر سے خط

کیا دل کی بات اُن کو لکھوں یہ خیال ہے
رستے میں لے اُڑے نہ کوئی نامہ بر سے خط

رنگیں مزاجیوں کا ہماری یہ حکم ہے
اُس رشکِ گل کو لکھئے تو بلبل کے پر سے خط

بھیجوں بھی اُن کے پاس تو قاصد نہ جا سکے
لکھوں بھی میں اُنھیں تو پہنچے کوتر سے خط

بے شبہ میرے حق میں کوئی بھی مفید بات
دے کر جو اُس نے پھیر لیا نامہ بر سے خط

طوفانِ ذوق و شوق میں لکھ کر بہا بھی دو
اے نوحؔ یوں تو گذرے گا اُن کی نظر سے خط

ظ

١٠ر اگست ١٩٣١ء

سفینۂ نوح میں ایک غزل اور ہے

ج

تکلیف کا خیال کچھ آرام کا لحاظ
ہر وقت ہم کو چاہیے ہر کام کا لحاظ

کہتے نہیں وہ صاف کہ ہے بدنصیب کون
یوں ہے برائے نام مرے نام کا لحاظ

وہ دل فریبیاں تھیں کہ دل سے بھلا دیا
آغاز کے خیال نے انجام کا لحاظ

کیا جلد مل کر آپ کی آنکھیں بدل گئیں
باقی رہا نہ صبح کو وہ شام کا لحاظ

کہنے کو میرے پاس جو تم آ گئے تو کیا
نکلے نہ کام جس سے وہ کس کام کا لحاظ

ہیں توبہ کر کے توڑ نہ ڈالوں تو کیا کروں
خم کا مجھے خیال مجھے جام کا لحاظ

جو وقت جائے گا وہ پلٹ کر نہ آئے گا
دن رات چاہیے سحر و شام کا لحاظ

خود کام اپنے کام سے رکھتے ہیں واسطہ
اِن کی بلا کرے کسی ناکام کا لحاظ

ہم نام پر بھی جلد ترا آتا ہے ٹوٹ کر
کتنا ہے مرے دل کو ترے نام کا لحاظ

پہلے ہے رنج اور مسرت ہے بعد رنج
تکلیف کیوں نہ دے ہمیں آرام کا لحاظ

کرتا نہیں جو پاس کسی نیک نام کا
پھر کیا کرے وہ عاشقِ بدنام کا لحاظ

تو میں نے پھر بہار میں پینے کی ٹھان لی
آہی گیا چھلکتے ہوئے جام کا لحاظ

جن کو طوافِ کوچۂ محبوب ہے پسند
کرتے نہیں وہ گردشِ ایام کا لحاظ

اے نوح تو نہ ہو کہ پیمبر ہوا اس سے کیا
ہر شخص کو مگر ہے ترے نام کا لحاظ

طبع زاد ١٩ ستمبر سنہ ١٩٣٢ء

میرے اوسان کا خدا حافظ
ج
عشق میں جان کا خدا حافظ

سیکڑوں بددعائیں ملتی ہیں
تیرے دربان کا خدا حافظ

دل ہوا شیفتہ ستم گر پر
ایسے نادان کا خدا حافظ

تیر دل میں چبھو کر اُس نے کہا
اب تری جان کا خدا حافظ

وہ مجھے دھیان میں نہیں لاتے
جان پہچان کا خدا حافظ

جمع ہوں جس میں چند دیوانے
اُس بیابان کا خدا حافظ

ترکِ الفت ہم اُن سے کر بیٹھے
نفع نقصان کا خدا حافظ

میری خاطر سے کیا غرض اُن کو
رخصتی پان کا خدا حافظ

خیر مجھ کو نظر نہیں آتی
عشق میں جان کا خدا حافظ

ایک کافر سے عشق ہے مجھ کو
میرے ایمان کا خدا حافظ

دستِ وحشت ہوا گلے کا ہار
اب گریبان کا خدا حافظ

فرض ہیں اہلِ عشق پہ آداب
مجھ سے انجان کا خدا حافظ

نوح جو شعر ہے وہ ہے طوفان
تیرے دیوان کا خدا حافظ

ع

طبع زاد ٢٥ جولائی سنہ ٣٢ء

جلتی بھی ہے روتی بھی ہے چپ چاپ کھڑی شمع
ج
بے سمجھے ہوئے آگ میں کیوں کود پڑی شمع

جلتے ہوئے دیکھا نہ شبِ ہجر سحر تک
ہم سمجھے تھے دل سوز ہماری ہے بڑی شمع

یہ حسن کا جلوہ تو سحر تک نہ رہے گا
آتی ہے کوئی لحظے میں بجھنے کی گھڑی شمع

ہوتی نہ کسی شوخ کی محفل میں رسائی
جلنے کے سبب سے تری تقدیر لڑی شمع

اب چین نہ پائے گی جگنوں کی طرف سے
زحمت میں انھیں ڈال کر آفت میں پڑی شمع

ممکن ہے شبِ ہجر یہی ختم ہو پہلے
شاید نہ سہے میری طرح آنچ کڑی شمع

تنہا جو شبِ ہجر جلا میں تو مزا کیا
دے اور مرا ساتھ ابھی دو چار گھڑی شمع

دعوٰے تھا بہت حسن کا لیکن سرِ محفل
اُس رخ کے مقابل میں دم بھر بھی اڑی شمع

پروانہ و عشاق کا عقدہ نہیں کھلتا
بے درد بڑے تم ہو کہ بے درد بڑی شمع

دل سوز کوئی اور شبِ غم نہیں ہوتا
بس حالِ زبوں پر مرے روتی ہے کھڑی شمع

وہ حال تھا میرا ابھی جو تیرا تھا شبِ غم
جلنے کے سوا بات کوئی بن نہ پڑی شمع

راتوں کو گھڑی بھر بھی نہ گلتے تجھے دیکھا
کیا بزمِ حسیناں میں تری بال گڑی شمع

طوفان جہاں نوح کے اشکوں نے اٹھایا
آگ اپنی بجھانے کو وہیں کو دپڑی شمع

غ

۲۵ اگست ۱۹۳۲ء

مرے بلانے سے آئے کوئی دروغ دروغ
نہ آئے مجھ کو بلائے کوئی دروغ دروغ

پتہ کسی کا لگائے کوئی دروغ دروغ
بغیر گم ہوئے پائے کوئی دروغ دروغ

مری لگی کو بجھائے کوئی دروغ دروغ
کوئی گھڑی کو بھی آئے کوئی دروغ دروغ

ہمیشہ لطف و عنایت سے واسطہ رکھے
کبھی نہ ہم کو ستائے کوئی دروغ دروغ

ہزار ہم کفِ حسرت ملا کریں لیکن
ستم سے ہاتھ اٹھائے کوئی دروغ دروغ

اسی لئے تو قیامت کا دن مقرر ہے
سزا کئے کی نہ پائے کوئی دروغ دروغ

پیام بر یہ ہیں خواب و خیال کی باتیں
خیال و خواب ہیں آئے کوئی دروغ دروغ

تمھاری تیغ سے سب کو لگاؤ رہتا ہے
مگر گلے سے لگائے کوئی دروغ دروغ

جو اہلِ دل کی نگاہوں میں خود سمائے ہیں
نظر میں اُن کی سمائے کوئی دروغ دروغ

وہ لاکھ منع کریں لیکن اُن کی محفل میں
نہ آئے کوئی نہ جائے کوئی دروغ دروغ

گذارشیں بھی کروں میں خوشامدیں بھی کروں
تمھیں نے آگ لگائی تمھیں بجھاؤ بھی آگ

نقاب رخ سے اٹھائے کوئی دروغ دروغ
بجھائے کوئی لگائے کوئی دروغ دروغ

تمھارے سامنے طوفانِ عشق میں اے نوح
کرامت اپنی دکھائے کوئی دروغ دروغ

ف

طبع زاد ۲۲/ جون ۱۹۲۵ء

وہ کریں گے مرا قصور معاف
ہو چکا کر چکے ضرور معاف

حسن کو بے قصور کہتے ہیں
ہے قصور آپ کا قصور معاف

میں نے یہ جان کر خطائیں کیں
ہر خطا ہوگی بالضرور معاف

وہ ہنسی آگئی ترے لب پر
ہوگیا وہ مرا قصور معاف

بے خودی میں جو ہو خطا ہم سے
کم سے کم وہ تو ہو ضرور معاف

خامشی اُن کی مجھ سے کہتی ہے
اب ہوا اب ہوا قصور معاف

پھر نہ تم بخشنا کبھی مجھ کو
پہلی تقصیر ہو ضرور معاف

ہاتھ بھی جوڑے پانو پر بھی گرا
اب تو کہدو گیا قصور معاف

ہے یہی کام اُس کی رحمت کا
ہوں گے میرے گنہ ضرور معاف

اور عادت مری خراب ہوئی
کاش کرتے نہ وہ قصور معاف

خود یہ اقرار جرم کرتے ہیں
کیجیے نوح کو ضرور معاف

ق

طبع زاد ۱۵/ ستمبر ۱۹۳۲ء

سب کی سمجھ میں آسکے کیوں کر محبت کا سبق
انشا بلند املا گراں مضموں اہم معنی ادق

نکلے گی کیا حسرت مری جائے گا کیا میرا قلق
آرام کا ہوں ملتجی تکلیف کا ہوں مستحق

حسنِ تصور کا مزا پوچھے مرے دل سے کوئی
جب دونوں آنکھیں بند کیں تو کھل گئے چودہ طبق

قدرت کی رنگ آمیزیاں ظاہر اسی سے ہو گئیں
وقتِ سحر کیوں گل کھلے کیوں شام کو پھولی شفق

اُن کے جوابِ صاف کی تشریح بالاجمال ہے
لکھ کر لفافے پر پتہ بھیجا مجھے سادہ ورق

اچھی طرح واقف ہوں میں مجھ سے نہ قسمیں کھائیے
ہاں آپ کا ہر قول سچ ہاں آپ کی ہر بات حق

تکلیف وقتِ نزع کی میں اب زیادہ کیا کہوں
سمجھا اُسے بحرِ فنا نکلا جو ماتھے پر عرق

میرے غم و آزار کا عالم نہ مجھ سے پوچھیے
دل مضمحل اوسان گم سینہ بھی شق چہرہ بھی فق

کوئی شناور کیا کرے کوئی مسافر کیا کرے
بحرِ وفا ذخار ہے صحرائے الفت لق و دق

آگاہ کوئی ہو سکے تقدیر کے لکھے سے کیا
فقرے بھی نا ہموار سب مضمون بھی سارا ادق

جو چیز بھی جس کے لئے وہ چیز اُسے بخشی گئی
سر میں جنوں دل میں طلب کہتے ہیں اس کو حق بحق

اُٹھی نگاہِ سحر فن غارت گری کے واسطے
ہوش و حواس و عقل کا ابتر ہوا نظم و نسق

گورِ غریباں کی طرف بے کار میں جاتا نہیں
ایک ایک لوحِ قبر سے لیتا ہوں عبرت کا سبق

شاید رُخ اُن کے تیر کا گردوں کی جانب پھر گیا
اے شامِ غم کھلتا نہیں کیوں خوں اُگلتی ہے شفق

لطف و نشاط و عیش پر میں مطمئن ہوں کس طرح
پلٹی جہاں تیری نظر اُلٹا زمانے کا ورق

حسنِ اثر کی وجہ سے تنویر کتنی بڑھ گئی
یوں دل میں تیری یاد ہے جیسے نگیں میں ہو طبق

خنجر نے وقتِ امتحاں دونوں طرف ڈھایا ستم
میں خون میں تر ہو گیا اور آ گیا اُن کو عرق

آدابِ حسن و عشق سے تھی آگہی منصور کو
کہہ کر انا الحق ہو گیا ناحق سزا کا مستحق

دنیا کے شاکی سب رہے لیکن رہا یہ فرق بھی
جتنا تعلق جس کو تھا اُتنا ہوا اُس کو قلق

سیلابِ غم میں ڈوب کر بحرِ فنا میں ڈوبنا
اے نوح اب تک یاد ہے سب کو وہ طوفانی سبق

ک

طبع زاد ۲۵ فروری ۱۹۲۶ء

ج

جہاں میں ہر شے ہے آنی جانی نشاطِ غم اضطراب کب تک
یہ جوش کب تک اُمنگ کب تک ترنگ کب تک شباب کب تک

جو ہے انہیں شوقِ خود نمائی تو آ ہی جائیں گے سب کے آگے
رہیں گے پردے میں وہ کہاں تک نبھے گا اُن کا حجاب کب تک

کہاں وہ ساغر کہاں وہ مینا مگر وہی تشنگی ہماری
شراب نوشی کی حد ہے کوئی پلائے کوئی شراب کب تک

ہمیں ذرا بھی خبر نہیں ہے کہ آ گیا آفتاب سر پر
جو دل ہو بیدار تو یہ سوچیں سکون و آرام خواب کب تک

یہ ہم تو کمسن ہیں چاہتے تھے کہ جلد آئے کہیں جوانی / شباب میں اب یہ سوچتے ہیں کہ آخر اپنا شباب کب تک

نقاب چہرے سے وہ اٹھائیں کہ حسن اُن کو خدا نے بخشا / عیاں نہ ہو ماہتاب کیوں کر نہاں ہے آفتاب کب تک

سکونِ خاطر کے واسطے ہم دوا کریں گے دعا کریں گے / ہمیں محبت میں دیکھنا ہے نہ جائے گا اضطراب کب تک

جو ہوگی ہمیں غم کی خواہش تو شوق بھی ہوگا درسِ غم کا / پڑھیں گے الفت کے مدرسے میں ہم ابتدائی کتاب کب تک

اگر ہو ملنا تو ہم سے ملئے نہ ہو جو ملنا تو صاف کہئے / سلام کب تک پیام کب تک سوال کب تک جواب کب تک

کہیں نہ آئے جہاں پہ آفت کہیں نہ ہو جائے غرقِ عالم
جنابِ نوح اپنے اشک روکیں یہ جوشِ طوفانِ آب کب تک

گ

طبع زاد ۴ر ستمبر ۱۹۴۲ء

کیا کہوں ہم نشیں یہ میرا بھاگ / ج ایک جان اور سیکڑوں کھٹراگ

پھر کبھی مے سے توبہ کر لوں گا / اب تو بوتل کا کھل گیا ہے کاگ

دیدہ و دل کی بنبھ نہیں سکتی / اُس میں پانی ہے اور اِس میں آگ

کر کے وہ ذکر جور ڈھائیں گے / تار بولا کہ ہم نے بوجھا راگ

اب خزاں میں کہاں وہ رنگِ چمن / جلد تر لٹ گیا دلھن کا سہاگ

مفلسی میں ہے دل امیروں کا / ہم لنگوٹی میں کھیلتے ہیں پھاگ

دل ہمارا بتوں کو بھول گیا / اب نہ کاشی نظر میں ہے نہ پراگ

چور سے کہہ رہے ہیں چوری کر / اور وہ کہہ رہے ہیں ساہ سے جاگ

شعلہ رو میں نے کیوں کہا اُن کو / اور بھی ہو گئے وہ سُن کر آگ

بزمِ عیش و نشاط ہو گئی ختم / اب کہاں راگنی کہاں وہ راگ

کیوں سنبھلتا نہیں مزاج اپنا / ہے دوا و مرض میں شاید لاگ

سب ترے دوست سب مرے دشمن / اک مرا بخت ایک تیرا بھاگ

کوئی لحظے کو بھی نہیں رُکتا / توسنِ عمر کی ہے ڈھیلی باگ

قول دے کر ترا مکر جانا / مجھ سے اِتنا لگاؤ اِتنی لاگ

ہے جدھر میری منزلِ مقصود / میں اُدھر جا رہا ہوں بھاگا بھاگ

میں نے دیکھا یہ بزمِ عالم میں / اپنی ڈفلی ہے اور اپنا راگ

موسم گل ابھی نہیں آیا روز ملتے ہیں منھ پر اپنے بھبوت دل لگا کر مجھے ہوا معلوم	چل دئے گھر میں ہم لگا کر آگ عشق میں ہم نے لے لیا بیراگ عشق میں ہیں بڑے بڑے کھٹراگ

اِن کو طوفانِ خلق سے کیا ڈر
حضرتِ نوح ہیں پُرانے گھاگ

ل

۱۹ر دسمبر ۱۹۲۶ء

بہار میں نہ پئے ہر شجر بھی کیوں کر پھول
کھلے بھی خلق میں مرجھا گئے بھی اکثر پھول
صبا یہ خوش خبری دے گئی کھلا کر پھول
کبھی نکھار رنگ کسی کا کبھی کسی کی بہار
نگاہِ غور سے دیکھے کوئی حسینوں کو
بہار آگئی بن جائے اب عروسِ بہار
یہ نازکی یہ لطافت یہ رنگ اُن میں نہیں
برائے شرکتِ ماتم فرشتے آپہنچے
فنا کے بعد یہی دو ہیں خواہشیں میری
ہم اپنے داغِ جگر کو جگر سے کیوں نہ لگائیں
نہ خاک اُڑائی نہ وحشت میں خاک ہی چھانی
تری نگاہ میں ہر خار گل ہے اے بلبل
بیانِ آتشِ الفت تمام ہی نہ ہوا
ریاضِ حسن میں یہ امتیاز ناممکن
ہمارے داغِ جگر کو فنا نے شہرت دی
بہار آئی کہ فرمانِ مے کشی آیا
تمھارے سامنے میری نظر میں کچھ بھی نہیں
جنوں میں خوفِ گراں باریٔ جفا کیسا

ج

شراب اوس ہے مے خانہ باغ ساغر پھول
یہ بے ثباتِ چمن ہے نہ اِس چمن پر پھول
کہ باغ باغ ہوا باغ باغ کا ہر پھول
ریاضِ حسن میں کھلتے رہے برابر پھول
یہی ہیں چرخ پر انجم یہی زمیں پر پھول
چمن کے واسطے ہر شاخ ہر کلی ہر پھول
تمھارے سامنے آئیں گے خاک پتھر پھول
کسی شہیدِ محبت کے ہیں مقرر پھول
جلا دے شمع کوئی قبر پر چڑھا کر پھول
کہ باغِ عشق و وفا میں یہی ہے بہتر پھول
گئے ابھی سے مرے ہاتھ پاؤں کیوں کر پھول
مرے خیال میں کانٹا ہے باغ کا ہر پھول
مری زبان سے نکلا کئے برابر پھول
وہ پھول سے ہیں فزوں تر کہ اُن سے بہتر پھول
مہک چمن سے ہے باہر چمن کے اندر پھول
چمن میں مست ہوا پھول پھول پی کر پھول
چراغ آئینہ خورشید ماہ اختر پھول
ہمارے واسطے ہیں کنکر اور پتھر پھول

جو فرقِ عز و مراتب روا نہیں رکھتے
نظر تو آتے ہیں لیکن نظر نہیں آتے

وہ یہ بھی کہہ دیں کہ چاندی کے ہے برابر پھول
زمین پر کبھی تارے کبھی فلک پر پھول

جنابِ نوح نے اکیس ۲۱ گل کھلائے ہیں
مگر ہے رنگ میں ہر پھول سے جدا ہر پھول

پوچھتے رہتے ہیں وہ خود اپنے دیوانے کا حال

۳۰ر دسمبر ۳۳ء کو دوسرا مشاعرہ پھر جی، بی کالج مظفر پور میں ہوا کچھ پتہ راہ کا نہ منزل کا مفصل حالات مشاعرہ اس غزل کے عنوان پر درج ہیں

ج

کس طرح دل سے بھلا دے اپنے ویرانے کا حال
یہ ہے ماضی یہ ہے مستقبل یہ دیوانے کا حال

کیا کہوں اے محتسب میں تجھ سے مے خانے کا حال
آتے جاتے دیکھ چلتے پھرتے پیمانے کا حال

گل بھی رخصت شمع بھی غائب عزاداری بھی ختم
قبر میں ظاہر ہوا لوگوں کے یارانے کا حال

قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری
جانتے ہیں ساقی و مے کش ہی پیمانے کا حال

شمعِ سوزاں نے لگا دی آگ سب کے سامنے
اہلِ محفل پر نہ کیوں روشن ہو پروانے کا حال

آٹھویں دسویں نکل جاتا ہوں جب میں اس طرف
کعبے والے پوچھتے ہیں مجھ سے بت خانے کا حال

خود بخود رونا کبھی پھر خود بخود ہنسنا کبھی
مختصر لفظوں میں ہے یہ تیرے دیوانے کا حال

موسمِ گل میں نکالے مے کدے نے ہاتھ پاؤں
ہو گیا اب اور سے کچھ اور پیمانے کا حال

ماجرائے قیس میرے ذہن میں محفوظ ہے
ایک دیوانے سے سنئے ایک دیوانے کا حال

فصلِ گل میں قلقلِ مینا کے نغمے قہر تھے
وجد وہ توبہ کا اے ساقی وہ پیمانے کا حال

ایک اک ذرہ گرفتارِ مصائب آپ ہے
ہم کہیں ایسے میں کس سے اپنے ویرانے کا حال

حال اُن کا پوچھتا پھرتا تھا دیوانہ کبھی
لیکن اب وہ پوچھتے پھرتے ہیں دیوانے کا حال

کیا کریں زاہد کی تسبیحِ ریائی دیکھ کر
ہم کو ہے معلوم اِس کے ایک اک دانے کا حال

بات گھر کی خاص گھر والوں سے چھپ سکتی نہیں
ہر برہمن جانتا ہے اپنے بت خانے کا حال

کام کر جائیں گی جوشِ عشق کی ناکامیاں
ہو گا وہ بے حال جو دیکھے گا دیوانے کا حال

سب خیال و خواب تھا وہ ارتباطِ حسن و عشق
ہے یہ دو فقروں میں اگلے پچھلے یارانے کا حال

خم لنڈھا کر نوح نے طوفان برپا کر دیا
کون کہہ سکتا ہے اب کیا ہو گا مے خانے کا حال

حسب فرمائش گراموفون کلکتہ ۲ر جون ۱۹۳۴ء

چاہتا ہے مبتلائے دردِ دل ج دردِ دل ہو خود دوائے دردِ دل

میرے کہنے تیرے سننے کے لئے
حضرتِ عیسےٰ تو پہنچے چرخ پر
دردِ دل کو کس لئے الزام دوں
چپ ہمیشہ کے لئے ہم ہو گئے
اور ہوتا ہے یہ درماں سے سوا
ہم نے مانا دردِ دل مٹ جائے گا
کچھ محبت آپ نے کچھ ہم نے کی
اس کے سننے کو کلیجا چاہیئے
ہو گیا سارا جہاں بیمارِ عشق
خوگرِ آزار مجھ سا کون ہے

ہے وہی اک ماجرائے دردِ دل
پوچھئے کس سے دوائے دردِ دل
میں ہوا خود مبتلائے دردِ دل
اُن سے کہہ کر ماجرائے دردِ دل
کیا کرے کوئی دوائے دردِ دل
سوزِ دل ہو گا بجائے دردِ دل
یوں ہوئی نشوونمائے دردِ دل
سُن چکے وہ ماجرائے دردِ دل
چل گئی ایسی ہوائے دردِ دل
ہوں ازل سے مبتلائے دردِ دل

غرقِ طوفانِ مصائب ہو گئے
نوحؔ تھے نا آشنائے دردِ دل

م

طبع زاد ۲ر اکتوبر ۱۹۲۴ء

ربط اگر ہو آپس میں تو نہ اذیت پائیں ہم
بے دردوں کی محفل میں جی کیوں کر بہلائیں ہم
رازِ وفا و الفت پر کب پہنچی اوروں کی نظر
شام کو آیا ہے کوئی صبح کو اُٹھ کر چل دے گا
نقشِ محبت سوزِ دل داغ تمنا دردِ جگر
جانتے ہو تم خود اِتنا اب اِتنے نادان نہیں
حسن و عشق کی دنیا میں اپنی اپنی قسمت ہے
تم جو یہ اکثر کہتے ہو لطف نہیں اب جینے کا
دل لے جاؤ شوق سے تم لیکن قولِ وفا دے کر
مٹ گئے سب اسبابِ طرب خون ہوا امیدوں کا
عذرِ ستم اقرارِ وفا یہ تو روز کے قصے ہیں

ج

جائیں ہم بلوائیں وہ آئیں وہ بلوائیں ہم
آنا جانا بند ہوا اب خاک آئیں جائیں ہم
سمجھو تم سمجھانے دل کچھ دل سمجھائیں ہم
اترانے کی بات بھی ہو اِس پر کیا اترائیں ہم
اِن کے مٹنے سے پہلے دنیا سے مٹ جائیں ہم
کیا ہے بری کیا بات اچھی کیا اس کو سمجھائیں ہم
دل لے کر اتراؤ تم دل دے کر پچھتائیں ہم
اور اِس سے مطلب کیا ہے کچھ کھا کر مر جائیں ہم
کچھ بے تابی کچھ ہو سکوں کچھ کھوئیں کچھ پائیں ہم
کیا کہہ کر اپنے دل کو ایسے میں سمجھائیں ہم
اور کچھ ایسی بات کہو جس سے خوش ہو جائیں ہم

ہر انسان کو موقع پر ہنسنا رونا آتا ہے
بے ہوشی کا درماں کب دور سے ہوتے دیکھا ہے

پھول اُدھر برسائیں وہ اشک اِدھر برسائیں ہم
آپ قریب آتے ہی نہیں آپ میں کیوں کر آئیں ہم

کیوں طوفان اُٹھاتے ہو غرقِ فنا کیوں کرتے ہو
نوحؔ جو ہم کو مل جائیں تو یہ اُنھیں سمجھائیں ہم

طبع زاد ۳۱ر جنوری ۱۹۲۶ء

رکھتے ہی نہیں اور حسینوں کی خبر ہم
دنیائے محبت میں جدھر آپ اُدھر ہم

پھرتے رہے بے کار اِدھر اور اُدھر ہم
دل میں نظر آتا کوئی کرتے جو نظر ہم

اے بے خودیِ جلوہ گہِ ناز بتا دے
ہم کو نہیں معلوم کدھر دل ہے کدھر ہم

کعبہ ہو کہ بت خانہ ہوا ہے حضرتِ واعظ
جائیں گے جدھر آپ نہ جائیں گے اُدھر ہم

دنیا میں ہزاروں ہیں ترے چاہنے والے
کوئی بھی نہیں خوگرِ بیداد مگر ہم

دل میں تو نہ تھا پہلے سے کعبے کا ارادہ
پہنچے ہیں بھٹکتے ہوئے اللہ کے گھر ہم

دو گھونٹ بھی مے تیسرے چوتھے نہیں دیتا
ساقی کا یہ مطلب ہے پئیں خونِ جگر ہم

مانا کہ رسائی نہ ہوئی قربِ مکاں تک
کیا کم ہے یہی جان گئے آپ کا گھر ہم

آنکھیں تو ملیں سیرِ دو عالم کے لئے دو
رکھتے ہیں مگر سب کی طرف ایک نظر ہم

اوقاتِ نوازش جو مقرر نہ ہوئے تھے
بیٹھے رہے محفل میں تری آٹھ پہر ہم

کھل جائے بھرم عشق میں آدابِ وفا کا
بھولے سے بھی ہوں مائلِ فریاد اگر ہم

ہر دم وہی بیداد وہی ذوق وہی عشق
کس درجہ نڈر تم ہو نڈر دل ہے نڈر ہم

آئینے کی تقدیر خدا کیوں نہیں دیتا
یعنی رہیں ہر وقت ترے پیشِ نظر ہم

وہ جلوہ گہِ ناز ہیں تشریف جو لائے
سب سے ہوئے پہلے ہدفِ تیرِ نظر ہم

وہ کہتے ہیں گھر سے جو ہمارے نہیں جاتے
تو اس سے غرض کیا ہے رہیں آپ کے گھر ہم

شعلہ وہ اُٹھا دل سے کہ ٹھنڈے ہوئے جل کر
اے شامِ شبِ ہجر تھے کیا شمعِ سحر ہم

اِس سمت اگر دیر تو اُس سمت حرم بھی
سالک یہ کھڑے سوچتے ہیں جائیں کدھر ہم

اے نوحؔ محبت ہمیں وہ دن نہ دکھائے
زخمِ دلِ بے تاب ہو شرمندۂ مرہم

مشاعرہ شاہ جہاں پور ۴ر اپریل ۱۹۴۲ء

کس لئے پینے کو مانگیں بادہ و پیمانہ ہم
کیوں کہیں اپنے کو سوزِ عشق سے بیگانہ ہم

ہو گئے بدمست ساقی دیکھ کر مے خانہ ہم
تم جلاؤ ہم جلیں تم شمع ہو پروانہ ہم

کچھ دنوں صحرا بصحرا اب اُڑائیں خاک بھی
مدتوں پھرتے رہے ویرانہ در ویرانہ ہم

وہ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں فرماتے رہیں
لیکن اپنے کو کہیں کس واسطے دیوانہ ہم

اُس قدر بھر جائے پی کر جس قدر خالی کریں
چاہتے ہیں کوئی اِس ترکیب کا پیمانہ ہم

اِس طرح احساسِ آدابِ مقامی اُٹھ گیا
بزم میں بلبل بنے گُل زار میں پروانہ ہم

سر بسجدہ کیوں نہ ہوتے اپنے دل کے سامنے
سُن چکے تھے واقعاتِ کعبہ و بت خانہ ہم

قبلِ اظہارِ محبت دل طلب کرتے ہیں آپ
جُرم سرزد ہو نہ ہو دے دیں مگر جرمانہ ہم

محفلِ ساقی کے چکر بے سبب ہوتے نہیں
ڈھونڈتے رہتے ہیں اپنے نام کا پیمانہ ہم

آرزوئیں چند نکلیں حسرتیں چند آ گئیں
خانۂ دل کو سمجھتے ہیں مسافر خانہ ہم

بزمِ سوز و ساز میں یہ بھی ہے دل سوزی کوئی
سیکڑوں پروانے جل جائیں کریں پروانہ ہم

مے کدے میں ہر گھڑی ساغر چھلکتا ہی رہے
جان لیں کیوں اس کو اپنی عمر کا پیمانہ ہم

جان بھی اب اُن کو دے دیں دل تو پہلے دے چکے
کیا کریں اس کے سوا اے ہمتِ مردانہ ہم

حسنِ مطلق کا نشاں کعبے میں تو ملتا نہیں
احتیاطاً آؤ چل کر دیکھ لیں بُت خانہ ہم

اور کیا پیرِ مغاں دیتا سخاوت کا ثبوت
پا گئے خم مے کدے میں مانگ کر پیمانہ ہم

اِس طرح سمجھا رہے ہیں وہ ہمیں آدابِ عشق
جیسے ہوں بالکل ہی اِن اسرار سے بے گانہ ہم

گُل بداماں ہے چمن ساغر بکف ہر شاخِ گُل
کیوں نہ ایسے میں کریں اک نعرۂ مستانہ ہم

کشمکشِ دیر و حرم کی کس سے جھیلی جائے گی
ہے یہی بہتر کہ رکھیں مشربِ رندانہ ہم

دل کسی کو سونپ کر کیا دل کا غم اب کیجئے
لے چکے سودائے الفت دے چکے بیعانہ ہم

کیوں فلک سے آشیاں پر ٹوٹ کر گرتی نہیں
برقِ سوزاں کو سمجھتے ہیں چراغِ خانہ ہم

عمر بھر پامالِ یارانِ چمن کرتے رہے
گلشنِ ہستی میں تھے کیا سبزۂ بے گانہ ہم

ہو جو اِن لفظوں میں وہ عہدِ محبت کچھ نہیں
نبھ سکے گا تو نباہے جائیں گے یارانہ ہم

بجھ چکی تھی شمعِ محفل اُٹھ چکے تھے اہلِ بزم
کس سے کہتے قصۂ خاکسترِ پروانہ ہم

وقت جو گذرے جنوں میں قدر اُس کی چاہئے
جوششِ وحشت تک ہے سب کچھ پھر نہ یہ صحرا نہ ہم

عمر بھر دریائے ذوق و شوق میں بہتے رہے
نوح اِس طوفان سے رکھتے نہ کیوں یارانہ ہم

ن

طبع زاد

ہم عشق میں اُن مکاروں کے بے فائدہ جلتے بھُنتے ہیں
ہم کچھ نہ کسی سے کہتے ہیں ہم کچھ نہ کسی کی سُنتے ہیں
الفت کے فسانے پر دونوں سر اپنا اپنا دھُنتے ہیں
دل سا بھی کوئی ہمدرد نہیں ہم سا بھی کوئی دل سوز نہیں
تقدیر کی گردش سے نہ رہا محفوظ ہمارا دامن بھی
آج آئیں گے کل آئیں گے کل آئیں گے آج آئیں گے
آہیں نہ کبھی منھ سے نکلیں نالے نہ کبھی آئے لب تک
مرغانِ چمن بھی میری طرح دیوانے ہیں لیکن فرق یہ ہے
ہو بزم طرب یا بزم الم ہر مجمع میں ہر موقع پر
گلزارِ جہاں کی نیرنگی آزار جنھیں پہنچاتی ہے
آزار و ستم کے شکووں کا جھگڑا ابھی چکنے قصہ بھی مٹے
گھبرا کے جو میں اُن کے در پر دیتا ہوں کبھی آواز نہیں

ق

مطلب جو ہمارا اُس سن کر کہتے ہیں ہم اونچا سُنتے ہیں
بیٹھے ہوئے بزمِ دلکش میں بس دل کے ٹکڑے چُنتے ہیں
ہم سُنتے ہیں وہ کہتے ہیں ہم کہتے ہیں وہ سُنتے ہیں
ہم جلتے ہیں تو دل جلتا ہے دل بھُنتا ہے تو ہم بھُنتے ہیں
چُنتے تھے کبھی ہم لالہ و گل اب کنکر پتھر چُنتے ہیں
مدت سے یہی وہ کہتے ہیں مدت سے یہی ہم سنتے ہیں
ہو ضبطِ تپِ الفت کا بُرا ہم دل ہی دل میں بھُنتے ہیں
میں دشت میں تنکے چُنتا ہوں وہ باغ میں تنکے چُنتے ہیں
ہم شمع کے شعلے کی صورت جلتے بھی ہیں سر بھی دھُنتے ہیں
کانٹوں کو ہٹا کر دامن میں وہ پھول چمن کے چُنتے ہیں
تم سے جو کہے کچھ بات کوئی کہہ دو اسے ہم کب سنتے ہیں
تو کہتے ہیں وہ ٹھہرو دم لو آتے ہیں ابھی افشاں چُنتے ہیں

اے نوح کہاں وہ جوش اپنا وہ طور اپنے وہ بات اپنی
طوفان اُٹھاتے تھے پہلے اب حسرت سے سر دھُنتے ہیں

لئے جاتا ہے پھر شوقِ اسیری مجھ کو زنداں میں

اس مشاعرے کا اعلان جو ۲۸ اگست ۱۹۱۸ء کو شاہ جہاں پور میں ہونے والا تھا ایک مہینہ پہلے بڑی دھوم دھام کے ساتھ منظور علی صاحب ارشاد نے کیا لیکن باہر سے شعرا بہت کم آئے اور جو تلہر وغیرہ سے لوگ آئے بھی اُن کو سخت تکلیف اُٹھانی پڑی مقامی شعرا میں سے سید تصدق حسین صاحب قرار و حکیم منشی ضمیر حسن خاں صاحب دل کے علاوہ جناب بے باک، رسوا، ارمان اسعد وغیرہ اور بدایوں سے جناب عطا و خلیل و زلالی وغیرہ موجود تھے غزلیں قریب قریب سب اچھی تھیں لیکن مشاعرے کا رنگ خراب رہا کچھ دنوں کے بعد دوسرا مشاعرہ اسی طرح پر جناب مرزا عثمان غنی صاحب غنی نے اپنی شادی میں کیا حسن منزل بیدن ٹولہ الہ آباد میں دس بجے رات کو شروع ہو کر پانچ بجے صبح کو ختم ہوا مقامی شعرا کے علاوہ جناب گوہر اور ذرہ کانپور سے آئے تھے

اگر یہ جانتے تو ہم نہ روتے عشقِ جاناں میں
یہ کیسا توڑ تھا اُن کے نکیلے تیرِ مژگاں میں
جو نکلے حکمِ جاناں سے جو نکلے بزمِ جاناں میں
یہ دے گا کام اور اُس پر جنوں کی پردہ پوشی کا
یہی دستور تھا پہلے یہی معمول ہے اب بھی

ق

جنابِ نوح کی کشتی بھی ہوگی غرق طوفاں میں
چبھا میری رگِ دل میں رگِ دل سے رگِ جاں میں
وہی حسرت میں حسرت ہے وہی ارماں ہے ارماں میں
گریباں ڈال کر دیکھے تو منھ اپنا گریباں میں
اُدھر نکلا اِدھر پھر آ گیا میں بزمِ جاناں میں

خزاں میں پتی پتی دے رہی ہے درس عبرت کا
ہمارے دل سے کیا ارمان سب اک ساتھ نکلیں گے
جو اہلِ ذوق ہیں وہ لطف اٹھا لیتے ہیں چل پھر کر
کسی کے وعدۂ فردا کو برسوں ہو گئے لیکن
بڑھے دستِ جنوں تو ہم نے یہ کہہ کر انھیں رد کا
عنادل کی تمنا اور کیا اس کے سوا ہو گی
جھجکتے ہیں اُدھر جاتے ہوئے اب راہ چلتے بھی
اِدھر حسرت اسیری کی اُدھر کھٹکا رہائی کا
وطن جا کر وطن والوں سے کیا دل بستگی ہو گی
اُدھر بجلی بھی دشمن اور اِدھر صیاد و صرصر بھی
نکلتا ہوں اُدھر سے تو صدا رونے کی آتی ہے
چمن میں قطرۂ شبنم کی ہستی کوئی ہستی ہے
نکل کر اور قیدی تو سب اپنے گھر پہنچے

بھرے ہیں سیکڑوں مضموں اِن اوراقِ پریشاں میں
کہ قیدی مختلف میعاد کے ہوتے ہیں زنداں میں
گلستاں کا گلستاں میں بیاباں کا بیاباں میں
چلی جاتی ہیں چوٹیں آج تک امید و حرماں میں
گریباں ہی گریباں ہے نہیں کچھ بھی گریباں میں
خزاں جائے گلستاں سے بہار آئے گلستاں میں
قیامت چھاؤنی چھائے پڑی ہے کوئے جاناں میں
مناسب ہے مجھے چنوا دیں وہ دیوار زنداں میں
بڑا حصہ تو میری عمر کا گذرا بیاباں میں
خداوندا ہمیں کانٹا ہیں کیا سارے گلستاں میں
ابھی کچھ مرنے والے جی رہے ہیں کوئے جاناں میں
نہ ہونے کے برابر ہے مرا ہونا بیاباں میں
ہمیں اک رہ گئے آزار و غم سہنے کو زنداں میں

نتیجہ اشک باری کا جو یہ نکلا تو کیا نکلا
بہے جاتے ہیں خود بھی اب جنابِ نوح طوفاں میں

طبع زاد ۳۰ جولائی ۱۹۱۸ء

کچھ لختِ جگر کچھ خونِ جگر کھا پی کے ہی میں جیتا ہوں
سُن سُن کے مری تکلیفوں کو اوروں کے حواس اُڑ جاتے ہیں
کرتا ہوں گریباں کے ٹکڑے بعد اس کے اُڑاتا ہوں پرزے
تو قیر محبت والوں سے پوچھیں وہ محبت والوں کی
جلسے کبھی گھر پر ہوتے تھے ہر وقت چھلکتے تھے ساغر
اب اور کوئی دم ساز نہیں اب اور کوئی غم خوار نہیں
اوروں کو وہ ساغر دیتے ہیں اوروں کو ساغر دیتے تھے
اب بھی نہ اگر مانو مجھ کو تو قہر و غضب یہ ہے کہ نہیں

ق

کیا کھاتا ہوں یہ کھاتا ہوں کیا پیتا ہوں یہ پیتا ہوں
مجھ کو تو اِسی کی حیرت ہے میں عشق میں کیوں کر جیتا ہوں
پھر کر کے بہم اُن پُرزوں کو اُن سب ٹکڑوں کو سیتا ہوں
جو دیکھ کر اُن کو مرتا ہے میں دیکھ کر اُن کو جیتا ہوں
اب آٹھویں دسویں بیسویں دن مے خانے میں چھپ کر پیتا ہوں
دل دیکھ کے مجھ کو جیتا ہے میں دیکھ کے دل کو جیتا ہوں
میں گھونٹ لہو کے پیتا تھا میں گھونٹ لہو کے پیتا ہوں
ہر شرطِ وفا و اُلفت کی تم ہارے ہو میں جیتا ہوں

طوفان بھرا ہے آنکھوں میں تیار ہیں آنسو بہنے پر
اے نوح اسی باعث سے میں اب اپنی پلکیں سیتا ہوں

طبع زاد ۵ جنوری ۱۹۱۹ء

ہزاروں رنج دل دے دے کے معشوقوں کو جھیلے ہیں
یہ پاپڑ کس نے بیلے ہیں یہ پاپڑ ہیں نے بیلے ہیں

کسی کے عشق میں آزار کیا کیا ہم نے جھیلے ہیں
ہزاروں ہیں اگر کھٹراگ تو لاکھوں جھمیلے ہیں

یہ صورت ہے تو مشکل تر ہے ساحل آشنا
مرے دشمن مرے طوفانِ بحرِ غم کے ریلے ہیں

ضعیفی میں ہماری تلخ کامی بڑھتی جاتی ہے
یہ پچھلی عمر کے دن کس قدر کڑوے کسیلے ہیں

کبھی دل دے دیا ہم نے کبھی دل لے لیا ہم نے
محبت میں ہزاروں اس طرح کے کھیل کھیلے ہیں

وہی عالم رہا مرقد میں بھی فرقت نصیبوں کا
یہ بے چارے اکیلے تھے یہ بے چارے اکیلے ہیں

قیامت میں نہیں سامان کچھ تفریحِ خاطر کا
سیہ کاری کی پرسش ہے گنہ گاروں کے میلے ہیں

ق

اگر رشک ہو تو سمجھا دوں اگر کہ دے تو گنوا دوں
تری خاطر سے میں نے رنج دنیا بھر کے جھیلے ہیں

شہیدِ آرزو کا عرس شاید یوں ہی ہوتا ہے
ہماری قبر پر یاس و غم و حسرت کے میلے ہیں

وہ کہتا ہے نکلوا کر انھیں تم پھینک دو باہر
مری آنکھوں کے ڈھیلے کیا کوئی مٹی کے ڈھیلے ہیں

خدا جانے کیامت آئے کیا اہلِ قیامت پر
یہ وہ میلا ہے جس میلے میں لاکھوں ہی جھمیلے ہیں

اب اُن کا ذکر کرنا بھی مجھے تکلیف دیتا ہے
جگر نے غم اٹھائے ہیں جو صدمے دل نے جھیلے ہیں

عجب کیا اب جنابِ نوح کی کشتی بھی بہ جائے
کہ طوفانِ محبت کے قیامت خیز ریلے ہیں

طبع زاد ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۹ء

سونا ہے مکان آپ کا معلوم نہیں کیوں
وہ بھیڑ نہیں شور نہیں دھوم نہیں کیوں

واقف ہے مرے دردِ محبت سے زمانہ
معلوم نہیں یہ تمھیں معلوم نہیں کیوں

بے ربط بہت ہے خطِ قسمت کی عبارت
اس کا کوئی مطلب کوئی مفہوم نہیں کیوں

کیا کہتے ہو مجھ کو نہیں معلوم ترا حال
معلوم ہے معلوم ہے معلوم نہیں کیوں

کیا مر گئے کچھ کھا کے ترے چاہنے والے
اب نالہ و فریاد کی وہ دھوم نہیں کیوں

لینا تھا سبق ہم کو بھی آدابِ ستم کا
ظالم ترے در پر کوئی مظلوم نہیں کیوں

ق

کیا مل گئی تھوڑی سی جگہ اُن کی گلی میں
پہلو میں مزارِ دلِ مرحوم نہیں کیوں

وہ پوچھتے ہیں مجھ سے وفا کہتے ہیں کس کو
سب کچھ تو ہے معلوم یہ معلوم نہیں کیوں

کہتے تھے کہ مرنے پہ ترے غم ہمیں ہوگا
اب مر جو گیا میں تو وہ مغموم نہیں کیوں

الطاف و کرم میں ترے تخصیص یہ کیسی
محروم کوئی ہے کوئی محروم نہیں کیوں

سنتے ہیں کہ آرام پسِ مرگ ملے گا
گھبراتا ہے دل موت سے معلوم نہیں کیوں

ہو بھی تو زمانے میں کوئی پوچھنے والا
اسرارِ حقیقت ہمیں معلوم نہیں کیوں

لازم تو یہ تھا آپ ہی آکر وہ اُٹھاتے / عاشق کے جنازے پہ کوئی دھوم نہیں کیوں

اے نوحؔ وہ بولے مرے قاصد سے بگڑ کر / شاعر کا یہ نامہ ہے تو منظوم نہیں کیوں

باقی ابھی کچھ خون کے قطرے ہیں جگر میں

اس طرح پر میور کالج الہ آباد کے ہندو بورڈنگ ہاؤس میں ۱۶ ر نومبر ۱۹۱۹ء کو زیر صدارت پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی مشاعرہ ہوا کالج کے طلبا کے علاوہ سید محمد فاخر صاحب بیخودؔ۔ سید ماجد علی صاحب ماجدؔ وکیل الہ آبادی و جوہر صاحب زید پوری و مولانا ناصری صاحب لکھنوی وغیرہ نے بھی اپنی اپنی غزلیں پڑھیں اس مشاعرے میں ہائی کورٹ کے تمام وکلا اور شہر کے معزز اصحاب و عہدہ دار و اہل کا موجود تھے اور دو ہزار سے زیادہ آدمیوں کا مجمع تھا لیکن بدنظمی بھی بہت تھی اس میری غزل میں کچھ پرانے اشعار اس غزل کے بھی ہیں جو پہلے دیوان سفینۂ نوح میں بہت زمانہ ہوا شایع ہو چکی ہے

کعبے میں جو کچھ ہو تو کھُپے بھی وہ نظر میں / اللہ ہی اللہ ہے اللہ کے گھر میں

ق

تکلیف اُنھیں ہو نہیں سکتی مرے گھر میں / دل میں رہیں آنکھوں میں رہیں وہ کہ نظر میں

اتنا تو اثر آئے تری شوخ نظر میں / ناوک میں جگر ہو کبھی ناوک ہو جگر میں

یہ شرم انوکھی ہے یہ پردہ ہے نرالا / چھپتے ہیں وہ آنکھوں سے جو پھرتے ہیں نظر میں

شاید وہ کبھی سوزنِ مژگاں سے نکالیں / ہم پھانس چبھو لیتے ہیں خود اپنے جگر میں

کہنے کو تو دونوں کی وہی ایک نظر ہے / ہے فرق مگر میری نظر اُن کی نظر میں

آنکھوں میں پہنچ کر کبھی بن جائیں گے آنسو / جتنے یہ مرے خون کے قطرے ہیں جگر میں

تم جاؤ مرے دل سے کہ ہوتا ہے مجھے وہم / کیا گھر نہیں اِن کے جو یہ ہیں اور کے گھر میں

تصویر سے کھلتی ہے مصور کی حقیقت / اللہ کی قدرت نظر آتی ہے بشر میں

جو مٹ نہیں سکتا کبھی جو بھر نہیں سکتا / وہ داغ مرے دل میں ہے وہ زخم جگر میں

اے نوحؔ پڑھو اور بھی کوئی غزل ایسی / جو دل میں اُتر جائے سما جائے نظر میں

کیوں کر اسے مانوں کہ ہے دل اُن کی نظر میں / رکھتا ہی نہیں مال کوئی لوٹ کا گھر میں

فرماتے ہیں وہ دیکھ کے حیراں مجھے گھر میں / دیوار کہاں سے یہ کھڑی ہو گئی در میں

کیا ہو مری توقیر لٹیروں کی نظر میں / کوڑی بھی کفن کو نہیں محتاج کے گھر میں

یہ حسن یہ انداز یہ صورت یہ جوانی / تم خود نہ سما جاؤ کہیں اپنی نظر میں

مسجد میں مناسب نہیں مے خوار کو پینا / اوّل تو بُرا کام پھر اللہ کے گھر میں

فریاد بھٹکتی ہی پھری دل سے نکل کر / ملتا نہیں آرام مسافر کو سفر میں

مشتاق نگاہیں رہیں جلوے سے بھی محروم / دولت ہے ترے حسن کی آئینے کے گھر میں

تلوار کمر سے نہ بندھی ہے نہ بندھے گی
کیوں کر وہ لگائیں گے گرہ تارِ نظر میں

قدرت وہ خدا کی ہے جو آ ہی نہیں سکتی
اور اک بشر فہم بشر عقلِ بشر میں

دیکھے کوئی اُس وقت پتنگوں کا تماشا
جب کچھ بھی نہ رہ جائے ضیائے شمع سحر میں

رُکتے ہوئے تنتے ہوئے لڑتے ہوئے دیکھا
تھوڑی سی برائی بھی ہے اچھوں کی نظر میں

اے نوح جو میں روؤں تو بہتی پھرے دنیا
طوفان بھرا ہے وہ مرے دیدۂ تر میں

اعجاز امروہہ کے لئے ۸ مئی ۱۹۲۱ء کو یہ غزل کہی گئی

قیامت کا کلیجا آپ کے نخچیر رکھتے ہیں
کوئی ترکش میں رکھتا ہے یہ دل میں تیر رکھتے ہیں

ہم اپنے دل کے پردے میں تری تصویر رکھتے ہیں
بڑے تقدیر والے ہیں بڑی تقدیر رکھتے ہیں

فغاں میں آہ میں فریاد میں تاثیر رکھتے ہیں
زمیں والے بھی کیا کیا آسمانی تیر رکھتے ہیں

جو انداز نظر میں قوتِ تسخیر رکھتا ہے
وہ سُن رکھے کہ ہم بھی آہ میں تاثیر رکھتے ہیں

کبھی زنداں میں پھر شاید ضرورت پیش آ جائے
ہم اپنے پانو کی اُتری ہوئی زنجیر رکھتے ہیں

کلیجے کے قریں آنکھوں کے آگے دل بہلنے کو
کوئی رکھے نہ رکھے ہم تری تصویر رکھتے ہیں

انھیں احساس ہی تکلیف و راحت کا نہیں ہوتا
خدا رکھے عجب دل عاشقِ دلگیر رکھتے ہیں

بتوں سے دوستی کیا ہو بتوں سے واسطہ کیوں ہو
پرستش کے لئے ہم آپ کی تصویر رکھتے ہیں

یہ ممکن تھا کہ اقرارِ زبانی سے مکر جاتے
سند میں ہم تمھارے ہاتھ کی تحریر رکھتے ہیں

لڑیں جس سے نگاہیں پھر اُسے زندہ نہیں دیکھا
حسینانِ جہاں آنکھوں میں کیا تاثیر رکھتے ہیں

اب اور اس سے زیادہ احترام حسن کیوں کر ہو
کہ دل کے آئینے میں ہم تری تصویر رکھتے ہیں

نہیں معلوم انھیں تم دیکھتے ہو کیوں حقارت سے
جنابِ نوح بھی تھوڑی بہت جاگیر رکھتے ہیں

رہ گئی ایک تمنا ہی تمنا دل میں

۶ فروری ۱۹۲۰ء کو لشکر گوالیار میں ایک مشاعرہ عزیزی بدری پرشاد سلمہٗ خلف جناب عمدۃ الشعرا ناثر الملک منشی نارائن پرشاد مہر جانشین حضرت داغ دہلوی رح کی شادی کے موقع پر قاضی ریاض الدین صاحب ریاض جیوری کے اہتمام سے ہوا مقامی شعرا میں سے جناب قمر مولوی ناصر حبیب صاحب ناصر نبیرۂ جناب مومن دہلوی رح و ریا صاحب دعا صاحب ہاشمی صاحب تاباں صاحب ڈاکٹر ضیا صاحب ناز صاحب موج صاحب رعد صاحب وغیرہ اور باہر کے مشہور شعرا میں سے دل گیر صاحب اکبرآبادی و مانی صاحب جائسی و مخمور صاحب دہلوی وغیرہ موجود تھے صدارت کے لئے مجھے لوگوں نے تجویز کیا میں نے آخر میں غزل پڑھی۔

وہی عالم وہی عالم کا بکھیڑا دل میں
ایک دنیا میں ہے دل ایک ہے دنیا دل میں

کوئی ہنگامۂ الفت نہ ہو برپا دل میں
آپ دل لے کے یہ اب چاہتے ہیں کیا دل میں

اُن کا پیکاں جو چُبھا میں یہی سمجھا دل میں
دل ہوا اور بھی شاید کوئی پیدا دل میں

دور سے پوچھتے ہو دل میں تمھارے کیا ہے
آ کے آغوش میں پوچھو کبھی ہے کیا دل میں

دل دیا تجھ کو اگر میں نے تو کس دل سے دیا
تو نے جانچا کبھی سوچا کبھی سمجھا دل میں

ہم سے وہ جلد ملے چھُپ کے ملے کُھل کے ملے
آج بھی دل میں یہ ہے کل بھی یہی تھا دل میں

دم نہیں جوش نہیں ذوق نہیں شوق نہیں
دل ہی دل اب ہے فقط پہلے تھا کیا کیا دل میں

کچھ رہے یا نہ رہے جی کے بہلنے کو رہے
شوق کا شوق تمنا کی تمنا دل میں

اور میں اِس کے سوا اِن کا ادب کیا کرتا
تیغ کو سر پہ لیا تیر کو رکھا دل میں

ناوکِ ناز نکل جائے کوئی پھانس نہیں
یہ مرے دل میں رہا ہے یہ رہے گا دل میں

تیر چھوٹے ہوئے مِلنے کے نہیں اور کہیں
یا کلیجے میں مرے پاؤ گے تم یا دل میں

ہوگیا خارِ محبت کا نکلنا مشکل
یہی کانٹا ہے جگر میں یہی کانٹا دل میں

یہ بتاتے ہوئے آتا ہے کلیجا منھ کو
کیا مرے دل سے گیا اور رہا کیا دل میں

منھ سے تو کہتے ہو اچھا بھی بُرا بھی لیکن
تم بُرا مجھ کو سمجھتے ہو کہ اچھا دل میں

کثرتِ یاس سے اِس گھر کو بھی برباد کیا
اب وہاں غم ہے جہاں شوق کبھی تھا دل میں

رازِ الفت جو کُھلے گا تو ندامت ہوگی
فیصلہ کیوں نہیں کرتا کوئی دل کا دل میں

دعوتِ خارِ تمنا کی مجھے فکر ہوئی
کوئی قطرہ جو کبھی خون کا دیکھا دل میں

جان جائے گی غضب آئے گا مر جائیں گے
ہم نے دل دیتے ہوئے یہ بھی نہ سوچا دل میں

آپ حسرت کو نکالیں بھی تو کیا ہوتا ہے
اِسے رہنا اسے جینا اسے مرنا دل میں

بے دھڑک اہلِ محبت سے تو کرتے ہو طلب
دل ہے کیا چیز کبھی تم نے یہ سوچا دل میں

حضرتِ نوح بھی روکیں تو ہے رکنا دشوار
ہے وہ طوفان مرے دیدۂ دریا دل میں

طبع زاد ۱۴ ستمبر سنہ ۱۹۲۰ء

اُس بتِ کافر کو اِن کا دھیان کیا ہے کچھ نہیں
دین کیا ہے کچھ نہیں ایمان کیا ہے کچھ نہیں

نذر کرنے کے لئے سامان کیا ہے کچھ نہیں
جان ہے اب اور میری جان کیا ہے کچھ نہیں

ق

خاک سے پیدا ہوا یہ خاک میں مل جائے گا
خاکدانِ دہر میں انسان کیا ہے کچھ نہیں

چاہتا ہوں میں کہ چاہیں آپ بھی دل سے مجھے
ہے یہی ارمان اور ارمان کیا ہے کچھ نہیں

ہر گھڑی ظلم و ستم ہر دم وہی قہر و عتاب
آپ کے نزدیک میری جان کیا ہے کچھ نہیں

میں فقیرِ بے غرض ہوں بے غرض کے واسطے
نفع کیا ہے کچھ نہیں نقصان کیا ہے کچھ نہیں

مرنے والے لٹنے والے مٹنے والے کے لئے
جان کیا ہے آن کیا ہے شان کیا ہے کچھ نہیں

تیغ نے گردن جدا کی موت نے لی جانِ زار
میرے سر پر آپ کا احسان کیا ہے کچھ نہیں

جب کہو قربان کر دوں جب کہو کر دوں نثار
یہ ذرا سا دل ذرا سی جان کیا ہے کچھ نہیں

کیا کہا ہم کو بہت کچھ غم زدوں کا دھیان ہے
تم کو اپنے غم زدوں کا دھیان کیا ہے کچھ نہیں

ہر حسیں پر اس کو مرنا اور اُسے غم جھیلنا
دل سلامت ہے تو میری جان کیا ہے کچھ نہیں

سر پٹکنے کو فقط دو چار پتھر رکھ لئے
اور میرے گھر میں اب سامان کیا ہے کچھ نہیں

خیر جو ظلم و ستم کرنے تھے وہ تم نے کئے
پچھلی باتوں کا ہمیں اب دھیان کیا ہے کچھ نہیں

میں یہ ان سے کیوں کہوں تم عاشقوں کی جان ہو
جانتا ہوں عاشقوں کی جان کیا ہے کچھ نہیں

ہو گئی غرقاب دنیا بہ گیا سارا جہاں
اب تو کہئے نوحؑ کا طوفان کیا ہے کچھ نہیں

ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

اِس طرح پر ۸ر اپریل سنہ ۱۹۲۰ء کو الہ آباد میں میرے شاگرد بابو سکھ دیو پرشاد بسمل نے مشاعرہ کیا مقامی شعرا اور روسائے شہر سب موجود تھے

گو ساتھ اُٹھا ساتھ چلا ساتھ پھرا میں
سائے کی طرح پھر بھی رہا اُن سے جدا میں

ق

مجھ کو یہ تمنا تھی نہ ہوں مِل کے جدا میں
پہلو سے چلے آپ تو دنیا سے چلا میں

اشکوں کی طرح آپ نے آنکھوں سے گرایا
اِس سے مجھے معلوم ہوا کچھ بھی نہ تھا میں

سر ہی نہ ہو تو کیا سرِ تسلیم جھکاؤں
دل ہی نہ ہو تو دوں اُنھیں کس دل سے دعا میں

ناراض اُدھر وہ بھی اِدھر دل بھی مخالف
جینے کی یہ شکلیں تھیں تو کیوں مر نہ گیا میں

دنیا نہیں کہتی نہ کہے دل تو کہے گا
برباد کیا آپ نے برباد ہوا میں

نکلا تو وطن میں کبھی پہنچا نہ پلٹ کر
اٹھا تو جنازے کی طرح گھر سے اٹھا میں

ہاتھوں کا اُٹھانا بھی ہوا جرم میں داخل
مطلب یہ ہے اللہ سے مانگوں نہ دعا میں

پھر بھی نہ ہوا ختم محبت کا فسانہ
سُنتے ہی رہے تم اِسے کہتا ہی رہا میں

دیکھیں نگہِ غور سے اربابِ تماشا
سب کچھ تھا مگر بعدِ فنا کچھ بھی نہ تھا میں

اِن میں سے کوئی دل کی تباہی کا سبب ہے
یا حسن ہو یا عشق ہو یا آپ ہوں یا میں

مقدار تو معلوم ہو تعداد تو کھل جائے
ایک ایک جفا تم گنو ایک ایک وفا میں

اپنا جنھیں سمجھے تھے اُنھیں اپنوں سے مِل کر
بدنام ہوئے آپ کہ بدنام ہوا میں

تھا بھی تو کسی آنکھ کا ٹپکا ہوا آنسو
ہوں بھی تو کسی ٹوٹے ہوئے دل کی صدا میں

انصاف سے فرمائیے ایمان سے کہئے
بے درد نہیں آپ تو بے درد ہوں کیا میں

گھر سے جو یکایک کوئی باہر نکل آیا
پردے کی طرح اُٹھ کے گرا گر کے اُٹھا میں

جینے کی دعا عشق میں دیتے ہیں مجھے خضر
کیا چاہتے ہیں دوں اُنھیں مرنے کی دعا میں

تھا حشر پہ موقوف جو دیدار کسی کا
انگڑائیاں لیتا ہوا مرقد سے اُٹھا میں

کہتے ہو ترا دل مری مٹھی میں کہاں ہے
آؤ تو مرے سامنے دیکھوں تو ذرا میں

آدابِ محبت میں کبھی فرق نہ آیا
جب تم سے ملا دل سے ملا جی سے ملا میں

اب تک ہے مجھے پاس وہی رسمِ وفا کا
دیتا ہوں اُنھیں مر کے بھی جینے کی دعا میں

محفل میں اگر حشر اُٹھانے کو وہ بیٹھے
طوفان اٹھانے کے لئے نوحؔ اُٹھا میں

طبع زاد ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۱ء

ج

مرے دل کی خطائیں بھی قیامت ہیں قیامت ہیں
خطاؤں پر سزائیں بھی قیامت ہیں قیامت ہیں

کہاں سے میں کہاں آیا کہاں سے دل کہاں پہنچا
محبت کی ہوائیں بھی قیامت ہیں قیامت ہیں

نہیں معلوم کیا روزِ جزا پیش آنے والا ہے
قیامت میں سزائیں بھی قیامت ہیں قیامت ہیں

کوئی جیتا ہے اِن سے اور مرتا ہے کوئی اِن پر
لگاوٹ کی ادائیں بھی قیامت ہیں قیامت ہیں

علاجِ عشق سے اے چارہ گر تکلیف بڑھتی ہے
مرے حق میں دوائیں بھی قیامت ہیں قیامت ہیں

یہی کہتا ہے سُن سُن کر وہ اہلِ غم کے نالوں کو
فقیروں کی صدائیں بھی قیامت ہیں قیامت ہیں

اِدھر میری طبیعت بھی نہیں رکتی نہیں تھمتی
اُدھر اُن کی ادائیں بھی قیامت ہیں قیامت ہیں

چلو رندو بڑھو آؤ پیو پھر فصلِ گل آئی
یہ ساقی کی صدائیں بھی قیامت ہیں قیامت ہیں

کہیں ایسا نہ ہو بڑھ جائے پہلے سے جنوں میرا
گھٹائیں بھی ہوائیں بھی قیامت ہیں قیامت ہیں

قیامت کے جو منکر ہوں وہ دیکھیں میری آنکھوں سے
حسینوں کی ادائیں بھی قیامت ہیں قیامت ہیں

دمِ بے داد وہ اے نوحؔ دل میں یہ سمجھ رکھیے
ہماری بد دعائیں بھی قیامت ہیں قیامت ہیں

طبع زاد ۱۰ مئی ۱۹۲۲ء

ج

میں کسی شوخ کی گلی میں نہیں
زندگی میری زندگی میں نہیں

ہم وفا کی امید کیا رکھیں
کس میں ہوگی جو آپ ہی میں نہیں

کوئی کیسا ہے کوئی کیسا ہے
آدمیت ہر آدمی میں نہیں

تذکرہ ہی وفا کا سنتا ہوں
یہ کسی میں ہے یا کسی میں نہیں

اُس کا ملنا ہے اپنے کھونے پر — فی الحقیقت خدا خودی میں نہیں
کس سے پوچھوں کہ رات کیا گذری — اہل بزم اپنے ہوش ہی میں نہیں
وہ گھٹا آسمان پر اٹھی — عذر اب مجھ کو مے کشی میں نہیں
گفتگو اُن کی دوستی میں ہے — شک نہیں اُن کی دشمنی میں نہیں
ہے خودی اور بے خودی کچھ اور — بے خودی کا مزہ خودی میں نہیں
کوئی چلمن اُٹھائے بیٹھا ہے — کوئی اپنے حواس ہی میں نہیں
غور سے دیکھئے تو سب کچھ ہے — کون سی بات آدمی میں نہیں
یہ بھی ہو وہ بھی ہو تو لطف آئے — کچھ نہیں لاگ اگر لگی میں نہیں

کون سا وصف کون سی خوبی
حضرت نوحؔ ناردی میں نہیں

مثالِ نقشِ پا میں کوئے جاناں میں ابھرتا ہوں

۹ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء

یہ مشاعرہ بانکی پور پٹنہ میں درگاہ حضرت سید شاہ ارزاں صاحب رحؒ پر باہتمام جناب سید شاہ حامد حسین صاحب حامدؔ سجادہ نشین قریب گیارہ بجے رات کو شروع ہو کر پانچ بجے صبح کو ختم ہوا اس سال بہ نسبت سال گذشتہ کے مجمع بہت کم تھا اول تو تمام شہر میں وبائی شکایت تھی دوسرے آپس میں کچھ خانگی جھگڑے تھے تیسرے بوجہ شادی باہر کے شعرا نہیں بلائے گئے مقامی حضرات میں سے وجدؔ صاحب سالکؔ صاحب مضطرؔ صاحب حسرتؔ صاحب شیداؔ صاحب شبیرؔ صاحب کاملؔ صاحب عزیزؔ صاحب اور باہر کے شعرا میں سے عیشؔ صاحب داناپوری آزادؔ صاحب سہسرامی جناب بدرؔ صاحب قتیلؔ صاحب فکرؔ صاحب سیفؔ صاحب آروی توبہؔ صاحب اعظمؔ صاحب الہ آبادی وغیرہ موجود تھے قریب قریب سب کی غزلیں اچھی رہیں اس میری غزل میں پہلی یہ خصوصیت ہے کہ سب اشعار مطلع ہیں دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ایک ہی قافیہ میں پوری غزل ہے تیسری خصوصیت یہ ہے کہ پہلے مطلع کے پہلے مصرع میں وہی ہر مطلع کے ہر پہلے مصرع میں قافیہ ہے چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اگر پہلے مصرع کو دوسرا مصرع اور دوسرے مصرع کو پہلا مصرع قرار دیا جائے جب بھی ربط عبارت اور ترکیب الفاظ اور خوبیٔ بندش کے لحاظ سے ہر مطلع بامعنی اور اپنی جگہ درست ہو جاتا ہے پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اگر ہر مطلع کے پہلے مصرع کو دوسرا مصرع اور دوسرے مصرع کو پہلا مصرع مانا جائے تو اس صورت میں بھی تمام مطلع ایک ہی قافیہ میں ہوں گے

کسی کے عشق میں یوں خضر کی تردید کرتا ہوں — جو وہ جینے پہ مرتے ہیں تو میں مرنے پہ مرتا ہوں
ق
ترے آگے کبھی شکوہ کبھی میں آہ کرتا ہوں — یہ کیوں کرتا ہوں اس باعث سے کرتا ہوں کہ مرتا ہوں
چلو یوں ہی سہی پر اس سے کب انکار کرتا ہوں — جو مرتا ہوں تو مرتا ہوں نہیں مرتا تو مرتا ہوں
وفورِ ناتوانی سے کہاں فریاد کرتا ہوں — وہ عالم ہے کہ اب میں سانس لینے میں بھی مرتا ہوں
کہوں کیا عالمِ حیرت میں کیا میں کام کرتا ہوں — نہ ہنستا ہوں نہ روتا ہوں نہ جیتا ہوں نہ مرتا ہوں
وفورِ ناامیدی میں قضا کو یاد کرتا ہوں — مرا مرنا عجب مرنا ہے میں مرنے پہ مرتا ہوں
یہ میں نے کب کہا ترکِ وفا و عشق کرتا ہوں — کسی پر جب بھی مرتا تھا کسی پر اب بھی مرتا ہوں

حسینوں سے زیادہ عاشقوں کی قدر کرتا ہوں
محبت میں جو مر جاتے ہیں ہیں تو اُن پہ مرتا ہوں

تڑپ جاتا ہوں میں اُن سے جو ترکِ عشق کرتا ہوں
یہ عادت بھی عجب شئے ہے نہیں مرتا تو مرتا ہوں

لبِ جاں بخش سے یہ خوش مذاقی روز کرتا ہوں
وہ مجھ کو پھر جلا دیتا ہے میں پھر اُس پہ مرتا ہوں

خیالِ یار کو دل سے کہاں میں دور کرتا ہوں
اِسی کے ساتھ جیتا ہوں اِسی کے ساتھ مرتا ہوں

محبت میں جواب مرنا پڑا تو آہ کرتا ہوں
تماشا جانتا تھا پہلے کہہ دیتا کہ مرتا ہوں

جو کستے ہیں وہ آوازے تو میں افسوس کرتا ہوں
شبِ غم کس لیے جیتا رہا اِس غم میں مرتا ہوں

کسی کی آرزو میں زندگی برباد کرتا ہوں
زمانہ موت سے مرتا ہے میں بے موت مرتا ہوں

دعائیں صدقِ دل سے وقتِ آخر بھی یہ کرتا ہوں
مرے اللہ وہ جیتے رہیں میں جن پہ مرتا ہوں

جفا و جور کی فریادیں کب اُن سے کرتا ہوں
نہیں ملتا جو غم مجھ کو تو اِس غم میں بھی مرتا ہوں

تغافل سے گلہ اغماض سے فریاد کرتا ہوں
وہ فرماتے ہیں کل میں آؤں گا میں آج مرتا ہوں

محبت ہے مری تم کو بھی میں تصدیق کرتا ہوں
یہی سنتا ہوں مرتے ہو یہی کہتے ہو مرتا ہوں

کہاں میں بے خودیِ شوق میں فریاد کرتا ہوں
مجھے یہ بھی نہیں معلوم جیتا ہوں کہ مرتا ہوں

شبِ غم سیکڑوں آزار سہہ کر صبح کرتا ہوں
نہ مجھ کو موت آتی ہے نہ میں بے موت مرتا ہوں

جو دیتا ہے مجھے تو حکم میں وہ کام کرتا ہوں
ترے کہنے سے جیتا ہوں ترے کہنے سے مرتا ہوں

سفر نارے سے پٹنے کا جو یوں ہر سال کرتا ہوں
خلوصِ حضرتِ حامد یہ میں اے نوح مرتا ہوں

طبع زاد ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۱ء

ج

ہم اِس خیالِ وفا میں رہیں رہیں نہ رہیں
بتوں کا ظلم خدا سے کہیں کہیں نہ کہیں

جو دردِ دل ہو تو آنسو کہیں کہیں نہ کہیں
یہ نکلیں نکلیں نہ نکلیں بہیں بہیں نہ بہیں

ابھی وہ حالِ دلِ بے قرار کا سُن لے
کہ اپنے ہوش میں پھر ہم رہیں رہیں نہ رہیں

اُجاڑا گریۂ پیہم نے آشیاں میرا
جو سیل آئے تو تنکے بہیں بہیں نہ بہیں

جہاں کو دیدۂ عبرت سے دیکھ اے غافل
یہ منظر آج کے کل تک رہیں رہیں نہ رہیں

پہنچ گئے مرے دل سے نکل کر آنکھوں تک
اب اختیار ہے آنسو بہیں بہیں نہ بہیں

دل و جگر کو تمھارے سپرد کرتا ہوں
خبر نہیں کہ سلامت رہیں رہیں نہ رہیں

خیالِ ضبط کسے تابِ انتظار کہاں
بہیں گے لختِ دل آنسو بہیں بہیں نہ بہیں

کبھی جو حالِ مریضانِ غم کہا تو کہا
مری بلا سے وہ زندہ رہیں رہیں نہ رہیں

ادائے یار ذرا یہ مزاجِ یار سے پوچھ
ہم اپنے دل کی حقیقت کہیں کہیں نہ کہیں

وہ کہہ گئے کہ رہیں گے ترے گھر آئیں گے
کبھی یہ سوچ ہے وہ کچھ سُنے سُنے نہ سُنے
خوشی کی موت بھی دنیا میں ہے بشر کے لئے

اب آئیں آئیں نہ آئیں رہیں رہیں نہ رہیں
کبھی یہ فکر ہے کچھ ہم کہیں کہیں نہ کہیں
ہم اُن کے سامنے زندہ رہیں رہیں نہ رہیں

فراقِ یار میں طوفان تو اُٹھے گا ضرور
جنابِ نوحؔ کے آنسو نہیں نہیں نہ نہیں

جلوۂ یار میرٹھ کے لئے ۲۵ مئی ۱۹۲۲ء

محفلِ یار اگر حشر کا میدان نہیں
حسن والوں کا جسے پاس نہیں دھیان نہیں
اور باتوں میں تو ہشیار ہو نادان نہیں
دیکھنا تھا جو زمانے میں وہ ہم دیکھ چکے
سرِ بھی الفت میں گیا دل بھی گیا جی بھی گیا
یوں ہوا محوِ خیالات کہ اللہ اللہ
آپ کے عشق میں کیا خیر منائے کوئی
یہ غلط ہے کہ بُلانے سے چلے آئیں گے
دیکھ کر اے نگہِ ناز بتانا مجھ کو
دل نوازی کا مزا یہ ہے کہ دل ہی میں رہے
ہم نے یہ دیکھ لیا جانچ لیا جان لیا
دل اُڑا کر بھی وہی آپ دل آزار رہے

ج

تو مرے واسطے کیوں پھول نہیں پان نہیں
وہ مری رائے میں حیوان ہے انسان نہیں
اہلِ عشق اہلِ ہوس کی تمھیں پہچان نہیں
مرگ کا شوق ہے اب زیست کا ارمان نہیں
جو بھرا جائے کسی سے یہ وہ نقصان نہیں
دل تو کیا چیز ہے اپنا بھی مجھے دھیان نہیں
غم ہے تو دل نہیں جب دل نہیں تو جان نہیں
ہیں وہ نادان مگر اِتنے بھی نادان نہیں
دل میں ارمان کوئی ہے کہ اب ارمان نہیں
جو نکالے سے نکل جائے وہ ارمان نہیں
جو رہی کر کے کوئی دل میں پشیمان نہیں
واقعہ یہ ہے کہ انسان ہر انسان نہیں

نوحؔ کے دوسرے دیوان کو بھی آپ پڑھیں
جو زمانے کو ڈبو دے یہ وہ طوفان نہیں

طبع زاد ۸ ستمبر ۱۹۲۲ء

تمھارے سامنے میں آہ آہ کیوں نہ کروں
فلک جو مجھ کو ستائے تو آہ کیوں نہ کروں
لحاظ و پاس اب ایسا بھی کیا سرِ محفل
دفورِ غم میں یہ اکثر خیال ہوتا ہے
وہ میرے سامنے آئے ہیں اور بیٹھے ہیں
بہت دنوں سے تو ہے مرگ و زیست کا جھگڑا

ج

جو دل میں راہ نہ پاؤں تو راہ کیوں نہ کروں
تباہ ہو کر اُسے میں تباہ کیوں نہ کروں
کوئی نگاہ کرے میں نگاہ کیوں نہ کروں
کہ آہ آہ کروں آہ آہ کیوں نہ کروں
نگاہ کیوں نہ اُٹھاؤں نگاہ کیوں نہ کروں
اب اِس خیال کو میں رو براہ کیوں نہ کروں

یہ باغ بانِ حقیقی کی یادگاریں ہیں
چمن میں وقعتِ برگ و گیاہ کیوں نہ کروں

نظر ملے جو نظر سے تو دل بھی دل سے ملے
تری نگاہ کی جانب نگاہ کیوں نہ کروں

بشر کے واسطے دونوں ہیں لازم و ملزوم
ثواب کیوں نہ کماؤں گناہ کیوں نہ کروں

وہی تو ہے مری ایذا کا دیکھنے والا
شبِ فراق خدا کو گواہ کیوں نہ کروں

یہ اختیار تو ہے اختیار سے باہر
چبھے جو تیر کلیجے میں آہ کیوں نہ کروں

قصوروار کو شرمِ قصور لازم ہے
کروں گناہ تو عذرِ گناہ کیوں نہ کروں

اسی لئے تو خدا سے ملی ہیں دو آنکھیں
جہاں میں سیر سفید و سیاہ کیوں نہ کروں

حریصِ لذتِ آزار میں ہوں ہر ساعت
شکایتِ ستم گاہ گاہ کیوں نہ کروں

لغت میں نوحؔ کے معنی جو ہیں وہ ظاہر ہیں
یہ نام ہو تو بو نہیں آہ آہ کیوں نہ کروں

طبع زاد ۳۱ مئی سنہ ۱۹۲۱ء

ج

اہلِ الفت سے تنے جاتے ہیں
روز روز آپ بنے جاتے ہیں

ذبح تو کرتے ہو کچھ دھیان بھی ہے
خون میں ہاتھ سنے جاتے ہیں

روٹھنا اُن کا غضب ڈھائے گا
اب وہ کیا جلد منے جاتے ہیں

کچھ اِدھر دل بھی کھنچا جاتا ہے
کچھ اُدھر وہ بھی تنے جاتے ہیں

کیوں نہ غم ہو مجھے رسوائی کا
وہ مرے ساتھ سنے جاتے ہیں

دل نہ گھبرائے کہ وہ روٹھ گئے
چار فقروں میں منے جاتے ہیں

ہے یہ مطلب نہ چھیڑے کوئی
بیٹھے بیٹھے وہ تنے جاتے ہیں

بے وفاؤں سے وفا کی امید
نوحؔ نادان بنے جاتے ہیں

طبع زاد ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء

ج

مری فغاں میں اثر ہے بھی اور ہے بھی نہیں
اِدھر کسی کی نظر ہے بھی اور ہے بھی نہیں

کوئی ملے گا یہ کیا ہم کہیں یقین کے ساتھ
پرائے دل کی خبر ہے بھی اور ہے بھی نہیں

ملا تھا حسن تو رہنا تھا دور دور اُسے
وہ رشکِ شمس و قمر ہے بھی اور ہے بھی نہیں

امید و بیم میں الفت نے ہم کو ڈال دیا
علاجِ دردِ جگر ہے بھی اور ہے بھی نہیں

کرم کے ساتھ ستم تھا جفا کے ساتھ وفا
نظر میں اُن کی نظر ہے بھی اور ہے بھی نہیں

مرے خیال میں آ کر مری نظر میں پھرو
یہ اک طرح کا سفر ہے بھی اور ہے بھی نہیں

جو پوچھتا ہوں تو اختر شناس کہتے ہیں
کہ شامِ غم کی سحر ہے بھی اور ہے بھی نہیں

جنابِ نوح یہ کیا بار بار کہتے ہیں
وہ جوششِ دیدۂ تر ہے بھی اور ہے بھی نہیں

چین سے آپ رہیں کچھ مری پروا نہ کریں

اس طرح پر بسم اللہ کی تقریب میں جناب سید شاہ حامد حسین صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت سید شاہ ارزاں صاحب رح مقام بانکی پور پٹنہ عظیم آباد نے ۲۹ر مارچ ۱۹۲۲ء کو مشاعرہ کیا تھا نشست دس بجے رات کو شروع ہو کر تین بجے دن کو ختم ہوئی سامعین اور شعرا لاکر چھ سات سو آدمی رہے ہوں گے

اہلِ الفت غم و آزار کا شکوا نہ کریں
ہوں جو ایسے وہ کبھی بھول کر ایسا نہ کریں

جس سے کم ظرف بنیں کام ہم ایسا نہ کریں
خُم کے ہوتے ہوئے کیوں حسرتِ پیمانہ کریں

اس سے بے قدریِ آزار و جفا ہوتی ہے
ہر کسی پر ستم و جور وہ ڈھایا نہ کریں

دردِ عشق اور بھی درماں سے زیادہ ہوگا
خیر اسی میں ہے کہ تکلیف مسیحا نہ کریں

چپ رہو چپ رہو محشر میں یہ کیا خوب کہی
آج اور آج بھی ہم آپ کا شکوا نہ کریں

چشمِ مشتاق سے چہرے کا چھپانا کیسا
اس کے معنی یہ ہوئے ہم انھیں دیکھا نہ کریں

جلوۂ محفلِ عالم کے تماشائی ہوں
لیکن اتنا کہ ہم اپنے کو تماشا نہ کریں

اور کیا راز ہے چلمن میں یہی راز تو ہے
ہم کو دیکھا کریں وہ ہم انھیں دیکھا نہ کریں

عکس پر ہونے لگا وہم تماشائی کا
ہے یہ صورت تو وہ آئینہ بھی دیکھا نہ کریں

عشق اچھا ہے مگر عشق سے موت اچھی ہے
جان لے لیں وہ مرے دل کا تقاضا نہ کریں

گرم بازاریِ الفت کا سبب ہے تپِ عشق
اشک اس جلتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا نہ کریں

آپ پوچھیں تو کبھی دل سے فسانہ دل کا
پھر ہم اظہارِ غمِ عشق کریں یا نہ کریں

اس توجہ کو عنایت کو نوازش کو سلام
اور مری دل سے مرا حال وہ پوچھا نہ کریں

کتنے معذور ہیں بُت خانے کے رہنے والے
سامنے ان کے ہو کعبہ بھی تو سجدا نہ کریں

ہو کوئی بات مگر میرے ستانے کے لئے
غیر ممکن ہے کہ وہ ظلم کا چرچا نہ کریں

اُن کو یہ فکر کہ دیکھے نہ یہ صورت میری
اور مجھ کو یہ تمنا کہ وہ پروا نہ کریں

گھونٹ دو گھونٹ سے کیا ہوگا ہمیں اے ساقی
اتنی دے آج کہ اندیشۂ فردا نہ کریں

ہے سکونِ دلِ بے تاب کی تدبیر یہی
چارہ گر دردِ محبت کا مداوا نہ کریں

اشک باری سے نکل جاتی ہے کچھ دل کی بھڑاس
کیا کریں نوح جو طوفان اُٹھایا نہ کریں

پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

۱۹ اگست ۱۹۲۲ء کو اس طرح پر کرنیل گنج کانپور میں زیر صدارت جناب فصاحت لکھنوی مشاعرہ ہوا نو بجے رات سے شروع ہو کر یہ مشاعرہ پانچ بجے صبح تک رہا مشاہیر شعرا میں سے علاوہ فصاحت صاحب کے لیاقت صاحب خلف جناب فصاحت لکھنوی منشی امیر محمد خاں صاحب آمیر مولوی عبدالحی صاحب عروج ابوالخیال جناب گوہر صاحب کانپوری۔ نواب جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی وغیرہ شریک تھے بارش کی وجہ سے مجمع کم تھا پھر بھی چھ سات سو آدمی تھے

ج

تکلیفِ عشق لایقِ شرح و بیاں نہیں
منھ میں زباں ہے مرے دل میں زباں نہیں

ہیں مبتلائے بارِ مصائب کہاں نہیں
زیرِ زمیں تو ہوں جو یہ آسماں نہیں

آنسو نکل رہے ہیں تو نالے بھی ہوں بلند
ہے کارواں مگر جرسِ کارواں نہیں

جانچو مجھے بھی میرے تصور کو جانچ کر
میں اُس جہاں میں ہوں کہ جہاں یہ جہاں نہیں

گردش ہے چرخ کو انھیں تنکوں کے واسطے
بجلی سے جو بچے وہ مرا آشیاں نہیں

آتی ہزار بار قیامت جہان میں
مشکل یہ ہے کہ اُن کا قدم درمیاں نہیں

روشن ہے مثلِ شمع مرے دل میں داغِ عشق
اِس بند گھر میں پھر بھی ذرا سا دھواں نہیں

یہ کیوں کہا فلک کی شکایت فضول ہے
کیا آپ کا شریک ستم آسماں نہیں

تخصیص کیا ہے اِس کے لئے کوہِ طور کی
آنکھیں جو ہوں تو اُس کی تجلی کہاں نہیں

ہیں سو مصیبتوں میں گرفتار ہو گیا
آرام سے وہ ہیں جو ترے رازداں نہیں

کھُل جائے رازِ عشق کبھی یہ محال ہے
آ جائے جو سمجھ میں وہ دل کی زباں نہیں

وہ حکم دے گئے تھے جو افشائے راز کا
ہے دل میں درد اور زباں پر فغاں نہیں

صیاد آئے برق گرے آندھیاں اُٹھیں
میں مطمئن ہوں جب سے مرا آشیاں نہیں

باغِ جہاں میں پھول تو سب ہیں خراب حال
تصویرِ گل کے واسطے خوفِ خزاں نہیں

کیا آپ پوچھتے ہیں مرے دل کے واقعات
یوں مٹ گیا کہ اب کوئی نام و نشاں نہیں

ظالم کہا جو تم کو تو ہم نے بجا کہا
اِس کا یقین بھی ہے گماں ہی گماں نہیں

دیر و حرم میں خاک اُڑانے سے فائدہ
پہلے یہ جانچ لوں وہ کہاں ہے کہاں نہیں

میری فغاں نے پہلے ہی بڑھ کر جلا دیا
اب صرف ہے یہ حدِ نظر آسماں نہیں

اُٹھتے ہیں بت کدے میں جو طوفاں سیکڑوں
اے نوح کیا خدا کی خدائی یہاں نہیں

سربکف پھرتے ہیں ہم لیکن کوئی قاتل نہیں

گیا میں کانگریس کے موقع پر منشی جگیشر پرشاد صاحب خشش نے ۲۴ دسمبر ۱۹۲۲ء کو ایک جنرل مشاعرہ کیا تھا

جمعیۃ العلماء کے پنڈال میں یہ مشاعرہ گیارہ بجے شب کو شروع ہو کر پانچ بجے صبح کو ختم ہوا داخلے کا ٹکٹ ایک روپیہ تھا علاوہ مقامی شعرا کے بسمل صاحب غنی صاحب ڈاکٹر بانکے لال صاحب الہ آبادی مولوی تمنا صاحب پھلواروی جناب شفق صاحب عماد پوری جناب سریر صاحب کابری شاہ واجد حسین صاحب وجد مضطر حسرت وغیرہ رؤسائے پٹنہ وغیرہ موجود تھے آغازِ مشاعرہ سے پہلے مولانا سلیمان صاحب ندوی نے شاعری کے متعلق ایک لمبی چوڑی تقریر فرمائی میں نے اپنی اِس غزل پر مصرع لگائے تھے مشاعرہ میں خمسہ ہی میں نے پڑھا تھا جو بہت پسند کیا گیا گورنمنٹ کی جانب سے بہت سے رپورٹر بھی تھے مشاعرے کا آغاز بسمل صاحب الہ آبادی کی غیر طرح غزل سے ہوا

اختلافِ رنگ سے وہ رونقِ محفل نہیں
اب تمیزِ نیک و بد اے اضطرابِ دل نہیں
بزمِ ہستی میں ٹھہر کر ہم نے دیکھا ہر طرح
غرق ہو کر ڈوبنے والے کنارا پا گئے
اپنی حاجت پر کرے اوروں کی حاجت کا لحاظ
شوق کہتا ہے تجھے دنیا میں رہنا چاہیئے
اے تمنائے شہادت خیر دیکھا جائے گا
یوں بھی تو ہوتا ہے ظاہر اختلافِ باہمی
بات ہی وہ کیا ہے جس کا اِس قدر ہے انتشار
خوش مذاقی منحصر ہے انبساطِ طبع پر
رہروِ الفت کو مرقد ہی میں آئے گا قرار
جورِ پیہم باعثِ تسکینِ خاطر ہو گیا
عشق کی ایذا اُٹھائے ہجر کی سختی سہے
بحرِ غم میں کشتیِ دل ہو ہی جائے گی تباہ
میں کروں ترکِ جفا کا ذکر تو کیا جان کر
بات بن کر بگڑتی ہے تو ہے اِس میں یہ بات
روح نکلی اور خالی جسم میرا رہ گیا
کھینچے وہ آ کر ذرا پہلو سے تو کھل جائے راز
تیغ حاضر آپ بھی آمادہ دل بھی بے قرار
روشنی پھیلی تھی جس کی وہ ہے آنکھوں سے نہاں
وادیِ الفت میں رہرو کس لئے ہوں بدحواس
ایک کے دم سے جہاں میں دوسرے کا ہے وجود

ج

دل تو ہے پہلو میں سب کے ایک سمت کا دل نہیں
کچھ قصور اپنے میں ہو تو جرم میں شامل نہیں
اور ہے سب کچھ مگر ہاں انبساطِ دل نہیں
آشنا کہتے تھے بحرِ عشق میں ساحل نہیں
یوں ہمارا یوں تمہارا یوں کسی کا دل نہیں
عقل کہتی ہے مسافر یہ تری منزل نہیں
حیلہ جو قاتل ہے لیکن خنجرِ قاتل نہیں
متحد رسمِ کتابت میں حروفِ دل نہیں
حشر میں کہہ دیجئے گا ہم ترے قاتل نہیں
کیا لگاؤں دل کسی سے اب وہ میرا دل نہیں
یہ وہ منزل ہے کہ اِس کے بعد پھر منزل نہیں
وہ ستم ایجاد میرے حال سے غافل نہیں
یہ کلیجے کا کلیجا اور دل کا دل نہیں
اُس طرف یہ جا رہی ہے جس طرف ساحل نہیں
آپ کہہ دیں گے مری عادت میں یہ داخل نہیں
ڈالتے تھے جو اثر دل پر وہ اہلِ دل نہیں
محملِ لیلیٰ تو ہے وہ لیلیِ محمل نہیں
آپ کہتے ہیں کہ میرا تیر جزوِ دل نہیں
اب مری مشکل کی آسانی کوئی مشکل نہیں
اہلِ محفل کیا کریں شمعِ سرِ محفل نہیں
منزلِ مقصود اِن کی اب کوئی منزل نہیں
دل نہیں تو ہم نہیں حسرت نہیں تو دل نہیں

ہو گیا پیش اب ہمارے مرنے جینے کا سوال
آپ کے غمزوں کو بھی آتے ہیں کیا کیا توڑ جوڑ
اے دلِ مایوس بر آئے گی تیری آرزو

یہ ہمیں مشکل ہو شاید وہ ہمیں مشکل نہیں
دل نہیں پہلو میں لیکن پھر بھی میں بے دل نہیں
کوششیں بے شرط گھبرانے سے کچھ حاصل نہیں

آپ اِس کو جانتے ہیں نوح میرا نام ہے
ساری دنیا کا ڈبو دینا مجھے مشکل نہیں

تڑپتے لوٹتے رہتے ہیں لاکھوں کوئے قاتل میں

۶ر نومبر ۱۹۲۴ء کو اس طرح پر کرسچین کالج الہ آباد میں مشاعرہ ہوا مقامی شعرا قریب قریب سب موجود تھے

پھنسایا حسنِ عالم گیر نے اُن کو بھی مشکل میں
کہ دل ایک ایک کے پہلو میں وہ ایک ایک کے دل میں

ہزاروں قطرۂ خوں ہیں مری اک رگِ دل میں
کہاں تک جذب ہوں گے دامنِ شمشیرِ قاتل میں

مددائے عشقِ صادق پھنس گئے ہم سخت مشکل میں
کہ اُتنے نشترِ غم ہیں رگیں جتنی نہیں دل میں

یہ مطلب ہے کہ مضطر ہی رہوں میں بزمِ قاتل میں
تڑپنا لوٹنا داخل ہوا آدابِ محفل میں

اثر کچھ آپ نے دیکھا ہمارے جذبِ کامل کا
اُدھر چھوٹے کماں سے اور اِدھر تیر آ گئے دل میں

بنے بے درد وہ بھی جو مرے ہمدرد بنتے تھے
بڑی مشکل سے کام آتا ہے کوئی سخت مشکل میں

اِدھر آ کر ذرا آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے والے
وہ لٹکا تو بتا دے جس سے دل ہم ڈال دیں دل میں

الٰہی کس سے پوچھیں حال ہم گورِ غریباں کا
کہ سارے اہلِ محفل چپ ہیں اِس خاموش محفل میں

وہ سن کر نالہ و فریاد اُن کا مجھ سے فرمانا
یہ کیا معلوم تھا چھریاں بھری ہیں آپ کے دل میں

بدل دے اِس طرح اے چرخ حسن و عشق کا منظر
پسِ محمل ہو لیلےٰ قیس ہو لیلےٰ کے محمل میں

بندھے شرطِ وفا کیوں کر نبھے رسمِ وفا کیوں کر
یہاں کچھ اور ہے دل میں وہاں کچھ اور ہے دل میں

جہاں پہنچے وہیں دو چار عاشق کر لیئے پیدا
تمھاری دل فریبی نے پھنسایا تم کو مشکل میں

یہ پیارے ناز یہ بانکی ادا یہ موہنی صورت
سما سکتے تو رکھ لیتا اُٹھا کر میں تمھیں دل میں

ہمارے دل کی دنیا رہ گئی زیر و زبر ہو کر
قیامت ڈھا گیا زانو بدلنا اُن کا محفل میں

یہ کیا اندھیر ہے یہ کیا غضب ہے کیا تماشا ہے
مٹا دو بھی اُسی دل کو رہو بھی تم اُسی دل میں

تماشا ہم بھی دیکھیں ڈوب کر بحرِ محبت کا
اپاہج کی طرح بیٹھے ہیں کیا آغوشِ ساحل میں

دلِ ایذا طلب اپنا جو ٹھہرے گا تو ٹھہرے گا
کسی بے درد کے گھر میں کسی ظالم کی محفل میں

طریقہ اِس سے آساں اور کیا ہے گھر بنانے کا
مری آغوش میں آ کر جگہ کر لیجئے دل میں

بڑھا اے نوح جب طوفان دریائے حوادث کا

تو غوطے در طۂ غم نے دئے افکار ساحل ہیں

طبع زاد ۳۱ دسمبر ۱۹۲۴ء

بے تابیِ دل سے ہم یوں دشت میں پھرتے ہیں
گر گر کبھی اٹھتے ہیں اٹھ کر کبھی گرتے ہیں

اس راہ میں گرتے ہیں اس راہ میں گرتے ہیں
دل ہم کو نہیں ملتا ہم ڈھونڈھتے پھرتے ہیں

مرغانِ چمن سر پر رکھے انھیں پھرتے ہیں
پتے بھی درختوں سے گلشن میں جو گرتے ہیں

دنیا کے فریبوں سے کیا ہو انھیں آگاہی
دل ہی میں جو رہتے ہیں آنکھوں ہی میں پھرتے ہیں

بے وجہ نہیں کھوتے جاں ان کے تمنائی
جب چاہ ستاتی ہے تو چاہ میں گرتے ہیں

دل کا یہ تقاضا ہے لے چلئے وہاں مجھ کو
عشاق جہاں جا کر زندہ نہیں پھرتے ہیں

اشکوں کے ٹپکنے پر تصدیق ہوئی اس کی
بے شک وہ نہیں اٹھتے آنکھوں سے جو گرتے ہیں

دنیا کی ہواؤں نے چکر میں انھیں ڈالا
جس سمت پھراتی ہیں اس سمت وہ پھرتے ہیں

کیا باغ میں پھولوں پر گلچیں نے ستم توڑا
پر بازوئے بلبل سے بے ساختہ گرتے ہیں

ہیں فرطِ مسرت میں زندہ نہیں رہنے کا
کیوں قول مجھے دے کر وہ قول سے پھرتے ہیں

معلوم نہیں تم کو وقعت مرے اشکوں کی
پلکوں سے اٹھاتا ہوں آنکھوں سے جو گرتے ہیں

ہے خاتمہ ہونے کو تکلیف کی راتوں کا
اے نوح کوئی دن میں دن اب ترے پھرتے ہیں

ہمارا نام ہے مشہور دل لگانے میں

۳۱ جنوری ۱۹۲۶ء کو اپنے کے ڈی کلب الہ آباد میں منشی گوری شنکر صاحب وغیرہ نے ایک مشاعرہ اس طرح پر کیا۔ شعراء ہی تھے جو غنی صاحب کے مشاعرہ منعقدہ ۳۰ جنوری ۱۹۲۶ء میں تھے یہ نشست بارہ بجے دن سے شروع ہو کر پانچ بجے شام کو ختم ہوئی ہزار بارہ سو آدمی تھے اچھی اچھی غزلیں پڑھی گئیں

یہ تفرقہ یہ ستم یہ غضب زمانے میں
بہار باغ میں ہے میں ہوں قید خانے میں

خیالِ قدرتِ حق چاہئے زمانے میں
کہ ایک ایک ہے نخل ایک ایک دانے میں

وفا کو ڈھونڈھتے پھرتے ہو کیا زمانے میں
تمھیں یہ لفظ ملے گا مرے فسانے میں

یہ جان لو کہ خزاں آ گئی زمانے میں
چہل پہل نہ رہے جب شراب خانے میں

وہ کہہ رہا ہے جو کی ہو وفا تو میں بھی کروں
کسی کے ساتھ کسی نے کسی زمانے میں

یہ داغِ عشق یہ داغِ ستم یہ داغِ فراق
کئی طرح کے ہیں سکے مرے خزانے میں

چلو خوشی نہ ملی ہم کو رنج و غم ہی ملے
کسی طرح تو بسر ہو گئی زمانے میں

جو آئے گا بھی تو کیا لے گا وہ بتِ کافر
خدا کا نام ہے میرے غریب خانے میں